عَنْ اِبْنِ اَبِیْ عُمَیْرَۃَ قَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اَللّٰھُمَّ اجْعَلْہُ ھَادِیًا مَھْدِیًّا وَاھْدِ بِہٖ (سنن ترمذی)

سیدنا عبدالرحمن بن ابی عمیرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے اللہ! معاویہ کو ہادی اور مہدی بنا، اور اس کے ذریعے لوگوں کو ہدایت دے!

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراضات کی حقیقت

اَلصَّوَارِمُ الْحَیْدَرِیَّۃ عَلٰی مَنْحَرِ طَاعِنِ مُعَاوِیَۃ

قاری ظہور احمد فیضی کی کتاب الاحادیث الموضوعۃ فی فضائل معاویۃ کا تنقیدی و تحقیقی جائزہ

بقلم

غُلام حُسین قادری (خادم الحدیث وعلومہ)

محرک

مولانا عاطف سلیم نقشبندی

پروگریسو بکس

عَنْ اِبْنِ اَبِیْ عُمَیْرَۃَ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْہُ ھَادِیًا مَھْدِیًّا وَاھْدِ بِہٖ (سنن ترمذی)

سیدنا عبدالرحمٰن بن ابی عمیرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے اللہ! معاویہ کو ہادی اور مہدی بنا، اور اس کے ذریعے لوگوں کو ہدایت دے!

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراضات کی حقیقت

اَلصَّوَارِمُ الْحَیْدَرِیَّۃ عَلٰی مَنْحَرِ طَاعِنِ مُعَاوِیَۃ

قاری ظہور احمد فیضی کی کتاب اَلْاَحَادِیْثُ الْمَوْضُوْعَۃ فِیْ فَضَائِلِ مُعَاوِیَۃ کا تنقیدی و تحقیقی جائزہ

بقلم: غُلام حُسین قادری (خادم الحدیث وعلومہ)
محرک: مولانا عاطف سلیم نقشبندی

پروگریسو بکس
یوسف مارکیٹ ٥ غزنی سٹریٹ
اُردو بازار ٥ لاہور
فون 042-37124354 فیکس 042-37352795

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراضات کی حقیقت

الصوارم الحیدریۃ
علی منحر
طاعن معاویۃ

جمیع حقوق الطبع محفوظۃ
جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

بقلم غلام حسین قادری (خادم الحدیث وعلومہ)

محرک مولانا عاطف سلیم نقشبندی

بار اول	جولائی 2019ء
پرنٹرز	آر، آر پرنٹرز، لاہور
سرورق	النافع گرافکس
تعداد	600/-
ناشر	چوہدری غلام رسول ۔ میاں جواد رسول میاں شہزاد رسول
قیمت	=/ روپے

ملنے کے پتے

ملت پبلی کیشنز
فیصل مسجد اسلام آباد Ph: 051-2254111
E-mail: millat_publication@yahoo.com

اسلام بک ڈپو
۱۲۔ گنج بخش روڈ لاہور
فون 0323-8836776/042-37112941

شوروم ملت پبلی کیشنز دوکان نمبر 5- مکہ سنٹر نیو اردو بازار لاہور 0321-4146464
Ph: 042-37239201 Fax: 042-37239200

پروگریسو بکس
یوسف مارکیٹ ٥ غزنی سٹریٹ
اردو بازار ٥ لاہور
فون 042-37124354 فیکس 042-37352795

فہرست

عنوانات | صفحہ

عنوانات	صفحہ

عنوانات | صفحہ

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

عرضِ ناشر

انسان دنیا میں رہ کر اپنی عزت، شہرت، عظمت اور ناموری کے لیے گونا گوں کام کرتا ہے لیکن دل کی اتھاہ گہرائیوں میں حقیقی اور واقعی اطمینان و سکون نہیں پاتا، آخر وجہ کیا ہے؟ اس کا جواب قرآنِ مجید کی یہ آیت مبارکہ ہے: ألا بذکر اللہ تطمئن القلوب. کے دلوں کا اطمینان و سکون ذکرِ الٰہی ہی میں مضمر ہے جس کے ذیل میں تلاوت، نوافل، خوش گفتاری اور تالیفِ قلوب وغیرہ جیسے بے شمار اعمال و اعتقادات آتے ہیں جن سے آخرت سنورتی ہے اور جو مدعائے مسلم ہے، البتہ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہِ انور میں سب سے پسندیدہ کام دینِ متین میں لگے رہنا ہے خواہ تدریسی، تقریری، تالیفی و تصنیفی شکل میں ہو یا تعلمی و محافلِ علمیہ کے انعقاد کی صورت میں ہو، بہرحال ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ اپنی آخرت سنوارنے کے لیے دنیا میں رہ کر کچھ تو ضرور کرے تاکہ بارگاہِ الٰہی و مصطفائی میں حاضری کے موقع پر کائنات کے سامنے رسوائی اُٹھانا نہ پڑے۔ بفضلہ تعالیٰ ہم نے بھی دوسرے اسلامک پبلشرز کی طرح نثری سلسلے کا آغاز کر رکھا ہے اور مختصر عرصہ میں مسند ابوداؤد طیالسی، صحیح ابن حبان، صحیح ابن خزیمہ، مسند حمیدی، المعجم الاوسط، شرح المعجم الصغیر، معجم الاوسط، معجم الکبیر للطبرانی، شرح ریاض الصالحین، شرح ابوداؤد، شرح بہارِ شریعت، علامہ خرپوتی کی شرح قصیدہ بردہ شریف، الانتقاء، جامع المسانید، الشریعۃ جیسی ضخیم کتب کے تراجم شائع کیے ہیں جنہیں زبردست پذیرائی ملی ہے۔ علاوہ ازیں تفسیر و حدیث و سیرت و تاریخ وفقہ کی کئی مشہور و معروف اور مایہ ناز کتب کے تراجم ان شاء اللہ جلد منظر عام پر آئیں گے۔ ان تمام کتب کی تیاری میں جن افراد کی مدد ہمارے شاملِ حال ہے، ادارہ اُن تمام لوگوں کا تہہ دل سے شکرگزار ہے۔

ادارہ پروگریسو بکس کی ہمیشہ سے یہ کوشش رہی ہے کہ جہاں پر اہلِ ایمان کے اعمال کی اصلاح کا خیال رکھا جائے وہیں پر اہلِ سنت والجماعت کے نظریات وعقائد پر ترجیحی کام کرنا بھی ادارہ کی اولین ترجیحات میں شامل رہا ہے، اسی سلسلہ میں ادارہ دفاعِ صحابہ کے عنوان پر اس سے پہلے بھی اہلِ ایمان کے ایمان کی تقویت کے لیے کام زیورِ طبع سے آراستہ کر چکا ہے۔ زیرِ نظر کتاب ''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراضات کی حقیقت'' بھی اس سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ آخر میں ادارہ محترم عبدالغفار دوانہ (کراچی) کا انتہائی مشکور ہے جنہوں نے اس کام کے چھاپنے میں خصوصی دلچسپی کا اظہار کیا، نیز مولانا عاطف سلیم صاحب کا ادارہ خصوصی طور پر مشکور ہے جن کی وساطت سے ادارہ کو یہ کتاب چھاپنے کی سعادت ملی۔ آپ لوگوں کی دعاؤں کے طلبگار:

☆ چوہدری غلام رسول ☆ چوہدری شہباز رسول ☆ چوہدری جواد رسول ☆ چوہدری شہزاد رسول ☆

❖ ❖ ❖ ❖ ❖

مقدمہ

الحمد للہ رب العلمین والصلاۃ والسلام علی سیدنا وحبیبنا محمد صلی اللہ تعالی علیہ وسلم وعلی آلہ وسلم وصحبہ أجمعین وعلی کل من تبعھم إلی یوم الدین

اہلبیت اطہار رضوان اللہ تعالی علیہم کی محبت ہم اہلسنت کی رگ و پے میں سمائی ہوئی ہے، ان کی محبت ہمارے ایمان کا حصہ ہے، ان سے عقیدت ہمارا طرۂ امتیاز ہے، ان کی خدمت، ان کی تعظیم ہمارے لیے باعث سعادت ہے۔ اہلسنت کا بچہ بچہ اہلبیت کی محبت والفت سے سرسار ہوتا ہے۔

اہلبیت کی محبت کا معنی، ان کے ہر فرد سے عقیدت رکھنا، ان کے علما کی پیروی کرنا ہے، ان کی محبت ہی کا تقاضہ ہے کہ نبی محترم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کے تمام صحابۂ کرام علیہم الرضوان سے بھی محبت کی جائے، ان کی تعظیم کی جائے، اپنی زبانوں کو جس طرح اہلبیت اطہار کے لیے محتاط رکھتے ہیں، اسی طرح صحابہ کرام علیہم الرضوان کے لیے بھی احتیاط کے ساتھ استعمال کریں۔

اہلبیت کی تعظیم بھی اس لیے ہے کہ یہ رحمت عالم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کی آل پاک ہیں، اور صحابۂ کرام علیہم الرضوان کی تعظیم بھی اس لیے کہ اللہ تعالی نے اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کی صحبتِ مبارک کے لیے ان ہستیوں کو منتخب فرمایا۔

امام قاضی عیاض مالکی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

ومن توقیرہ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم وبرہ بر آلہ وذریتہ وأمھات المؤمنین أزواجہ

”نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم واطاعت میں سے یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کی آل پاک اور آپ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کی پاک بیویوں امہات المؤمنین سے بھلائی کرے“۔

(الشفاء بتعریف حقوق المصطفی صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم مع شرح الشفا ج ۲ ص ۸۱)

مزید فرماتے ہیں:

ومن توقيره وبره صلى الله تعالى عليه وآله وسلم توقير أصحابه وبرهم ومعرفة حقهم والاقتداء بهم وحسن الثناء عليهم والاستغفار لهم

''نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم میں سے یہ ہے کہ آپ علیہ السلام کے صحابہ کی تعظیم کی جائے، ان کے ساتھ بھلائی کی جائے، ان کے حق کو جانا جائے، ان کی پیروی کی جائے، ان کی تعریف کی جائے، ان کے لیے استغفار کیا جائے''۔ (الشفاء مع الشرح ج۲ ص۸۹-۹۰)

امام تقی الدین سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ومن توقيره صلى الله تعالى عليه وآله وسلم توقير أصحابه والسكوت عما شجر بينهم

''رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم میں سے آپ کے اصحاب کی تعظیم ہے اور ان کے درمیان ہونے والا معاملات سے سکوت کرنا ہے''۔ (السیف المسلول ص۵۲۵)

ان صحابہ کرام علیہم الرضوان کے لیے سب سے بڑا شرف یہ تھا کہ انہیں اس ہستی کی صحبت حاصل ہوئی جس کی بارگاہ سے ہر رفعت تقسیم ہوتی ہے، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، اس شرف عظیم نے ان کو اپنے غیر سے ممتاز بنادیا۔

مناقب ابی حنیفۃ للمکی میں امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

مقام أحدهم مع رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم ساعة واحدة خير من عمل أحدنا عمره وإن طال

''رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ان میں سے کسی ایک لمحہ بھر گزارنا ہماری ساری زندگی کے عمل سے بہتر ہے چاہے کتنی لمبی عمر کیوں نہ مل جائے''۔

(مناقب أبي حنيفه للكردري ص ۷۷)

صحابہ کرام علیہم الرضوان پر طعن وتشنیع کرنے والا، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر طعن کا ارادہ کرتا ہے، کیونکہ وہ براہِ راست تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر تو طعن کرنہیں سکتا، اس لیے صحابہ کرام علیہم الرضوان پر طعن کرتا ہے، بلکہ اس طعن کے ذریعے وہ قرآن وسنت کے احکام کو باطل قرار دینا

چاہتا ہے، اس کی وضاحت کرتے ہوئے حافظ کبیر ابوزرعہ رازی بیان کرتے ہیں:

اذا رأیت الرجل یتنقص احدًا من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فاعلم انہ زندیق، لان الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عندنا حق، والقرآن حق وانما ادی الینا ھذا القرآن والسنن اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم. وانما یریدون ان یجرحوا شھودنا لیبطلوا الکتاب والسنۃ، والجرح بھم اولی، وھم زنادقۃ.

''جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب میں سے کسی کی تنقیص کررہا ہے تو جان لو کہ وہ زندیق ہے۔ اس لیے کہ رسول کریم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم ہمارے نزدیک حق ہیں، قرآن حق ہے، ہم تک قرآن اور سنن، رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب نے ہی پہنچائی ہیں تو جو لوگ ہمارے گواہوں پر جرح کرتے ہیں وہ قرآن سنت کو باطل کرنا چاہتے ہیں، جرح تو انہی کے لائق ہے اور یہ زندیق ہیں۔

(الکفایۃ فی علم الروایۃ ص ٤٨)

ائمہ اہلسنت کا اتفاق ہے کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کے مابین ہونے والے مشاجرات میں خاموشی اختیار کی جائے گی، کسی کی تنقیص نہیں کی جائے گی، ان سے یہ امور اجتہاد کی بنیاد پر صادر ہوئے، آپسی جھگڑوں میں مولائے کائنات مولا مشکل کشا رضی اللہ تعالی عنہ حق پر تھے، جبکہ آپ کے مقابل آنے والے صحابہ کرام علیہم الرضوان خطا پر تھے، لیکن یہ خطا اجتہادی تھی، جس پر وہ ایک اجر کے مستحق قرار پائے۔

امام ابو حامد محمد بن محمد الغزالی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

واعتقاد أھل السنۃ تزکیۃ جمیع الصحابۃ والثناء علیھم کما أثنی اللہ سبحانہ وتعالی ورسولہ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم وما جری بین معاویۃ وعلی رضی اللہ تعالی عنھما کان مبنیاً علی الاجتھاد. لا منازعۃ من معاویۃ فی الإمامۃ.

''اہل سنت کا یہ طریقہ کار ہے کہ وہ تمام صحابہ کا تزکیہ کرتے اور ان کی تعریف کرتے ہیں، اور حضرت امیر معاویہ اور حضرت سیدنا علی المرتضی رضی اللہ تعالی عنہما کے درمیان جو جنگ ہوئی یہ اجتہاد پر مبنی تھی، امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کی طرف سے خلافت میں کوئی جھگڑا نہیں تھا''۔

(احیاء علوم الدین ج ١ ص ١٠٥)

الشاہ امام احمد رضا خان رحمہ اللہ تعالی ارشادفرماتے ہیں: حضرت مرتضوی رضی اللہ تعالی عنہ سے جنہوں نے مشاجرات ومنازعات کئے ہم اہلسنت ان میں حق، جانب جناب مولی علی (اور ان کے مقابل آنے والوں کو) برغلط وخطا (مانتے) اور حضرت اسد اللہی کو بدرجہا ان سے اکمل واعلی جانتے ہیں مگر بایں ہمہ بلحاظ احادیث مذکورہ زبانِ طعن وتشنیع ان دوسروں کے حق میں نہیں کھولتے، اور انہیں ان کے مراتب پر جوان کے لیے شرع میں ثابت ہوئے رکھتے ہیں، کسی کو کسی پر اپنی ہوائے نفس سے فضیلت نہیں دیتے، اور ان کے مشاجرات میں دخل اندازی کو حرام جانتے ہیں، اور ان کے اختلافات کو ابوحنیفہ وشافعی جیسا اختلاف سمجھتے ہیں، تو ہم اہل سنت کے نزدیک ان میں کسی ادنی صحابی پر بھی طعن جائز نہیں۔ (فتاوی رضویہ) ج ۲۹ ص ۳۷۶)

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ، سیدنا رسول کریم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کے عظیم صحابی ہیں، آپ کی تعظیم وتکریم کرنا، آپ کا ذکر خیر کرنا باعث برکت ہے، اہلسنت ہمیشہ آپ کا ذکر خیر کے ساتھ کرتے رہے، کچھ عرصے سے اہلسنت کہلانے والے کچھ افراد نے طریقۂ اہلسنت سے ہٹ کر سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ پر طعن کا دروازہ کھولا ہوا ہے، علمائے اہلسنت کثرھم اللہ تعالی ان کی بدگوئیوں کا جواب دیتے آئے ہیں۔

اللہ تعالی سلامت رکھے دعوت اسلامی کے امیر مولانا الیاس قادری صاحب کو جنہوں نے اپنے مدنی چینل پر سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کا عرس منایا، جس پر اہلسنت میں چھپے وہ افراد جن کے دل میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کا بغض چھپا ہوا وہ کھل کر سامنے آیا، شوشل میڈیا پر جو طوفان بدتمیزی ایک مخصوص طبقے نے برپا کیا وہ حیرت انگیز تھا۔

اللہ تعالی باطل کے رد کے لیے اپنے بندے مقرر فرماتا ہے، جہاں بغضی افراد اپنی آخرت برباد کرتے ہوئے گمراہ کن نظریات کا پرچار کرتے رہے، وہیں نوجوانان اہلسنت ان کے اعتراضات کو تارِ عنکبوت ثابت کرتے رہے۔

ان اہل باطل میں جس شخص نے اپنی آخرت برباد کرنے میں سبقت حاصل کی وہ قاری ظہور احمد فیضی ہے۔

موصوف پہلے اپنی کتب شرح خصائص علی رضی اللہ تعالی عنہ، اور شرح اسنی المطالب میں سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ پر طعن وتشنیع کرتے رہے ہیں، لیکن اب مکمل جامہ سے باہر آکر اپنے پیشروؤں کو بھی شرما گئے ہیں۔

موصوف نے دعوت اسلامی کے شعبے المدینۃ العلمیہ کی طرف سے لکھی گئی کتاب "فیضان امیر معاویہ رضی

اللہ تعالی عنہ" کا جواب لکھنے کی کوشش کی، جس کا نام موصوف نے "الاحادیث الموضوعۃ فی فضائل معاویہ" رکھا ہے۔

کتاب کا مقصد تو موصوف نے یہ بیان کیا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کے فضائل میں جو احادیث گھڑی گئی ہیں، ان کے بارے میں وضاحت کردیں کہ یہ موضوع ہیں، اور ناصبیت کا رد کریں۔ موضوع احادیث کا رد کرنا ایک اچھا مقصد ہے، اسی طرح ناصبیت کا رد بھی ضروری ہے، لیکن کتاب پڑھنے کے بعد بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ موصوف کا مقصود ہرگز یہ نہیں، ان کا اصل مقصد سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کی صریح توہین کرنا، آپ پر جھوٹے الزمات لگانا، اور فضیلت میں آنے والی ہر بات کا رد کرنا ہے، اس کے لیے موصوف نے ہر طرح کی خیانت سے کام لیا ہے، عبارتوں میں قطع و برید کی ہے، جس نے بھی سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کا دفاع کیا یا آپ کے فضائل بیان کیے ہیں، اس پر موصوف خوب برسے اور ناصبی ہونے کے طعنے دیئے ہیں۔ یہ تمام باتیں کتاب میں باحوالہ پڑھ لیں گے۔

اللہ تعالی کے فضل وکرم سے ہم نے اس کتاب میں موصوف کے باطل اعتراضات کے جوابات دیئے ہیں۔

موصوف نے کتاب دوحصوں میں تقسیم کی ہے، پہلے حصے میں کتاب فیضان امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ میں موجود بعض احادیث پر کلام کیا ہے اور انہیں موضوع ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، جبکہ دوسرے حصے میں حدیث مبارک اللھم اجعلہ ھادیا مھدیا پر طعن کیا ہے اور اہل باطل کی کتب سے سرقہ کرتے ہوئے حدیث پر عقلی اعتراضات کیے ہیں۔

ہم نے اس کتاب کو مقدمہ اور دو حصوں پر تقسیم کیا ہے، موصوف نے کتاب کی ابتداء میں تمہیدا اہلسنت پر ناصبیت کا الزام لگایا ہے، حدیث موضوع پر بحث کی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کی فضیلت میں وارد ہر حدیث موضوع ہے۔

ہم نے مقدمہ میں ناصبیت کے معنی پر بحث کی ہے۔ نیز موصوف فیضی کے اہلسنت پر ناصبیت کے الزامات کا تفصیلی جواب دیا ہے۔ مولائے کائنات رضی اللہ تعالی عنہ کی اصابت اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کی تعظیم پر ائمہ اہل سنت کا مؤقف ذکر کیا ہے، نیز موصوف فیضی کے صحابہ کرام علیہم الرضوان پر اعتراضات کے جواب دیئے ہیں۔

حدیث موضوع کیسے ثابت ہوتی ہے، اس بات کو بیان کیا ہے، نیز کن شخصیات کے حق میں سب سے زیادہ احادیث گھڑی گئیں باحوالہ ذکر کیا ہے۔

امام اسحاق بن راھویہ رحمہ اللہ تعالی کے قول کا معنی، حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ تعالی کے فرمان کا معنی، امام نسائی، امام حاکم کے واقعے کا جواب ومجمل بیان کیا ہے۔

کتاب کے پہلے حصے میں وہ احادیث جن پر موصوف نے کلام کیا ہے ان کا تحقیقی والزامی جواب دیا ہے۔ فیضان امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ میں مذکور احادیث اگر چہ کہ عند التحقیق موضوع نہیں ،لیکن میرا اپنا مؤقف یہ ہے کہ ان میں سے بعض احادیث جس درجہ کی ہیں ان کو بیان نہ کرنا بہتر ہے، اور خوش آئند بات یہ ہے کہ میری اطلاع کے مطابق ادارہ ان احادیث کو اگلے ایڈیشن میں شامل نہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، اسے کہتے ہیں حق کو قبول کرنا۔لیکن فیضی نے جن روایات پر کلام کیا ہے، وہ درجۂ موضوعیت تک نہیں پہنچتی۔

دوسرے حصے میں حدیث اللھم اجعلہ ھادیا مھدیا پر فیضی کے بے سروپا اعتراضات کا تفصیلی جواب دیا ہے۔ان میں سے بعض اعتراض وہ ہیں جن کے جوابات ہمارے ائمہ بارہا اپنی کتب میں دے چکے ہیں ،لیکن فیضی جیسے لوگ دوبارہ وہی پرانے اعتراضات اٹھا کر لے آتے ہیں۔

ہم اس کتاب میں سے بعض مقامات فیس بک پر پوسٹ کر چکے ہیں ،جس پر احبابِ اہلسنت کی طرف سے بڑی حوصلہ افزائی کی گئی اور ہماری ان تحریروں کی بڑی پذیرائی نصیب ہوئی۔احباب کا اصرار تھا کہ جلد سے جلد کتاب مارکیٹ میں لائی جائے۔اللہ تعالی ان تمام کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

میں ان تمام احباب کا شکریہ ادا کرتا ہوں ، جنہوں نے اس کتاب کے حوالے سے کسی بھی طرح تعاون کیا، میں علامہ عاطف سلیم نقشبندی صاحب کا تہہ دل سے مشکور ہوں جنہوں نے اس کام کو چھپوانے میں خصوصی دلچسپی کا اظہار فرمایا اور ان کی وساطت سے چوہدری جواد رسول صاحب، ادارہ پروگریسو بکس نے مسلکی محبت میں اس کتاب کو طبع کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے۔ اللہ تعالی ان کو اس کی بہترین جزاء عطا فرمائے اورانہیں دین متین کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔

کتاب میں علمی وتحقیقی کسی طرح کی غلطی پائیں توضرور مطلع فرمائیں۔

خادم علم الحدیث:
غلام حسین القادری

ناصبیت کسے کہتے ہیں؟

ظہور احمد فیضی نے اپنی کتاب الاحادیث الموضوعات میں متعدد مقامات پر اہل سنت پر ناصبیت کی تہمت لگائی ہے، لیکن کسی مقام پر ناصبیت کی تعریف نہیں کی کہ ناصبیت کہتے کسے ہیں کیونکہ اس سے ان کا سارا اوویلا بے بنیاد ثابت ہوتا، لہٰذا بہتر معلوم ہوتا ہے کہ ناصبی کہتے کسے ہیں اولا اسے بیان کر دیا جائے۔

معتبر لغات اور ائمہ کی واضح تصریحات کے مطابق مولائے کائنات مولا مشکل کشا علی المرتضی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ یا اہل بیت اطہار رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے بغض وعداوت رکھنے کا نام ناصبیت ہے، ایسے شخص کو ناصبی کہا جاتا ہے۔

قاموس میں ہے:

والنواصب، والناصبية، وأهل النصب: المتدينون ببغضة على رضى الله تعالى عنه لأنهم نصبوا له أى: عادوه

''نواصب، ناصبیہ اور اہلِ نصب سے مراد وہ لوگ ہیں جنھوں نے بغضِ علی رضی اللہ عنہ اختیار کر رکھا ہے کیونکہ وہ حضرت علی کے خلاف کھڑے ہوئے یعنی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دشمنی رکھی۔'' (القاموس المحیط) ج۱ص ۱۳۳)

امام محدث مرتضی زبیدی حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

وأَظْهَرُوا له الخِلافَ، وهم طائفة من الخَوَارِج

''یعنی انہوں نے حضرت علی کی کھلے عام مخالفت کی اور وہ خوارج کا ہی ایک گروہ تھا۔''

مزید ارشاد فرماتے ہیں:

وهم المتدينون ببغضة سيدنا أمير المؤمنين، ويعسوب المسلمين، أبى الحسن على بن أبى طالب رضى الله تعالى عنه وكرم وجهه.

''یعنی ناصبی وہ لوگ ہیں جنھوں نے سیدنا امیر المؤمنین یعسوب المسلمین، ابوالحسن علی بن ابی

طالب کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے بغض کو اختیار کیا۔" (تاج العروس) ج ٤ ص ٢٧٧)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وهو الانحراف عن علي وآل بيته

"یعنی حضرت علی اور آپ کے گھرانے سے منہ موڑنا ناصبیت ہے۔" (فتح الباري) ج ١٠ ص ٤٧)

الکلیات للکفوی میں ہے:

يقال أيضاً لمذهب هو بغض علي بن أبي طالب وهو طرف النقيض من الرفض، ويقال لهم: الطائفة النواصب، وهم مثل الخوارج

"ناصبیت حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بغض رکھنے والے مذہب کو بھی کہا جاتا ہے اور یہ (ناصبیت) رافضیت کی ضد ہے اور انہیں الطائفۃ النواصب یعنی ناصبی گروہ بھی کہا جاتا ہے اور وہ خوارج کی مثل ہیں۔" (الکلیات للکفوی) ص ٧٦)

اعلیٰ حضرت امام اہلسنت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

"ان (اہل بیت کرام) کی محبت بحمد اللہ تعالیٰ مسلمان کا دین ہے، اور اس سے محروم ناصبی خارجی جہنمی ہے والعیاذ باللہ تعالی، مگر محبت صادقہ نہ وہ روافض کی سی محبت کاذبہ، جنہیں ائمہ اطہار فرمایا کرتے تھے: خدا کی قسم تمہاری محبت ہم پر عار ہوگی"۔ (فتاوی رضویہ ج ۲۲ ص ۴۲۱)

ایک اور مقام پر ارشا فرماتے ہیں:

"یزید بے شک پلید تھا، اسے پلید کہنا اور لکھنا جائز ہے، اور اسے رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نہ کہے گا مگر ناصبی کہ اہل بیتِ رسالت کا دشمن ہے، والعیاذ باللہ تعالیٰ"۔ (فتاوی رضویہ ج ۱۴ ص ۶۰۳)

کیا کسی مقام پر نواصب کی تعریف یہ کی گئی ہے:

"جو سیدنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے صحابی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے محبت کرے یا ان کا دفاع کرے وہ ناصبی ہے؟"

اب آیئے موصوف فیضی نے جن بے ڈھنگے دلائل سے اہل سنت و جماعت کو ناصبی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، ان کا جائزہ بھی لے لیتے ہیں، موصوف نے امیر دعوت اسلامی مولانا الیاس قادری صاحب اطال اللہ عمرہ کو ناصبی ثابت کرنے کے لیے چار دلیلیں دی ہیں۔

موصوف اہل السنۃ کے ناصبی ہونے پر پہلی دلیل دیتے ہیں:

''ان لوگوں نے اہل بیت کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مقدس اسماء کے ساتھ لفظ علیہ السلام کہنے یا لکھنے کے مسئلے کو اپنی اس کتاب میں درج کر دیا ہے جس کا نام ہے: کفریہ کلمات کے بارے میں سوال و جواب۔'' (الاحادیث الموضوعات ص ۸)

اقول وباللہ التوفیق! یہاں فیضی صاحب نے یہاں زبردست مغالطہ دیا ہے، ہم بھی حیران تھے کہ کیا مولانا الیاس قادری صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ نے اس کو کفر لکھ دیا ہے؟ لیکن جب ہم نے کتاب کھول کر اس مقام کو تلاش کیا تو سارا عقدہ کھل گیا۔

اوّلاً: امیر دعوت اسلامی نے اس مسئلے پر اہلسنت کے مؤقف کو بیان کیا ہے، کفر تو دور کی بات اس کو حرام تک نہیں کہا، بلکہ صرف اتنا لکھا کہ منع ہے۔ اس کتاب کا موضوع کفریہ کلمات کے بارے میں وضاحت کرنا ہے، ضمن میں کئی فوائد اس کتاب میں مذکور ہیں۔

ثانیاً: کیا یہاں مسئلہ خاص اہل بیت اطہار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ بیان کیا گیا ہے؟ جی نہیں ایسا نہیں ہے۔ یہ مسئلہ انبیائے کرام علیہم السلام سے متعلق کلمات کے ضمن میں بیان کیا گیا ہے، موصوف فیضی نے یہ تأثر دیا ہے کہ یہ مسئلہ اہل بیت اطہار کے لیے خاص طور پر بیان کیا گیا ہے، حالانکہ کتاب میں ہیڈنگ ہے: ''غیر نبی کے ساتھ علیہ السلام بولنا کیسا؟'' سوال یہ لکھا گیا ہے: غیر نبی کے ساتھ علیہ السلام لکھنا اور بولنا کیسا ہے؟ اس پر جواب دیا گیا: منع ہے۔

پھر فتاوی امجدیہ کا جزئیہ ذکر کیا گیا جس میں حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام مبارک کے ساتھ علیہ السلام لکھنے کے بارے میں سوال وجواب مذکور ہے۔

(کفریہ کلمات کے بارے میں سوال جواب ص ۲۴۳)

لیکن موصوف نے الزام لگاتے ہوئے مسئلہ اہل بیت اطہار کے ساتھ خاص کر دیا ہے! وجہ کیا ہے؟ عنقریب آپ جان لیں گے کہ ان کا مقصد اہل بیت کی محبت کو آڑ بنا کر صحابۂ کرام علیہم الرضوان پر طعن کرنا اور جو ان کا دفاع کرنا ان کو اپنے طعن وتشنیع کا نشانہ بنانا ہے۔

ثالثاً: اسی کتاب ''کفریہ کلمات کے بارے میں سوال وجواب'' میں سادات کرام کے بارے میں سوال وجواب کی مکمل ایک فصل ہے جس میں سادات کرام کی توہین کرنے والے کے احکام، توہین کرنے

والوں کا انجام، سادات کرام سے حسن سلوک کا صلہ، ان کی تعظیم وتکریم کس قدر ضروری ہے اور کیوں ضروری ہے، سب باتیں احادیث اور اقوال ائمہ کی روشنی میں بیان کی گئی ہیں، لیکن موصوف کو یہ مکمل گفتگو نجانے کیوں نظر نہیں آئی! یا ان کے نزدیک سادات کے فضائل کی نعوذ باللہ کوئی اہمیت ہی نہیں ہے؟

رابعاً: غیر نبی کے ساتھ علیہ السلام کا مسئلہ امیر اہل سنت دامت برکاتہم العالیہ نے اپنی طرف سے تو نہیں لکھا جو کچھ علمائے اہلسنت نے لکھا ہے اسی کو نقل کیا ہے۔

علامہ بدر الدین عینی رحمہ اللہ تعالیٰ شرح سنن ابی داود میں لکھتے ہیں:

وقد اختلف العلماء في الصلاة على غير الأنبياء فقال مالك، وأبو حنيفة، والشافعي والأكثرون: لا يصلّى على غير الأنبياء استقلالا، لا يقال: اللهم صل على أبي بكر، أو عمر، أو عليّ، أو غيرهم ولكن يُصلّى عليهم تبعا، فيقال: اللهم صل على محمد وآل محمدٍ وأصحابه وأزواجه وذريته- كما جاءت الأحاديث، وقال أحمد وجماعة: يُصلى على كل واحد من المؤمنين مُستقلاً، واحتجوا بهذا الحديث وبقوله - عليه السلام-: ((اللهم صل على آل أبي أوفى)) وكان إذا أتاه قوم بصدقتهم صلّى عليهم، واحتج الأكثرون بأن هذا النوع مأخوذ من التوقيف واستعمال السلف، ولم يُنقل استعمالهم ذلك، بل خصّوا به الأنبياء كما خصوا الله تعالى بالتقديس والتسبيح، فيقال: قال الله سبحانه وتعالى، وقال الله تعالى، وقال عز وجل، وقال الله جلّت عظمته، وتقدست أسماؤه، وتبارك وتعالى ونحو ذلك، ولا يُقال: قال النبي عز وجلّ وإن كان عزيزا جليلا ولا نحو ذلك.

وأجابوا عن الأحاديث أن ما كان من الله ورسوله فهو دعاء وترحم، وليس فيه معنى التعظيم والتوقير الذي يكون من غيرهما، وكذا الجواب عن قوله تعالى: (إنّ الله وملائكته يُصلُّون على النبي) الآية

وأما الصلاة على الآل والأزواج والذرية فإنما جاء على التبع لا على الاستقلال، والتابع يحتمل فيه ما لا يحتمل استقلالا.

”علما کا انبیائے کرام علیہم السلام کے علاوہ کسی اور پر صلاۃ بھیجنے میں اختلاف ہے، امام مالک،

امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور اکثر علما کا یہ قول ہے کہ غیر نبی پر مستقلا درود نہیں پڑھا جائے گا، یوں نہیں کہا جائے گا "اللھم صل علی أبي بکر، أو عمر، أو عليّ" ہاں بالتبع پڑھا جائے گا یوں پڑھا جاسکتا ہے "اللھم صل علی محمد وآل محمدٍ وأصحابه وأزواجه وذریته" جیسا کہ احادیث میں آیا ہے، جبکہ امام احمد اور ایک جماعت کا یہ قول ہے ہر مؤمن پر مستقلا درود پڑھا جاسکتا ہے، اور انہوں نے باب کی حدیث سے استدلال کیا ہے، اور اس حدیث سے کہ جب کوئی قوم حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں اپنے صدقات لے کر آتی تو آپ ان کے لیے رحمت کی دعا فرماتے ہیں، اکثر علما نے دلیل یہ دی ہے کہ اس طرح کے جملوں کا استعمال نص یا استعمال سلف سے ہی جانا جاسکتا ہے اور اسلاف سے یہ منقول ہی نہیں، انہوں نے اس کو انبیائے کرام علیہم السلام کے ساتھ خاص رکھا ہے جیسا کہ تقدیس وتسبیح کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص رکھا ہے تو یوں کہا جاتا ہے "قال اللہ سبحانه وتعالی، وقال اللہ تعالی، وقال عز وجل، وقال اللہ جلّت عظمته، وتقدست أسماؤہ، وتبارك وتعالی" یوں نہیں کہا جاتا "قال النبي عز وجلّ"، اگرچہ کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عزت وبزرگی والے ہیں، اور حدیث کے بارے میں انہوں یہ ارشاد فرمایا: جب صلاۃ کا لفظ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ہو تو اس میں ترحم کا معنی (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) اور دعا کا معنی (نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے) ہوتا ہے۔ اور یہی معنی (إنّ اللہ وملائکته یُصلُّون علی النبی) کا ہے اور رہا آل، ازواج اور ذریت پر صلاۃ تو وہ مستقلاً نہیں بالتبع ہے اور بالتبع میں بہت سے وہ کام درست ہوتے ہیں جو مستقلا درست نہیں ہوتے"۔

پھر فرماتے ہیں:

وقال الشیخ محیي الدین: اختلف أصحابنا في الصلاۃ علی غیر الأنبیاء ھل یقال: ھو مکروہ أو مجرد ترك أدب؟ والصحیح المشھور: أنه مکروہ کراھة تنزیه. وقال الشیخ أبو محمد الجُویني: والسلام في معنی الصلاۃ فإن اللہ تعالی قرن بینھما فلا یفرد به غائب غیر الأنبیاء، فلا یقال: أبو بکر، وعمر، وعليّ- علیه السلام- وإنما یقال ذلك خطاباً للأحیاء والأموات فیُقال: السلام علیکم ورحمة اللہ، واللہ أعلم

''امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ہمارے (شوافع) ائمہ کا غیر نبی پر درود پڑھنے میں اختلاف ہے کہ اس کو مکروہ کہا جائے گا یا یہ صرف ترک ادب ہے، صحیح اور مشہور یہ ہے کہ یہ مکروہ تنزیہی ہے، اور شیخ ابو محمد الجوینی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: سلام، صلاۃ کے معنی میں ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دونوں کو ملایا، لہٰذا انبیائے کرام علیہم السلام کے علاوہ کسی کو بھی غیبت میں علیہ السلام نہیں کہا جائے گا، یوں نہیں کہیں گے: أبوبکر، وعمر، وعلیؓ-علیہ السلام ہاں کسی زندہ یا وفات یافتہ کو خطاب کرتے ہوئے یوں کہیں گے: السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

(شرح سنن أبی داؤد) ج ٥ ص ٤٤٣-٤٤٤)

قاضی عیاض مالکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے الشفا میں اس مسئلے پر تفصیل کے ساتھ گفتگو فرمائی ہے۔

خود موصوف فیضی اس بات کو مانتے ہیں کہ اہل سنت کے یہاں بالعموم یہی تأثر ہے کہ اہل بیت عظام کے ساتھ ایسے الفاظ استعمال کرنا شیعیت ہے، جی ہاں موصوف اپنی کتاب شرح خصائص علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں لکھتے ہیں:

''ہم اہل سنت کے ہاں بالعموم یہ سمجھا جاتا ہے کہ اہل بیت عظام کے اسماء کے ساتھ ایسے الفاظ کا استعمال کرنا شیعیت ہے، راقم الحروف کے لاشعور میں بھی یہی عامیانہ تصور تھا، لیکن جب کتب اہل سنت میں یہ الفاظ بکثرت سامنے آئے تو میں یہ سمجھنے پر مجبور ہو گیا کہ یہ الفاظ شیعی شعار یا شیعی اصطلاح نہیں''۔ (شرح خصائص علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ص ۴۳۷)

اس کے بعد موصوف نے اہل بیت کے ساتھ علیہ السلام کہنے پر دلائل دیئے ہیں، ہمارا یہ موضوع نہیں اس پر کسی اور مقام پر گفتگو کریں گے، سوال یہاں یہ ہے کہ جب یہ ایک عام تصور اہلسنت میں کہ یہ شیعی اصطلاح ہے، تو اس کی ممانعت پر آپ نے امیر دعوت اسلامی پر ناصبیت کا فتوی کیسے لگا دیا؟ کیا یہ فتوی ان اکابر ائمہ پر بھی لگے گا جو اس کی ممانعت کے قائل ہیں یا یہ فتوی صرف ان لوگوں کے لیے ہے جن سے آپ کو خوف نہیں تھا کہ یہ آپ کو کسی طرح کا جواب دیں گے؟

دوسری دلیل اور اس کا محاسبہ

اہلسنت کو ناصبی ثابت کرنے کے لیے موصوف نے دوسری دلیل یہ دی کہ:

''ان لوگوں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا بھائی کہنے کو

بے ادبی پر محمول کیا یہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کھلی تنقیص ہے۔''

(الاحادیث الموضوعات ص ۹)

اصل میں یہ آپ کا کھلا تعصب ہے اول تو آپ کو معلوم ہی نہیں کہ یہ بات کس وقت کہی گئی، ہم نے وہ پروگرام نیٹ سے نکال دیکھا اس وقت مولائے کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل بیان کیے جارہے تھے اسی دوران یہ حدیث آئی ''أنت أخي في الدنيا والآخرة'' تو امیر اہلسنت نے اس کی وضاحت کردی، یہ کھلی تنقیص ہوگئی؟ اس کے بعد فضائل بیان ہوتے رہے، منقبتیں پڑھی جاتی رہیں، مساجد علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اہلبیت اطہار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اعلان ہوا، یہ کھلی تنقیص ہے؟

حالانکہ خود موصوف فیضی نے اپنی کتاب شرح خصائص علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں اس موضوع پر لکھا ہے، جس سے واضح ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے یہ فرامین بطور نوازش وتواضع کے تھے، ہمارے لیے یہ جائز ہی نہیں کہ ہم کسی کو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا بھائی یا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو کسی کا بھائی کہیں، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تحدیث نعمت کے لیے اپنی ایک مخصوص اخوت کا اعلان کیا تھا۔ آیئے موصوف کے بعض اقتباسات ملاحظہ فرمائیں اور یہاں عجلت کا اندازہ لگائیں لکھتے ہیں: ''بالکل ٹھیک ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مومن ہیں اور اس شرعی لحاظ سے تمام مومن آپ کے بھائی ہیں، لیکن ایسا کہلوانا بے ادبی ہے کیونکہ سیدنا آدم علیہ السلام سے لیکر حضرت عیسیٰ علیہم السلام تک اور سیدنا جبریل علیہ السلام سے لیکر ادنی فرشتہ تک تمام مومن ہیں، بلکہ تمام اہل اسلام جنات بھی مومن ہیں تو کیا سب کو اپنا بھائی کہا جائے گا؟ کیا آپ یوں کہیں گے کہ آدم علیہ السلام میرے بھائی ہیں اور جبریل علیہ السلام بھی میرے بھائی ہیں؟ بلا شبہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اپنا بھائی فرمایا اور آخر زمانہ کے لوگوں کو بھی اپنا بھائی فرمایا، مگر یہ سب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی کرم نوازی اور تواضع ہے ہمیں زیب نہیں دیتا کہ ہم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا یا خود کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا بھائی کہتے پھریں''۔

مزید لکھتے ہیں:

''یاد رکھیئے! روزمرہ کی گفتگو میں عرف عام کی رعایت کرنا انتہائی ناگزیر ہے، حتی کہ عرف عام کو بعض مرتبہ شریعت کی نصوص پر بھی ترجیح دی جاتی ہے''۔

مزید لکھتے ہیں:

''سو فقط شرعی جواز کے طور پر مومن ہونے کے حوالے سے سمجھا جا سکتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تک اور جبریل علیہ السلام سے لیکر ادنی فرشتہ تک اور تمام مومن جن ہمارے بھائی ہیں مگر عرف عام میں ایسا نہیں کہا جا سکتا۔''

مزید لکھتے ہیں:

''سطور بالا کی روشنی میں ہر چند کہ ہر مومن شخص کو جائز ہے کہ وہ خود کو اخو الرسول (رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا بھائی) یا اخو آدم (آدم علیہ السلام کا بھائی) وغیرہ کہہ سکتا ہے، لیکن عموما ایسا کہنا مناسب نہیں، سیدنا علی المرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو برسر منبر خود کو اخو الرسول فرمایا تھا اس میں ان کی توجہ نسب وقرابت پر نہ تھی، (الی) ان کے ذہن میں تو وہ مخصوص اخوت تھی جو انعام الہی کے طور پر فقط ان ہی کے حصہ میں آئی تھی''۔

مزید لکھتے ہیں:

''معلوم ہوا کہ یہ ایک مخصوص اخوت تھی، اسی لیے مولی علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تحدیث نعمت کے طور پر برسر منبر اس کا تذکرہ فرمایا''۔ (شرح خصائص علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ص ۳۷۳۔۳۷۷)

اب کیا موصوف اپنے لیے بھی یہی پسند کریں گے کہ ان پر ناصبیت کا فتوی لگا دیا جائے؟

تیسری دلیل اور اس کا جواب

تیسری دلیل دیتے ہیں:

''سادات کرام کے بارے میں ہلکا انداز اختیار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ خود کو سید ظاہر کر کے فوائد وعزت حاصل کرنے کی کوشش مت کریں، آخر اس کبیدگی خاطر کو کیا سمجھا جائے؟''

واقعی جب تعصب کی پٹی آنکھوں پر بندھ جائے تو ایسی باتوں کا صادر ہونا کوئی بعید بات نہیں، امیر اہل سنت سادات کرام کا کس قدر احترام کرتے ہیں اس پر لاکھوں لوگ شاہد ہیں، آپ نے اپنی متبعین کی گھٹی میں سادات کرام کی محبت پلائی ہے، صرف اسی سال کو دیکھیں تو محرم الحرام کی آمد سے قبل رسالہ ''سادات کرام کی تعظیم'' پڑھنے کی ترغیب دلائی جس کا لاکھوں لوگوں نے مطالعہ کیا، جہاں تک رہا سادات کرام کو اپنے آپ کو سید ظاہر نہ کرنے کا مشورہ دینا تو امیر اہلسنت، اپنے متعلقین چاہے وہ حفاظ ہوں، علما

ہوں یا سادات، ہر ایک کو سمجھاتے ہیں کہ اپنے آپ کو حافظ کہتے ہوئے، عالم یا مفتی کہتے ہوئے، سید کہتے ہوئے غور کرلیں کہ اس میں نیت کیا ہے؟ اگر اچھی نیت ہے تو کوئی بات نہیں، ہاں اگر اپنے اس منصب سے کوئی دنیاوی نفع اٹھانا چاہتے ہیں تو ایسا نہ کریں۔ کیا اس طرح سمجھانے میں کوئی برائی ہے؟

حالانکہ خود موصوف فیضی اپنی کتاب ''مناقب الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا'' میں لکھتے ہیں:

''اس مسئلہ میں سادات کرام کے حق میں معقول وموزوں بات یہ ہے کہ وہ اپنے اسلاف عظام کی سیرت کو مد نظر رکھتے ہوئے طاعت پر کاربند رہیں اور نسب پر گھمنڈ سے اجتناب فرمائیں، جبکہ ہمارے لیے شرعا اور عقلا اور مفید ترین بات یہ ہے کہ ہم ان کی فضیلت کا اعتراف کریں اور ان کی تعظیم کو قائم رکھیں اگرچہ ان کے اعمال کتنے ہی برے ہوں''۔

(مناقب الزہراء ص ۲۱۲۔ ۲۱۳)

یہی بات اس سے اچھے انداز میں امیر اہلسنت سمجھائیں تو ان پر ناصبیت کا فتویٰ کیوں؟

ظہور احمد فیضی کا سادات کے بارے میں ہلکا انداز اور چھپی ہوئی ناصبیت کا ظہور

موصوف نے اپنی مختلف کتب میں دیابنہ وہابیہ کے بکثرت حوالے دیئے ہیں اور اس کتاب میں تو اکثر استدلال ان لوگوں کی کتب سے ہی کیا ہے، مثلاً گنگوہی، خلیل انبیٹھوی، وحید الزمان، زکریا سہارنپوری، عبد الرشید نعمانی، صدیق حسن بھوپالی وغیرہ، ان میں کسی کے نام کے ساتھ علامہ لکھا ہے تو کسی کے نام کے ساتھ مولانا لکھا ہے، تو کسی کو شیخ الحدیث لکھا ہوا ہے، لیکن دیکھیں جب باری آتی ہے، سیدہ طیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لال، سیدنا علی المرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جگر گوشہ، حضرت علامہ سید عرفان شاہ مشہدی موسوی کاظمی دامت برکاتہم العالیہ کی تو ان کا قلم کس قدر حقارت کے ساتھ لکھتا ہے:

''مولوی عرفان شاہ مشہدی لکھتا ہے''۔ (شرح اسنی المطلب ص ۳۲۹)

کیوں جناب وہ بدمذہب جن میں بعض تو سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نیاز کے بھی جواز کے قائل نہیں، ذکر شہادت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ناجائز کہتے ہیں، وہ تو آپ کے نزدیک علامہ ومولانا ہیں، لیکن ایک سید زادہ کس لیے آپ کے نزدیک ان کے برابر بھی قابل تعظیم نہیں! آخر اس کبیدگی خاطر کو کیا سمجھا جائے؟

کیا اس کی وجہ یہ تو نہیں کہ بی بی زہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ بیٹا، آپ کے باطل نظریات کا ردّ

بانگ دہل کرتا ہے۔

چوتھی دلیل اور اس کا رد

موصوف چوتھی دلیل دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''موصوف اپنی گفتگو میں آل کو مؤخر اور صحابہ کو مقدم رکھتے ہیں اور صحابہ و اہل بیت کہتے ہیں، اہل بیت و صحابہ نہیں کہتے، حالانکہ قرآن وسنت نے انہیں مقدم رکھا ہے تعامل اہل سنت بھی اسی پر ہے۔۔۔ الخ''۔ (الاحادیث الموضوعات ص ۹)

یہاں سے ظاہر ہوا کہ تکلیف اصل میں صحابہ کرام علیہم الرضوان کے ذکر سے ہے، کیا کوئی عقل صحیح رکھنے والا بتا سکتا ہے کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کے ذکر کو مقدم رکھنا ناصبیت کی دلیل کس طرح ہے؟

ہر مقام پر کلمات کے ادا کرنے کا اپنا اسلوب ہوتا ہے، دعوت اسلامی والے جب درود پاک پڑھتے پڑھاتے ہیں تو اس طرح پڑھتے ہیں: وعلی آلک واصحابک یا حبیب اللہ۔ جی فیضی صاحب فرمائیں یہاں دعوت اسلامی والوں نے آل کو ہی مقدم رکھا ہے کیا اس سے آپ کی مزعومہ ناصبیت کا رد ہو جائے گا؟

جہاں کلمات کی خوبصورتی مقصود ہوتی ہے وہاں یہی دیکھا جاتا ہے کہ کون سا لفظ مقدم ہو اور کون سا مؤخر ہو تو کلام میں لفظی خوبصورتی آئے گی، مثلا ہم کلمات استعمال کرتے ہیں انبیاء ومرسلین علیہم السلام حالانکہ مرسلین عظام، کا مرتبہ انبیاء کرام سے بڑھ کر ہے،

قرآن مجید میں بعض مقامات پر جنات کا ذکر انسان پر مقدم کیا گیا ہے، حالانکہ انسان جنات سے افضل ہیں، قرآن مجید میں بعض مقامات پر سیدنا موسی علیہ السلام کا نام حضرت ھارون علیہ السلام سے پہلے ہے اور بعض مقامات پر ھارون علیہ السلام کا، جبکہ سیدنا موسی علیہ السلام حضرت ھارون علیہ السلام سے افضل ہیں۔

اگر تعصب کی پٹی اپنی آنکھوں سے ہٹائیں گے تو بہت امثلہ مل جائیں گی۔

امیر اہلسنت اور دعوت اسلامی کی اہل بیت سے محبت پر ہمیں کسی کو دلیل دینے کی کوئی ضرورت تو نہیں، کیونکہ لیس الخبر کالمعاینۃ لیکن ہمارا واسطہ ایسے لوگوں سے پڑا ہے جو اپنے کرتوتوں پر پردہ ڈالنے کے لیے دن میں سورج کا انکار کر دیتے ہیں، اس لیے کچھ باتیں ذکر کر دیتے ہیں۔

المدینۃ العلمیہ کی طرف سے حضرت سیدتنا خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت سیدتنا سیدۂ کائنات

فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا، مولائے کائنات مولا مشکل کشا علی المرتضی کرم اللہ تعالیٰ وجھہ، حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیرت پر کتب ایک عرصہ دراز سے لکھی ہوئی شائع ہورہی ہیں اور ایک ضخیم کتاب میری معلومات کے مطابق مولائے کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیرت پر زیر ترتیب ہے۔

ان ہستیوں کے ایام انتہائی احترام وعقیدت سے منائے جاتے ہیں، سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یاد میں مسلسل ۱۱ دن تک مدنی مذاکرہ ہوتا ہے، ان حضرات کی نیاز کی جاتی ہے، اہل بیت اطہار کے نام پر مساجد وجامعات المدینہ موجود ہیں، سادات کا جس قدر احترام دعوتِ اسلامی میں کیا جاتا ہے، ہر دوست بلکہ مخالف منصف مزاج بھی اس کی گواہی دے گا کہ اس کی مثل شاید کسی اور مقام پر نہیں مل سکے گی، امیر اہلسنت دامت برکاتہم العالیہ کو دیکھا گیا ہے کہ آپ مدنی چینل پر کسی کے نام کے ساتھ سید سنتے ہیں تو عقیدت سے ہاتھ چومتے ہیں۔

بہر حال یہ تو بطور جواب ہم نے کچھ باتیں ذکر کی ہیں ورنہ اہل بیت اطہار کی محبت کے لیے امیر اہلسنت اور دعوت اسلامی والوں کو آپ سے سند لینے کی کوئی ضرورت نہیں، ہم اہلسنت خانہ زاد غلامان اہل بیت تھے، ہیں اور رہیں گے، اور اس کا صلہ بھی ہمیں اہل بیت اطہار اور ان کے نانا جان رحمت عالمیان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ملے گا۔ ہم رضویوں کی تو روز کی دعا یہ ہوتی ہے۔

دو جہاں میں خادم آلِ رسول اللہ کر۔ حضرت آلِ رسول مقتدا کے واسطے۔ (شجرہ قادریہ)

ذرا اپنے حال پر غور کریں آپ لوگوں نے کیا کیا ہے؟ آپ تو حب علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا صرف نام لیتے ہیں اور مقصود اس میں بھی سب صحابہ ہوا کرتا ہے،

اہلسنت کو ناصبی کہنا کس کا طریقہ ہے؟

ہاں! یہ ضرور ہے کہ روافض ہمیشہ اہلسنت پر ناصبی ہونے کی تہمت لگاتے آئے ہیں، امام ہبۃ اللہ لالکائی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

علی بن المدینی یقول: من قال: فلان مشبه علمنا أنه جهمی، ومن قال: فلان مجبر علمنا أنه قدری، ومن قال: فلان ناصبی علمنا أنه رافضی

”امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے استاد امام اجل امام علی بن مدینی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: جو

یہ کہتا ہے فلاں مشبہ ہے: تو ہم جان لیتے ہیں کہ وہ جہمی ہے، جب کوئی کہتا ہے: فلاں جبریہ ہے، ہم جان لیتے ہیں کہ یہ قدری ہے، اور جب کوئی کہتا ہے: فلاں ناصبی ہے تو ہم جان لیتے ہیں کہ یہ رافضی ہے"۔ (شرح اعتقاد أہل السنۃ) ج ۱ ص ۱۶۶ رقم ۳۰۶)

اس امام اجل کے فرمان سے واضح ہوا کہ جس میں ناصبیت کی کوئی بات نہیں اس پر ناصبیت کا الزام لگانے والا خود رافضی ہوتا ہے، لیکن ظہور احمد فیضی صاحب میں دونوں ہی وصف پائے جاتے ہیں۔

اصل تکلیف کیا ہے؟

ان کو اصل تکلیف سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات گرامی سے ہے کہ ان کی تعریف کیوں کی جائے، آپ پوری کتاب میں دیکھیں گے کہ جس نے ذرا سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں بات کی بس پھر تو اس کی خیر ہی نہیں۔ پورے پورے شہر بلکہ ملک کے اوپر ناصبیت کے فتوے ملیں گے۔

موصوف لکھتے ہیں:

"پھر اس کے بعد چینل پر جو کچھ بیان کیا گیا اس سے تو ساری حدیں ہی ٹوٹ گئیں، عرسِ معاویہ، لنگر معاویہ، مساجد معاویہ، اور بے خطا بے گناہ معاویہ وغیرہ، اہل سنت میں اس سے قبل ناصبیت کی ایسی بدترین مثال نہیں پائی گئی۔" (الاحادیث الموضوعات ص ۷)

حالانکہ ان میں کوئی امر ایسا نہیں جو ناصبیت پر دلالت کرے کسی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عرس منانا، لنگر تقسیم کرنا، ان کے نام کی مساجد بنانا کیا ناصبیت ہے؟ جہاں تک رہا نعرہ بے خطا بے گناہ کا تو اس کی وضاحت بھی کر دی گئی تھی کہ امیر اہل سنت ہرگز مولائے کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابلے میں امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بے خطا نہیں مانتے مولائے کائنات مولا مشکل کشا رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام تر حروب میں حق پر تھے جبکہ آپ کے مقابل آنے والے صحابۂ کرام علیہم الرضوان اجتہادی خطا پر تھے۔

پھر مزید احتیاط کرتے ہوئے یہ اعلان ہی کر دیا کہ آئندہ یہ نعرہ ہی نہیں لگایا جائے گا، لیکن بات وہی ہے جو امام علی بن مدینی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمائی کہ اہل سنت کو ناصبی کہنا یہ روافض کا طریقۂ کار ہے۔

حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"معلوم ایسا ہوتا ہے کہ شیعی لغت میں نواصب کا لفظ ہر اس شخص کے لیے ہے جو ان کے عقیدے کے خلاف عقیدہ رکھتا ہو۔" (فتاوی عزیزی ص ۳۰)

ہم بغضِ صحابہ کرام و اہلبیت کرام علیہم الرضوان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔

دعویٰ اعتدال کی حقیقت

موصوف نے ابتداء میں لکھا ہے:

''عاجز نے اس تحریر میں اعتدال وتوازن کو قائم رکھنے کی کوشش کی ہے، کسی عبارت کو سیاق وسباق سے ہٹا کر نہیں لکھا، ڈنڈی نہیں ماری اور میرے موٴقف کے خلاف میرے سامنے کوئی مواد آیا تو اس سے آنکھیں نہیں چرائیں بلکہ اسے نقل کر کے اس کا جواب لکھا ہے، اظہار دلائل اور احقاق حق میں میں نے یہ پروا نہیں کی کہ فلاں بات عوام یا جاہل مبلغین ومقررین کے اکثریتی نظریے کے خلاف ہے لہٰذا اس کے اظہار میں اجتناب چاہیے۔''

(الاحادیث الموضوعات ص ۱۰)

ان شاء اللہ عزوجل عنقریب پتہ چل جائے گا کہ فیضی صاحب کو فن اسماء الرجال کی کتنی معرفت ہے، اور اصول حدیث کا کیسا خون انہوں کیا ہے۔ کتاب کے اعتدال کا یہ حال ہے کہ ہر وہ محدث، فقیہ، مفسر جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت میں حدیث مانے وہ ان کا وکیل، مرعوب ہونے والا، بنو امیہ کا زرخرید غلام ہے، حتی کہ موصوف امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ پر خوب برسے ہیں کہ کیوں انہوں نے ''إنہ فقیہ'' کے الفاظ روایت کر کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت کو ثابت کیا ہے، ان شاء اللہ عزوجل کتاب میں ان تمام باتوں کا جواب آئے گا۔

خیانت تو ان کے آگے بہت چھوٹا لفظ معلوم ہوتا ہے، موصوف نے عبارتیں درمیان سے حذف کر دیں، تراجم کو اپنے معنی میں ڈھالنے کے لیے بھرپور جہالت کا مظاہرہ کیا ہے۔ پھر اس کے بعد یہ دعوے بڑے عجیب وغریب ہیں۔

موضوع حدیث کی بحث

موصوف نے موضوع حدیث کی تعریف اور اس میں مضر طبقہ متصوفین کا تو ذکر کیا لیکن اس بات کو بیان نہیں کیا کہ موضوع حدیث ثابت کیسے ہوتی ہے۔

موضوع حدیث کا حکم

اولا تو یہ پیش نظر رہے کہ حدیثِ موضوع، حقیقتا حدیث ہے ہی نہیں، اس کو توسعا اور مجازا حدیث کہا

جاتا ہے، اس کو فضائل وغیرہ کسی مقام پر بیان کرنا حرام ہے۔ (البتہ اگر کوئی لوگوں کو بتانا چاہتا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے اس لیے بیان کرتا ہے تو جائز ہے، یہ حقیقتا اس کی موضوعیت کو بیان کرنا ہے)

ائمۂ اہلسنت اس بات پر متفق ہیں کہ کسی بھی کبیرہ گناہ کے ارتکاب سے مسلمان دائرۂ اسلام سے خارج نہیں ہوتا، جب تک کہ ضروریاتِ دین میں سے کسی ضرورت دینی کا انکار نہ پایا جائے۔

البتہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف جھوٹ کی نسبت کرنا واحد ایسا کبیرہ گناہ ہے جس کے متعلق علمائے اہلسنت کا اختلاف ہے کہ یہ کفر ہے یا نہیں، امام ابو محمد الجوینی والد امام الحرمین رحمہ اللہ تعالیٰ اور ابن ناصر الدین المالکی رحمہ اللہ تعالیٰ اور ایک جماعت کا مؤقف یہ ہے کہ یہ کفر ہے، جمہور کا یہاں بھی یہی مؤقف ہے کہ اشد کبیرہ ضرور ہے لیکن کفر نہیں۔ (نزہۃ النظر مع شرح قضاء الوطر للقاني ج ۲ ص ۱۰۶۶ ومع شرح بہجۃ النظر للسندي المدني ص ۲۲٤ تحذير الخواص من أكاذيب القصاص ص ٦٥)

اس اختلاف سے مسئلے کی سنگینی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر جھوٹ باندھنا یہ کسی اور پر جھوٹ باندھنے کی طرح نہیں ہے، آپ علیہ السلام پر جھوٹ باندھنے والے کے لیے جہنم میں ٹھکانہ بنانے کی وعید حدیث متواتر میں ہے۔

حدیث موضوع کیسے ثابت ہوتی ہے

ثانیاً: یہ جاننا ضروری ہے کہ حدیث کا موضوع ہونا ثابت کیسے ہوتا ہے، ہم یہاں امام اہلسنت اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق انیق نقل کرتے ہیں کہ حدیث کا موضوع ہونا ثابت کیسے ہوتا ہے۔

امام اہلسنت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فتاوی رضویہ جلد ۵ رسالہ منیر العین میں پندرہ امور بیان کیے جن کی بنیاد پر حدیث موضوع قرار پاتی ہیں وہ پندرہ امور یہ ہیں: (۱) قرآن عظیم (۲) یا سنت متواترہ (۳) یا اجماع قطعی قطعیات الدلالۃ (۴) یا عقل صریح (۵) یا حسن صحیح (٦) یا تاریخ یقینی کے ایسا مخالف ہو کہ احتمالِ تاویل وتطبیق نہ رہے (۷) یا معنی شنیع وقبیح جن کا صدور حضور پر نور صلوات اللہ علیہ سے منقول نہ ہو، جیسے معاذ اللہ کسی فساد یا ظلم یا عبث یا سفہ یا مدحِ باطل، یا ذمِ حق پر مشتمل ہونا (۸) یا ایک جماعت جس کا عدد حدِ تواتر کو پہنچے اور ان میں احتمالِ کذب یا ایک دوسرے کی تقلید کا نہ رہے اس کے کذب وبطلان پر گواہی مستندا الی الحس دے (۹) یا خبر کسی ایسے امر کی ہو کہ اگر واقع ہوتا تو اس کی نقل وخبر مشہور ومستفیض ہوجاتی مگر اس روایت کے سوا اس کا کہیں پتا نہیں (۱۰) یا کسی حقیر فعل کی مدحت اور اس پر وعدہ وبشارت یا

صغیر امر کی مذمت اور اس پر وعید وتہدید میں ایسے لمبے چوڑے مبالغے ہوں جنہیں کلامِ معجز نظام نبوت سے مشابہت نہ رہے۔

یہ دس صورتیں صریح ظہور ووضوحِ وضع کی ہیں۔

یا یوں حکمِ وضع کیا جاتا ہے کہ لفظ رکیک وسخیف ہوں جنہیں سمع دفع اور طبع منع کرے اور ناقل مدعی ہو کہ یہ بعینہا الفاظ کریمہ حضور افصح العرب صلی اللہ تعالیٰ وسلم ہیں یا وہ محل ہی نقل بالمعنی کا نہ ہو۔ یا ناقل رافضی حضرات اہلبیت علی سیدہم وعلیہم الصلاۃ والسلام کے فضائل میں وہ باتیں روایت کرے جو اس کے غیر سے ثابت نہ ہو جیسے حدیث لحمك لحمي ودمك دمي۔

اقول: انصافا یوں ہی وہ مناقبِ امیر معاویہ وعمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہ صرف نواصب کی روایت سے آئیں (۱۳) یا قرائنِ حالیہ گواہی دے رہے ہوں کہ یہ روایت اس شخص نے کسی طمع سے یا غضب وغیرہما کے باعث ابھی گھڑ کر پیش کر دی ہے جیسے حدیثِ سبق میں زیادتِ جناح اور حدیثِ ذم معلمین اطفال (۱۴) یا تمام کتب وتصانیف اسلامیہ میں استقرائے تام کیا جائے اور اس کا کہیں پتا نہ چلے یہ صرف اجلہ حفاظ ائمہ شان کا کام تھا جس کی لیاقت صدہا سال سے معدوم (۱۵) یا راوی خود اقرار وضع کر دے خواہ صراحۃً خواہ ایسی بات کہے جو بمنزلہ اقرار ہو مثلا ایک شیخ سے بلا واسطہ بدعوی سماعت روایت کرے پھر اس کی تاریخِ وفات وہ بتائے کہ اس کا اس سے سننا منقول نہ ہو۔

یہ پندرہ باتیں ہیں کہ شاید اس جمع وتلخیص کے ساتھ ان سطور کے سوا نہ ملیں۔

اس کے بعد امام اہلسنت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ بحث فرمائی کہ اگر حدیث ان پندرہ امور سے خالی ہو تو اس پر موضوع کا حکم کس صورت میں ہوسکتا ہے۔ اس میں تین اقوال ذکر کیے۔ انکارِ محض یعنی اگر امور مذکورہ نہیں تو اصلا وضع کی راہ نہیں چاہے راوی وضاع یا کذاب پر اس کا مدار ہو۔ امام سخاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فتح المغیث میں اسی پر جزم فرمایا۔ دوسرا یہ کہ اگر راوی کذاب ہے تو اس کی حدیث کو موضوع کہیں گے، لیکن ظناً، یہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ کا مسلک ہے۔ تیسرا راوی کذاب یا متہم بالکذب ہو تو موضوع کہیں گے یہ علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ کا موقف ہے۔ اس تمام بحث کے بعد امام اہلسنت رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: بالجملہ اس قدر پر اجماع محققین ہے کہ حدیث جب ان دلائل وقرائن قطعیہ وغالبہ سے خالی ہو اور اس کا مدار کسی متہم بالکذب پر نہ ہو تو ہرگز کسی طرح اسے موضوع کہنا ممکن نہیں،

جو بغیر اس کے حکم بالوضع کردے یا مشدد و مفرط ہے یا مخطی غالط یا متعصب مغالط ۔ واللہ الھادی وعلیہ اعتمادی۔ (فتاوی رضویہ جلد ۵ ص ۴۶۰ ۔ ۴۶۸)

لہٰذا حدیث چاہے شان امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ہو یا کسی اور باب میں اگر ان اصول کے مطابق موضوع قرار پاتی ہیں تو ضرور اسے موضوع کہا جائے گا، لیکن کسی کی نفسانی خواہش کی پیروی میں احادیث کا انکار نہیں کیا جائے گا۔

جس طرح حدیث کا گھڑنا حرام اور جہنم میں لے جانے والا کام ہے اسی طرح حدیث کا انکار کرنا بھی گمراہی اور بددینی ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: آدمی کو بغیر علم کے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث میں کلام کرنے سے ڈرنا چاہیے، اور اس فن کی تحصیل میں مسلسل کوشش کرنا چاہیے حتی کہ اس اس فن میں مہارت ورسوخ حاصل ہو، اور اس کو تبحر حاصل ہو اس کے بغیر کلام کرنے والا کہیں اس حدیث کے حکم میں داخل نہ ہوجائے کہ جو بغیر علم کے کلام کرتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ اور ملائکہ کی لعنت ہے، اور وہ اس دھوکہ میں نہ رہے کہ دنیا میں تو کوئی ایسا نہیں جو اس پر انکار کرنے والا ہو، لیکن موت کے بعد اس کو معلوم ہوجائے گا یا تو قبر میں یا پل صراط پر، اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وہاں اس کے مقابل ہوں گے اور اس سے گویا یوں فرمائیں گے: ''تو نے میری حدیث کے بارے میں کیسے بغیر علم کے جرأت کی اور کلام کیا'' یا تو یوں فرمائیں گے: ''تو نے اس بات کو رد کیا جو میں نے فرمائی تھی یا تو نے میری طرف ایسی بات کی نسبت کی جو میں نے فرمائی نہ تھی، کیا تو نے مجھ پر اترے ہوئے قرآن میں یہ نہ پڑھا تھا کہ اس کے درپے نہ ہو جس کا تجھے علم نہیں بیشک سمع بصر دل ان میں سے ہر ایک سوال کیا جائے گا'' پس اس دن بڑی خرابی ہے اور بڑی رسوائی ہے یہ بھی اس صورت میں جب کہ ایمان پر خاتمہ ہوا، ورنہ تو اور خرابی ہے، بہت سے گناہ وہ ہوتے ہیں جس پر سوئے خاتمہ کی وعیدیں ہیں۔ امام محی الدین قرشی حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب تذکرہ میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل کرتے ہیں: ''اکثر لوگوں کا ایمان موت کے وقت ضائع ہونے کا سبب ظلم ہے''، اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث میں بغیر علم کے گفتگو کرنے کی جرات سے بڑھ کر کونسا ظلم ہوگا۔ ہم اللہ تعالیٰ سے معافی اور عافیت کا سوال کرتے ہیں۔

آپ کی اصل عبارت ملاحظہ فرمائیں:

فليحذر المرء من الإقدام على التكلم في حديث رسول الله صلى الله عليه وسلّم بغير علم وليمعن في تحصيل الفن حتى يطول باعه ويرسخ قدمه، ويتبحر فيه لئلا يدخل في حديث: (من تكلم بغير علم لعنته ملائكة السماء والأرض) ولا يغتر بكونه لا يجد من ينكر عليه في الدنيا، فبعد الموت يأتيه الخبر إما في القبر أو على الصراط، والنبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم هناك يخاصمه ويقول له: كيف تجازف في حديثي وتتكلم فيما ليس لك به علم، فإما أن ترد شيئاً قلته وإما تنسب إلي ما لم أقله، أما قرأت فيما أنزل علي: ((ولا تقف ما ليس لك به علم إن السمع والبصر والفؤاد كل أولئك كان عنه مسؤولاً)) ؛ فيا خجلته يومئذ ويا فضيحته. هذا إن مات مسلماً وإلا عوقب، والعياذ بالله بسوء الخاتمة كما يقول الخطباء على المنابر في بعض الخطب: والذنوب فرب ذنب يعاقب العبد عليه بسوء الخاتمة، وكما نقل الشيخ محيي الدين القرشي الحنفي في تذكرته عن الإمام أبي حنيفة رضي الله عنه أنه قال: أكثر ما يسلب الناس الأيمان عند الموت وأكبر أسباب ذلك الظلم، وأي ظلم أعظم من الجرأة على الخوض في حديث رسول الله صلى الله عليه وسلّم بغير علم، نسأل الله السلامة والعافية.

(بلوغ المأمول في خدمة الرسول ضمن الحاوي للفتاوي) ج2، ص137، 138، دار الفکر)

فقیہ اعظم ہند حضرت مفتی شریف الحق امجدی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ (ت ۱۴۲۱ھ) فرماتے ہیں:

''جس طرح حدیث گڑھنا حرام ہے اسی طرح کسی حدیث کا انکار بھی گمراہی ہے، اس لیے اس معاملے میں دونوں کا طرف کافی احتیاط کی ضرورت ہے''۔

(نزہۃ القاري شرح صحیح بخاري) جلد ۱ صفحہ ۴۵۰)

بعض محدثین نے جب اس میں غفلت برتی تو اس پر ائمہ حدیث نے سخت تنبیہ فرمائی، اور اسے راہ راست سے دور ہونا ارشاد فرمایا۔

امام محمد بن عبد اللہ بہادر الزرکشی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (ت ۷۹۴ھ) اپنی کتاب اللآلي المنثورة لکھنے کی

ایک وجہ یہ بیان کرتے ہیں:

وربما نفاه بعض أهل الحديث لعدم اطلاعه عليه، والنافي له كمن نفى أصلا من الدين، وضل عن طريقه المبين

''یعنی: بعض اوقات کچھ محدثین کسی حدیث پر عدم اطلاع کی وجہ سے اس حدیث کی نفی کردیتے ہیں۔ اور ایسی ثابت حدیث کی نفی کرنے والا اس شخص کی طرح ہے جو دین کی ایک اصل کا انکار کردیتا ہے، اور واضح راستہ سے دور ہوجاتا ہے''۔

(اللآلي المنثورة في الأحاديث المشتهرة)) صفحه ٥، المكتب الاسلامي بيروت، ١٤١٧ه الطبعة الأولى)

لہٰذا اس جہت کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے، اور حدیث پر کلام بھی وہ کرے گا جو اس کا علم رکھتا ہے، جاہل کو حق ہی نہیں کہ حدیث کے حوالے سے گفتگو کرے۔

امام اہلسنت رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''اگر جاہل ہے بطور خود جاہلانہ برسر پیکار ہے تو قابلِ تادیت وزجر وانکار ہے کہ جہال کو حدیث میں گفتگو کیا سزاوار ہے''۔ (فتاوی رضویہ ج ۲۷ ص ۴۷)

ہماری بیان کردہ تفصیل سے واضح ہوگیا کہ حدیث کے بارے میں یہ کہنا یہ حدیث نہیں اتنا سہل نہیں جتنا آج کل لوگوں نے سمجھا ہوا ہے۔

اصول فیضی در اثبات حدیث موضوع

فیضی کے نزدیک حدیث کو موضوع کہنے کے اصول یہ ہیں: سند میں شامی یا اموی راوی ہو تو فضیلت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں وارد حدیث موضوع، سند میں راوی مجہول ہو تو حدیث موضوع، حدیث مرسل یا سند منقطع ہو تو حدیث موضوع، لیکن جہاں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اشارتاً بھی تنقیص نکلتی ہو تو منکر الحدیث بھی مقبول، کذاب، رافضی کی روایت بھی قبول، بے سند اقوال وآثار بھی محبوب ہوتی ہیں۔

موصوف لکھتے ہیں:

''جس طرح حدیث گھڑنے میں نام نہاد صالحین وصوفیہ سب سے زیادہ مضر ہیں اسی طرح گھڑی ہوئی احادیث کو قبول کرنے میں بھی یہی طبقہ سب سے زیادہ مضر ہے، لہٰذا محض کلام

کے حسن کی طرف نہیں جانا چاہئے بلکہ محدثین کرام کی تحقیق پر اعتماد کرنا چاہیے کیونکہ لکل فن رجال (ہر فن کے لیے مخصوص لوگ ہوتے ہیں)''۔ (الاحادیث الموضوعہ ص ۱۵)

بجا لکھا لیکن یہ اصول اپنی باری میں کہاں بھول گئے۔ شان امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں وارد احادیث کے بارے میں موصوف محدثین پر اعتماد ہی نہیں کرتے بلکہ اس بارے میں یوں لکھتے ہیں:

''ماہرین علم حدیث بھی دھوکہ کھا گئے جہاں حکومتی پروپیگنڈا، لالچ اور دباؤ سب چیزیں جمع ہوجائیں تو وہاں مفاد پرست لوگوں کو اپنے اپنے جوہر دکھلانے اور قیمت پانے کے مواقع خوب میسر آتے ہیں، چنانچہ اس دور کے مفاد پرستوں نے ایسی چالاکی سے احادیث وضع کیں اور ان کو من گھڑت متنوں پر چڑھایا کہ علم حدیث کے جہابذہ اور نباز حضرات بھی دھوکہ کھا گئے، ان کی پرکھنے کی صلاحیت جواب دے گئی اور وہ کھوٹے سکے کو قبول کرکے اپنی عظیم الشان کتب میں درج کر گئے۔۔۔الخ''۔ (الاحادیث الموضوعات ص ۲۸)

لا حول ولا قوۃ إلا باللہ: محدثین کرام وہ ہستیاں جن کی زندگیاں ہوتی ہی اس مقصد کے لیے ہیں کہ احادیث کی چھان پھٹک کریں اور موضوع حدیث کو کھنگال کر جدا کردیں۔ امام عبداللہ بن مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا: ان جھوٹی من گھڑت احادیث کا کیا ہوگا۔ ارشاد فرمایا: اسی کے لیے تو کبار محدثین زندگی گزارتے ہیں، پھر آپ نے قرآن کی یہ آیت تلاوت کی:

إنا نحن نزلنا الذکر وإنا لہ لحفظون

(ترجمۂ کنز الایمان:) ''بے شک ہم نے اتارا ہے یہ قرآن اور بیشک ہم خود اس کے نگہبان ہیں''۔ (فتح المغیث ج۱ ص ۳۱۹)

یہ محدثین وہ ہیں کہ اگر حدیث میں ایک حرف بھی بڑھا دیا جائے یا گھٹا دیا جائے تو اس کے بارے میں بتا سکتے ہیں کہ یہ حرف زائد کیا گیا ہے یا گھٹایا گیا ہے، امام ابن حبان رحمۃ اللہ تعالیٰ المجروحین میں محدثین کی تگ ودو اور اسناد کی اہمیت کو بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

حتی لا یتھیأ أن یزاد فی سنۃ من سنن رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم ألف ولا واو. کما لا یتھیأ زیادۃ مثلہ فی القرآن فحفظت ھذہ الطائفۃ السنن علی المسلمین، و کثرت عنایتھم بأمر الدین. ولولا ھم لقال من شاء ما شاء

''کسی کے لیے ممکن نہیں رہا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث میں کسی حدیث میں الف یا واؤ کا اضافہ کر سکے جیسا کہ اس طرح کا اضافہ قرآن میں نہیں ہوسکتا، اس گروہ محدثین نے حدیث کو مسلمانوں کے لیے محفوظ کیا، اور ان کا اہتمام دین کے معاملہ کے ساتھ بہت زیادہ تھا اگر یہ نہ ہوتے تو جو جو چاہتا کہتا''۔ (المجروحین ج۱ ص ۵۴-۵۵)

حیرت ہے کہ موصوف کی تحقیق میں ان حضرات کو دھوکہ لگا تو فضائل امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ہی لگا، باقی میں بات محدثین کی بات مانی جائے گی۔ ہے نا کمال کی بات؟

کیا ضعیف حدیث فضائل کی طرح مثالب میں بھی قبول ہوتی ہے؟

محدثین اس بات پر تو متفق ہیں کہ فضائل میں ہر ضعیف غیر موضوع حدیث مقبول ہے، لیکن ظہور احمد فیضی صاحب کا ایک اصول اور ہے وہ یہ کہ ضعیف روایت مثالب میں بھی مقبول ہے، جی ہاں لیکن شرط یہ ہے کہ یہ مثالب حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہوں! موصوف نے اس بات کا دعویٰ کیا ہے کہ محدثین نے اپنی احادیثِ مشہورہ پر مبنی کتب یا کتب موضوعات میں شانِ معاویہ میں احادیث کے بارے میں کہا کہ ان کی سند ضعیف ہے یا سرے سے سند ہے ہی نہیں اور ان کے متن میں رکاکت ہے تو وہ دراصل موضوعہ ہی ہیں، پھر اس کے بعد یہ لکھا ہے:''یہاں ایک بات ذہن نشین فرمالیجئے کہ بعض اکابر محدثین کرام نے شان معاویہ میں واردشدہ بعض احادیث کو اپنی کتب موضوعات یا احادیث مشہورہ پر مبنی کتب میں کہا ہے کہ ان کی سند ضعیف ہے یا سند سرے سے ہے ہی نہیں اور ان کے متن میں بھی رکاکت ہے تو دراصل وہ احادیث موضوعہ ہی ہیں، لیکن بعض خائنین اور زائغین خصوصا لفظ''موضوع'' کی ٹوہ میں رہتے ہیں اور جب تک صراحتا لفظ موضوع نہ ہو تو کہتے ہیں کہ یہ حدیث موضوع نہیں ہے، کیونکہ کسی محدث نے اس کو موضوع نہیں کہا۔ دراصل یہ عمدا محدثین کرام کے اصول سے انحراف ہے۔ جو لوگ ایسی ہیرا پھیری سے کام لے رہے ہیں انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ ان کے اس طرز عمل کو اپنایا جائے تو پھر ان کے موصوف کے مثالب میں جو احادیث آئی ہیں ان کی سند ان کے فضائل کی احادیث سے زیادہ مضبوط ہے، لہٰذا انہیں چاہیئے کہ وہ ابلیسی تلبیس سے باز آجائیں کہیں ایسا نہ ہو ان کے لیے ان کا اپنا طرز عمل ہی کنواں ثابت ہو جائے۔'' (الاحادیث الموضوعات ص ۱۶-۱۷)

یہ تو ان شاء اللہ عزوجل واضح ہو جائے گا کہ کون محدثین کے اصول سے منحرف ہوا ہے، لیکن اس سے

آپ کی علم حدیث میں معرفت واضح ہوتی ہے، آپ کے نزدیک فضائل اور مثالب ایک ہی شی ہیں اور دونوں کے لیے ایک درجہ کی حدیث درکار ہوتی ہے، فن حدیث سے ادنی ممارست رکھنے والے پر بھی اس کا بطلان مخفی نہ ہوگا، محدثین نے فضائل میں ہر ضعیف غیر موضوع حدیث کو مقبول رکھا ہے، جبکہ مثالبِ صحابہ پر مشتمل روایات کے لیے محدثین کیا تمام ہی اہلسنت کا اتفاق ہے کہ اس میں اگر صحیح سند سے بھی روایت ثابت ہو تو اس میں تاویل کی جائے گی ورنہ ایسی روایات ہی مقبول نہیں۔

دوسری بات جب سند ضعیف ہے اور محدثین اس کے ضعف کی صراحت کر رہے ہیں تو پھر آپ کون ہوتے ہیں اس کو موضوع کہنے والے۔ ان شاء اللہ عزوجل آگے احادیث پر تحقیق کے دوران قارئین دیکھ لیں گے آپ نے ابلیس کی جانشینی کا حق ادا کرتے ہوئے کس طرح تلبیسات، تحریفات سے کام لیا ہے۔

تعظیم صحابہ اور مولا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اصابت

ہمارے ائمہ اہل سنت نے اس بات کی تصریح فرمائی ہے: مولائے کائنات مولا مشکل شیر خدا حضرت سیدنا علی المرتضی کرم اللہ تعالیٰ وجھہ کے مقابلے میں جن صحابۂ کرام علیہم الرضوان نے جنگ کی چاہے وہ جنگ جمل والے ہوں یا جنگ صفین والے اس میں حضرت مولا مشکل رضی اللہ تعالیٰ عنہ حق پر تھے اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اجتہاد اصابت پر تھا، جبکہ مقابل صحابۂ کرام علیہم الرضوان کسی نفسانی خواہش کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنی اجتہادی خطا کی وجہ سے مقابلے پر آئے تھے، ان کے اجتہاد نے اگرچہ یہاں خطا کی لیکن اس پر بھی وہ ایک اجر کے مستحق ہیں۔

ہم یہاں چند نصوص ائمہ کبار کی پیش کرتے ہیں تاکہ اہل سنت کا مؤقف واضح ہو جائے۔

امام اہلسنت امام ابو الحسن الاشعری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

فأما ما جرى من علي والزبير وعائشة رضي الله تعالى عنهم أجمعين، فإنما كان على تأويل واجتهاد، وعلي الإمام، وكلهم من أهل الاجتهاد وقد شهد لهم النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم بالجنة والشهادة فدل على أنهم كلهم كانوا على حق في اجتهادهم، وكذلك ما جرى بين سيدنا علي ومعاوية رضي الله تعالى عنهما، فدل على تأويل واجتهاد، وكل الصحابة أئمة مأمونون غير متهمين في الدين، وقد أثنى الله ورسوله على جميعهم، وتعبدنا بتوقيرهم وتعظيمهم وموالاتهم والتبري من كل

من ينقص أحدا منهم رضي الله تعالى عنهم أجمعين.

''جو جنگ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت زبیر و حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مابین ہوئی یہ تاویل اور اجتہاد کی بنیاد پر تھی، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی امام تھے، اور یہ تمام کے تمام مجتہدین تھے اور ان کے لیے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جنت کی گواہی دی ہے، اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی گواہی اس پر دلالت کرتی ہے کہ یہ تمام اپنے اجتہاد میں حق پر تھے، اسی طرح جو جنگ حضرت سیدنا علی اور حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مابین ہوئی اس کا بھی یہی حال ہے، یہ بھی تاویل واجتہاد کی بنیاد پر ہوئی، اور تمام صحابہ پیشوا ہیں، مامون ہیں، دین میں ان پر تہمت کوئی نہیں ہے، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان تمام کی تعریف کی ہے، ہم پر لازم ہے کہ ہم ان تمام کی تعظیم وتوقیر کریں، ان سے محبت کریں اور جو ان کی شان میں کمی لائے اس سے براءت اختیار کریں''۔ (الابانۃ عن أصول الدیانۃ) ص(۲۵۱)

امام قاضی ابوبکر الباقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ويجب أن يعلم: أن ما جرى بين أصحاب النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم ورضي عنهم من المشاجرة نكف عنه، ونترحم على الجميع، ونثني عليهم، ونسأل الله تعالى لهم الرضوان، والأمان، والفوز، والجنان، ونعتقد أن علياً عليه السلام أصاب فيما فعل وله أجران، وأن الصحابة رضي الله تعالى عنهم إنما صدر منهم ما كان باجتهاد فلهم الأجر، ولا يفسقون ولا يبدعون.

والدليل عليه قوله تعالى: "رضي الله عنهم ورضوا عنه" وقوله تعالى: "لقد رضي الله عن المؤمنين إذ يبايعونك تحت الشجرة فعلم ما في قلوبهم فأنزل السكينة عليهم وأثابهم فتحاً قريباً" وقوله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم: ((إذا اجتهد الحاكم فأصاب فله أجران، وإذا اجتهد فأخطأ فله أجر)) فإذا كان الحاكم في وقتنا له أجران على اجتهاده فما ظنك باجتهاد من رضي الله عنهم ورضوا عنه.

''واجب ہے کہ ہم جان لیں: جو امور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام علیہم

الرضوان کے مابین واقع ہوئے اس سے ہم کف لسان کرتے ہیں، اور ان تمام کے لیے رحمت کی دعا کرتے ہیں، تمام کی تعریف کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے رضا، امان، کامیابی اور جنتوں کی دعا کرتے ہیں، اور اس بات کا اعتقاد رکھتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان امور میں اصابت پر تھے، اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے ان معاملات میں دو اجر ہیں، اور صحابہ کرام علیہم الرضوان سے جو صادر ہوا وہ ان کے اجتہاد کی بنیاد پر تھا ان کے لیے ایک اجر ہے، نہ ان کو فاسق قرار دیا جائے گا اور نہ ہی بدعتی، اور اس پر دلیل یہ ہے کہ ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی'' اور یہ ارشاد فرمایا ''بے شک اللہ راضی ہوا ایمان والوں سے جب وہ اس پیڑ کے نیچے تمہاری بیعت کرتے تھے تو اللہ نے جانا جو ان کے دلوں میں ہے تو ان پر اطمئنان اتارا اور انھیں جلد آنیوالی فتح کا انعام دیا'' اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان ہے: ((جب حاکم اجتہاد کرے اور اس میں اصابت پر ہو تو اس کے لیے دو اجر ہیں، اور جو اجتہاد کرے اور اس میں خطا کرے، تو اس کے لیے اجر ہے))، جب ہمارے وقت میں حاکم کے لیے اس کے اجتہاد پر دو اجر ہیں تو پھر ان کے اجتہاد پر تمہارا کیا گمان ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ''۔ (الانصاف فیما یجب اعتقادہ ولا یجوز الجھل بہ) ص ۶۱)

امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

واعتقاد أهل السنة تزكية جميع الصحابة والثناء عليهم كما أثنى الله سبحانه وتعالى ورسوله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم. وما جرى بين معاوية وعلى رضى الله تعالى عنهما كان مبنياً على الاجتهاد. لا منازعة من معاوية في الإمامة.

''اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ وہ تمام صحابہ کا تزکیہ کرتے اور ان کی تعریف کرتے ہیں، اور حضرت امیر معاویہ اور حضرت سیدنا علی المرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان جو جنگ ہوئی یہ اجتہاد پر مبنی تھی، امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے خلافت میں کوئی جھگڑا نہیں تھا''۔

(احیاء علوم الدین) ج ۱ ص ۱۰۵)

اسی کی مثل امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے الاقتصاد فی الاعتقاد اور کیمیائے سعادت میں بھی بیان فرمایا ہے۔

حضور سیدنا غوث اعظم شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

واتفق أهل السنة على وجوب الكف عما شجر بينهم. والإمساك عن مساوئهم. وإظهار فضائلهم ومحاسنهم. وتسليم أمرهم إلى الله-عز وجل-على ما كان وجرى من اختلاف علي وطلحة والزبير وعائشة ومعاوية -رضي الله تعالى عنهم- على ما قدمنا بيانه. وإعطائه كل ذي فضل فضله

''اہل سنت صحابہ کے آپس کے معاملات میں کف لسان، ان کی خطاؤں کے بیان سے رکنے، اور ان کے فضائل ومحاسن کا اظہار کرنے پر، اور جو معاملہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرات طلحہ وعائشہ ومعاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مابین اختلاف ہوا اس کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنے پر متفق ہیں جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں اور ان میں ہر فضل والے کو اس کے فضل کو دینے پر متفق ہیں''۔ (الغنیۃ لطالبی طریق الحق المعروف بغنیۃ الطالبین) ص ۱۶۱-۱۶۳)

عاشق خیر الوری امام قاضی عیاض مالکی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

والذي عليه جماعة أهل السنة والحق: حسن الظن بهم والإمساك عما شجر بينهم، وطلب أحسن التأويل لفعلهم. وأنهم مجتهدون غير قاصدين للمعصية بذلك. وطلب سحق للدنيا. بل كل عمل على شاكلته. وبحسب ما أداه إليه اجتهاده. لكن منهم المخطئ في اجتهاده ومنهم المصيب

''اہل سنت وجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ حسن ظن رکھا جائے گا اور جو ان کے آپسی معاملات تھے اس میں پڑنے سے بچا جائے گا، اور ان کے اس کام کی بہترین تاویل تلاش کی جائے گی، اور یہ اعتقاد ہے کہ یہ حضرات مجتہد تھے، ان کا مقصود اس سے نہ تو معصیت تھا اور نہ وہ دنیا کے طالب تھے بلکہ ان میں سے ہر ایک اپنی نیت اور اپنے اجتہاد کے مطابق عمل کرنے والا تھا، ہاں ان میں سے بعض اپنے اجتہاد میں خطا کرنے والے تھے اور بعض ان میں سے صواب پر تھے''۔ (إکمال المعلم بفوائد مسلم) ج ۸ ص ۴۲۱-۴۲۲)

اسی کی مثل کلام حافظ ابن ملقن رحمہ اللہ تعالیٰ نے التوضیح شرح صحیح البخاری ج ۳ ص ۲۰ پر ذکر فرمایا ہے۔

امام ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ مسایرہ میں فرماتے ہیں:

وما جرى بين معاوية وعلى رضى الله تعالى عنهما من الحروب بسبب طلب تسليم قتلة عثمان رضى الله تعالى عنه كان مبنيا على الاجتهاد لا منازعة من معاوية رضى الله تعالى عنه، إذ ظن على رضى الله تعالى عنه أن تسليم قتلة عثمان مع كثرة عشائرهم واختلاطهم بالعسكر يؤدي إلى اضطراب أمر الإمامة العظمى خصوصا فى بدايتها فرأى التأخير أصوب إلى أن يتحقق التمكن ويلتقطهم. فإن بعضهم عزم على الخروج على علي وقتله لما نادى يوم الجمل بأن يخرج عنه قتلة عثمان

''حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مابین معاملہ اجتہاد کی بنیاد پر تھا، اور حضرت معاویہ کی طرف سے (مملکت کے مطالبے پر) منازعت نہیں تھی، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خیال تھا کہ قاتلین عثمان کو، ان کے بڑے بڑے قبائل اور لشکروں کے ساتھ ملے ہوئے ہونے کے سبب، قصاص کے لیے سپرد کرنا، خلافت کے معاملے میں اضطراب پیدا کرے گا بالخصوص ابھی تو خلافت کی ابتداء تھی، اور تاخیر کرنا زیادہ درست تھا یہاں تک کہ اچھی طرح کنٹرول حاصل ہوجائے، کیونکہ جب جنگ جمل کے دن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس بات کی ندا فرمائی کہ قاتلین عثمان ہم سے الگ ہوجائیں تو ان لوگوں نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بھی خروج اور قتل کا ارادہ کیا تھا''۔ (المسامرہ مع المسائرہ، الرکن الرابع، صفحہ ۲۶۰)

حضرت علامہ علی بن سلطان المعروف ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وأما معاوية فهو من العدول الفضلاء والصحابة الأخيار. والحروب التى جرت بينهم كانت لكل طائفة شبهة اعتقدت تصويب أنفسها بسببها. وكلهم متأولون فى حروبهم. ولم يخرج بذلك أحد منهم من العدالة لأنهم مجتهدون اختلفوا فى مسائل. كما اختلف المجتهدون بعدهم فى مسائل ولا يلزم من ذلك نقص أحد منهم

''حضرت معاویہ عادل فاضل اور بہترین صحابہ میں سے تھے، وہ جنگیں جو ان کے درمیان ہوئیں، ان میں سے ہر ایک گروہ کو شبہ تھا جس کے سبب وہ اپنے آپ کو صواب پر ہونے کا

اعتقاد رکھتا تھا، اور یہ تمام اپنی جنگوں میں تاویل کرنے والے تھے، اس سبب ان میں سے کوئی عدالت سے خارج نہیں ہوا، اس لیے کہ یہ تمام مجتہد تھے، اور انہوں نے مسائل میں اختلاف کیا جیسا کہ ان کے بعد آنے والے مجتہدین نے مسائل میں اختلاف کیا، اور ان میں سے کسی کے حق میں بھی اس سبب تنقیص کرنا لازم نہیں آتا''۔ (مرقاۃ المفاتیح) ج۱۰ص ۳۰۰)

امام اجل شرف الدین النووی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

واعلم أن الدماء التي جرت بين الصحابة رضى الله تعالى عنهم ليست بداخلة في هذا الوعيد، ومذهب أهل السنة والحق: إحسان الظن بهم، والامساك عما شجر بينهم، وتأويل قتالهم، وأنهم مجتهدون متأولون لم يقصدوا معصية ولا محض الدنيا، بل اعتقد كل فريق أنه المحق ومخالفه باغ فوجب عليه قتاله ليرجع إلى أمر الله، وكان بعضهم مصيبا وبعضهم مخطئا معذورا في الخطأ لأنه لاجتهاد، والمجتهد إذا أخطأ لا إثم عليه، وكان على رضى الله تعالى عنه هو المحق المصيب في تلك الحروب هذا مذهب أهل السنة

''جان لو وہ جنگیں جو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے درمیان ہوئیں وہ اس وعید میں داخل نہیں، اور اہل سنت وحق کا مذہب صحابہ کے ساتھ حسن ظن رکھنا، ان کے آپس کے معاملات میں خاموشی اختیار کرنا، اور ان کے قتال کی تاویل کرنا ہے، اور یہ حضرات مجتہد تھے، اپنے معاملات میں ان کی تاویلات تھیں، انہوں نے نہ تو معصیت کا قصد کیا اور نہ ہی محض دنیا کا، بلکہ ان میں سے ہر ایک اپنے حق ہونے اور مخالف کے باغی ہونے کا اعتقاد رکھتا تھا جس وجہ سے اس پر قتال واجب تھا تا کہ فریق مخالف اللہ تعالیٰ کے امر کی طرف لوٹ آئے، ان میں بعض مصیب تھے اور بعض خطا کرنے والے لیکن خطا میں معذور تھے، اس لیے کہ یہ خطا، اجتہاد کے سبب تھی اور مجتہد جب خطا کرے تو اس پر گناہ نہیں ہوتا، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی ان جنگوں میں حق پر تھے، یہی اہل سنت کا مذہب ہے''۔ (المنہاج بشرح مسلم بن الحجاج للنووي) ج۹ص ۲۳۹)

ان اجلہ ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے قرآن وسنت کی روشنی میں واضح کر دیا کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان تمام کے تمام اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پسندیدہ ہیں، اللہ تعالیٰ ان سے راضی

ہے، وہ ان کی تعریف فرماتا ہے، سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو خطا واقع ہوئی وہ اجتہادی تھی، آپ مجتہد صحابی تھے اور اس خطا پر بھی آپ کو اجر دیا جائے گا، اس پر ان کو یا دیگر صحابہ کو برا بھلا کہنا کبیرہ گناہ ہے، ان کا اور تمام صحابۂ کرام علیہم الرضوان کا ذکر ہمیشہ خیر ہی کے ساتھ کیا جائے گا۔ یہی اہل سنت کا موقف ہے۔ اس حوالے سے مزید نصوص کتاب شرح حدیث سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

صدر الشریعہ کی خوبصورت ترجمانی:

قرآن وسنت اور عقیدۂ ائمۂ اہلسنت کے عین مطابق خلیفۂ اعلیٰ حضرت صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کتنے خوبصورت انداز میں عقیدہ بیان فرماتے ہیں: ''صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم انبیاء نہ تھے، فرشتہ نہ تھے کہ معصوم ہوں، ان میں سے بعض کے لیے لغزشیں ہوئیں مگر ان کی کسی بات پر گرفت اللہ ورسول عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف ہے، اللہ عزوجل نے سورۂ حدید میں جہاں صحابہ کی دو قسمیں فرمائیں، مؤمنین قبلِ فتح مکہ اور بعدِ فتح مکہ اور اُن کو اِن پر تفضیل دی اور فرمادیا: وکلا وعداللہ الحسنی سب سے اللہ نے بھلائی کا وعدہ فرمالیا، ساتھ ہی ارشاد فرمادیا: واللہ بما تعملون خبیر اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ تم کروگے۔ تو جب اُس نے اُن کے تمام اعمال جان کر حکم فرمادیا کہ ان سب سے ہم نے جنتِ بے عذاب وکرامت وثواب کا وعدہ فرماچکے تو دوسرے کو کیا حق رہا کہ ان کی کسی بات پر طعن کرے۔۔؟ کیا طعن کرنے والا اللہ عزوجل سے جدا اپنی مستقل حکومت قائم کرنا چاہتا ہے۔

(بہار شریعت) ج ۱ حصہ ۱ ص ۲۵۴۔۲۵۵)

فیضی کا اہلسنت کے مسلک سے انحراف

فیضی نے پہلے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تعظیمی کلمات رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہ لکھنے پر غیر مقلدین کے دو پیشوا نذیر حسین دہلوی اور وحید الزمان حیدر آبادی کے قول سے استدلال کیا، پھر صدر الشریعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول لکھا جس میں امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھنے کا حکم تھا (تفصیل آگے آرہی ہے) اس کے بعد لکھتے ہیں:

> ''اصولی طور پر ان علما میں سے علامہ وحید الزمان کی بات میں زیادہ وزن ہے، کیونکہ جو وصف اور شرف انسان کی تعظیم کا سبب ہو، اگر انسان خود اس شرف کو قائم نہ رکھ سکے تو اس کی تعظیم قائم

نہیں رہتی۔ اس کی واضح مثال یہ ہے کہ اگر کوئی عالم دین اپنے مقام ومرتبہ کا خیال نہیں رکھتا تو وہ عند الناس معظم رہتا ہے اور نہ ہی عند اللہ، صحابیت بھی ایک کسبی چیز ہے، اور وہ ایسا جزو لا ینفک نہیں، جس کا انسان سے جدا ہونا ممکن نہ ہو آخر بہت سے صحابہ مرتد بھی تو ہو گئے تھے؟ فی الجملہ یہ کہ جو لوگ دیدارِ نبوی اور صحبت نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بعد مستقیم نہ رہے تو علماءِ کرام نہ صرف یہ کہ ان کی تعظیم سے دست بردار ہو گئے بلکہ انھیں برا بھی کہا، مثلا امام دارقطنی نے بسر بن ابی ارطاۃ صحابی کے ان مظالم کی وجہ سے جو اس نے اپنے بادشاہ معاویہ کے حکم سے ڈھائے تھے اس کو صحابی ماننے کے باوجود لکھا ولم تکن لہ استقامۃ بعد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم (نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اس کی استقامت نہیں رہی تھی) محدث یحیی بن معین اور دوسرے حضرات نے اس کو رجل سوء (برا آدمی) کہا ہے جیسا کہ آگے باحوالہ تفصیل آئے گی"۔ (الاحادیث الموضوعات ص ۲۱۔۲۲)

اقول وباللہ التوفیق! اوّلاً تو یہ ملاحظہ فرمالیں کہ یہ نظریہ ہمارے ائمۂ اہلسنت کے نظریات کے بالکل خلاف ہے، جیسا کہ ہم نے کچھ سطور قبل امام ابو الحسن اشعری، امام باقلانی، امام غزالی، سیدنا غوث اعظم، قاضی عیاض مالکی، امام نووی ملا علی قاری وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ کی عبارات ذکر کی ہیں۔

اب آئیں ان کے دیئے ہوئے دلائل کا جائزہ لیتے ہیں، موصوف نے تعظیم نہ کرنے کی دلیل میں لکھا:

"آخر بہت سے صحابہ مرتد ہو گئے۔"

آپ کو اتنا نہیں معلوم کہ جو مرتد ہو گیا وہ صحابی کب رہا جو قابل تعظیم ہو؟، بات یہاں یہ ہو رہی ہے کہ جو صحابی ہے اس کی تعظیم ضروری ہے، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صحابی تو آپ بھی تسلیم کرتے ہیں۔

ہرگز ایسا نہیں کہ کسی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے خطا ہوئی اور علما نے اس کو برا بھلا کہا ہو۔

بسر بن ابی ارطاۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دارقطنی کا یہ کہنا کہ ان کو ان نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بعد استقامت حاصل نہ رہی، اس کی سند ہی درست ہی نہیں۔

بالفرض اگر ان کا قول ثابت ہوتا بھی تو قرآن وسنت اور ائمۂ اہلسنت کی تصریحات کے خلاف ہونے کے سبب شاذ و باطل قرار پائے گا۔

یحییٰ بن معین کا قول آپ نے لکھا حالانکہ یحیی بن معین کے نزدیک بسر بن ابی ارطاہ صحابی نہیں ہیں، وہ ان کو تابعی مانتے ہیں، حافظ مغلطائی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

وقال يحيى بن معين: لا تصح له صحبة

''یحییٰ بن معین کہتے ہیں: یہ صحابی نہیں ہیں''۔

(الإنابة إلى معرفة المختلف فيهم من الصحابة) ج۱ ص۱۱۱ رقم ۹۷)

یہاں امام منذری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اہل سنت کا یہ عقیدہ بیان فرمایا ہے کہ یحییٰ بن معین کا ان کو برا کہنا اس پر بات پر دلالت کرتا ہے کہ بسر بن ابی ارطاۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے نزدیک صحابی نہیں کیونکہ اگر صحابی ہوتے تو یحیی بن معین ان کے بارے میں اس طرح کی بات نہ کرتے۔

لیکن موصوف فیضی لکھتے ہیں:

''بسر بن ابی ارطاۃ کے حالات کے مطالعہ کے دوران میرے سامنے بعض اکابر محدثین کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کی ایسی عبارت آئی جو عقائد اہل سنت کے منافی ہے یعنی اُس سے غیر نبی کی عصمت کے عقیدے کی بو آتی ہے اور چونکہ اکثر لوگ قولا کم مگر عملا زیادہ ایسا ہی نظریہ رکھتے ہیں، اس لیے ضروری ہے کہ یہاں اس عظیم محدث کے الفاظ نقل کر کے ان کی تردید کردی جائے تا کہ عوام وخواص سب کے سامنے اصل حقیقت آجائے، امام زکی الدین عبد العظیم منذری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: بسر ''ب'' کی پیش اور ''س'' اور آخر میں ''ر'' کے ساتھ ہے۔ یہ قریشی عامری ہے اور اس کی کنیت ابو عبد الرحمان ہے۔ اس کی صحابیت میں اختلاف ہے، ایک قول یہ ہے کہ یہ صحابی تھا، اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ صحابی نہیں تھا، اس کی پیدائش وصالِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے دو سال قبل ہوئی، اس کے واقعات مشہور ہیں۔ محدث یحیی بن معین اس کو برا سمجھتے۔ وهذا يدل على أنه عنده لا صحبة له. اور یہ قول دلالت کرتا ہے کہ ان کے نزدیک وہ صحابی نہیں تھا مختصر سنن ابی داود ج ۳ ص ۱۶۸ امام منذری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ تبصرہ عقائد اہل سنت کے سراسر خلاف ہے۔ کیا وہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ بسر بن ابی ارطاۃ کے جو وقعات مشہور ہیں وہ اس سے فقط اس لیے سرزد ہوئے کہ وہ صحابی نہیں تھا۔ کیا صحابی سے ایسے ظالمانہ واقعات سرزد نہیں ہوسکتے؟ کیا صحابہ معصوم تھے؟

چلئے فرض کیا بسر صحابی نہیں تھا، لیکن جس کے حکم پر وہ سارے مظالم ڈھاتا رہا وہ عند المحدثین صحابی ہے یا نہیں؟''۔ (ص ۷۰)

امام منذری رحمہ اللہ تعالیٰ تو بخوبی عقیدہ اہلسنت جانتے تھے اور عقیدہ اہلسنت ہی بیان فرما رہے ہیں، موصوف فیضی خود نہیں سمجھ سکے کہ امام منذری کا مقصود صحابہ کے لیۓ معصومیت ثابت کرنا نہیں تھا بلکہ اس بات کا بیان کرنا تھا کہ اگر یہ صحابی ہوتے تو یحیی بن معین ان کو برا نہ کہتے، برا کہا ہے تو اس کا مطلب ہے وہ صحابی نہیں مانتے۔ کیونکہ اہلسنت کا بالاتفاق یہ عقیدہ ہے کہ تمام صحابہ کرام علیہم الرضوان کی تعظیم کی جائے گی اور ان پر طعن کی جو باتیں منقول بھی ہیں تو ان کے اچھے محامل اور بہترین تاویلات موجود ہیں۔

امام بیضاوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

یجب تعظیمهم والكف عن مطاعنهم (إلى أن قال) وما نقل من المطاعن فله محامل وتأويلات ومع ذلك فلا تعادل ما ورد في مناقبهم وحكى عن آثارهم نفعنا الله بمحبتهم أجمعين وجعلنا الله لهديهم متبعين وعصمنا عن زيغ الضالين

''صحابہ کرام علیہم الرضوان کی تعظیم کرنا اور پر طعن کرنے سے اجتناب کرنا واجب ہے، اور جو ان کے بارے میں مطاعن منقول ہیں تو ان کے محمل اور تاویلات موجود ہیں، علاوہ ازیں یہ ان مناقب کے مقابل نہیں ہوسکتے جو ان کے مناقب میں وارد اور ان کے حالات کے بارے میں مروی ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں ان تمام کی محبت کے ساتھ نفع عطا فرمائے، ہمیں ان کے طریقے پر چلنا نصیب فرمائے اور ہمیں بھٹکے ہوئے لوگوں کے ٹیڑھے پن سے بچائے''۔

(طوالع الأنور من مطالع الأنظار ص ۲٤٦-۲٤٧)

حافظ کبیر محدث عراقی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

مذهب أهل الحق أن الفئة المقاتلة لعلي هي الباغية، وإن كانت متأولة طالبة للحق في ظنها غير مذمومة بل مأجورة على الاجتهاد، ولا سيما الصحابة منهم فإن الواجب تحسين الظن بهم، وأن يتأول لهم ما فعلوه بحسب ما يليق بفضلهم، وما عهدناه من حسن مقصدهم ثم إن عدالتهم قطعية لا تزول بملابسة شيء من

الفتن. والله أعلم

''اہل حق کا مذہب یہ ہے کہ حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قتال کرنے والا گروہ باغی تھا مگر وہ تاویل کرنے والے اور اپنے گمان میں حق کو طلب کرنے والے تھے اس لیے ان کی مذمت نہیں بلکہ یہ اپنے اجتہاد پر اجر دیئے جائیں گے، خاص طور ان میں صحابہ تھے تو ان کے بارے میں حسنِ ظن رکھنا واجب ہے، اور جو ان کی مقام کے لائق ہے نیز جو ہم ان کے مقصد کے اچھے ہونے کو جانتے ہیں اس کے مطابق ان کے معاملات کی تاویل کی جائے گی، پھر ان کی عدالت قطعی ہے جو کسی آزمائش سے ملابست کی وجہ سے زائل نہیں ہوگی''۔

(طرح التقریب ج ۷ ص ۲۷۸)

امام منذری رحمہ اللہ تعالیٰ کا کلام بالکل صاف ہے، جہاں تک رہا بسر بن ارطاہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعات کا تو اولا اس مین کوئی بھی سند صحیح کے ساتھ ثابت نہیں، ثانیا ان واقعات کو موصوف نے روافض کی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب کیا ہے، یہی روش خوارج ونواصب کی ہے کہ وہ حضرت خارجہ، جاریہ بن قدامہ اور مالک الاشتر کے افعال کو حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب کرتے ہیں، ہم اہل سنت الحمد للہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی ان امور سے بری جانتے اور ان سے بڑھ کر سیدنا مولا مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بری سمجھتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قول سے استدلال میں فیضی صاحب کی خیانت

موصوف فیضی لکھتے ہیں:'' قدیم صحابہ کرام علیہم الرضوان کے نزدیک بھی صحبت مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے فائدہ نہ اٹھانے والے قابل تعظیم نہیں رہے تھے۔ چنانچہ حافظ ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وعن ابن عباس يقول أحدهم: أبي صحب رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم وكان مع رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم ولنعل خلق خير من أبيه

''سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: بعض لوگ کہتے ہیں: میرا باپ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا صحابی تھا، وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھی تھا، حالانکہ پرانی جوتی بھی اس کے باپ سے بہتر ہے۔'' (ص ۲۲)

حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اس قول پر موصوف نے چار کتابوں کے حوالے دیئے

ہیں، مجمع الزوائد، کشف الاستار، البحر الزخار اور مختصر زوائد البزار، اصل یہ البحر الزخار یعنی مسند بزار کی روایت ہے، امام ہیثمی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مسند البزار کے زوائد کو ایک کتاب میں جمع کیا ہے جس کا نام آپ نے کشف الاستار رکھا ہے اور اسی کشف الاستار کا خلاصہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مختصر زوائد البزار کے نام سے کیا ہے اور مجمع الزوائد بھی حافظ ہیثمی ہی کی کتاب ہے جس میں یہ حدیث مسند بزار ہی کے حوالے سے مذکور ہے۔

اس اثر سے موصوف یہ ثابت کررہے ہیں کہ قدیم صحابہ کرام علیہم الرضوان کے نزدیک وہ حضرات جنہوں نے صحبت مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے فائدہ نہ اٹھایا وہ لوگ قابل تعظیم نہیں رہتے۔

افسوس فیضی صاحب نے یہاں بڑی خیانت کی ہے جن چار کتابوں کے انہوں نے حوالے دیئے ہیں ان میں سے تین کتابوں میں یہ روایت منافقین کے لیے لکھی ہوئی ہے، حافظ ہیثمی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مجمع الزوائد اور کشف الاستار دونوں میں یہ حدیث باب صفۃ المنافقین میں ذکر کی ہے، اسی طرح حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی منافقین کی علامات کے بیان میں اس کو نقل کیا ہے، یعنی حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما منافقین کا حال بیان کررہے ہیں اور فیضی بے فیض اس کو صحابۂ کرام علیہم الرضوان پر منطبق کررہے ہیں۔ اس سے ان کی دیانت یا جہالت کا اندازہ آپ لگا سکتے ہیں۔

حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول میں بدترین خیانت

دوسرا اثر حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر کیا ہے۔ لکھتے ہیں: ''اسی طرح امام طبرانی عبدالرحمان بن میسرہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا:

مر باالمقدام بن الأسود رجل فقال: لقد أفلحت هاتان العينان رأتا رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم فاجتمع المقداد غضبا وقال: يا أيها الناس! لا تتمنوا أمرا قد غيبه الله فكم ممن قد رآه ولم ينتفع برؤيته

''سیدنا مقداد بن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قریب سے ایک شخص گذرا تو اس نے کہا: ان دو آنکھوں نے کامیابی پائی جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئیں۔ اس پر سیدنا مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ انتہائی غضب ناک ہوئے اور فرمایا: لوگو! اس امر کی تمنا مت کرو جسے اللہ عزوجل نے مخفی رکھا ہے، بہت سے لوگوں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وآلہ وسلم کو دیکھا لیکن انہوں نے آپ کے دیدار سے فائدہ نہ اٹھایا"۔

(مسند الشامیین للطبرانی ج ۲ ص ۱۴۸، ۱۴۹ حدیث ۱۱۰۸۱ المعجم الکبیر ج ۲۰ ص ۲۵۸ حدیث ۶۰۸ تاریخ دمشق [مفصلا] ج ۶۰ ص ۱۸۰ مختصر تاریخ دمشق ج ۲۵ ص ۲۲۱)

اس اثر پر موصوف نے چار حوالے دیئے ہیں، امام طبرانی کی معجم کبیر اور مسند الشامیین کا، اور تاریخ دمشق اور مختصر تاریخ دمشق کا، تاریخ دمشق کے حوالے کے ساتھ انہوں نے بریکٹ میں مفصلا کا کلمہ لکھا ہے جس کا معنی ہے کہ یہ روایت تاریخ دمشق میں مفصل ہے۔

ہم وہ روایت یہاں مفصلا ذکر کر دیتے ہیں جس سے سیدنا مقداد بن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مراد واضح ہوجائے گی اور فیضی صاحب کی خیانت بھی آپ کے سامنے ظاہر ہوجائے گی۔

عبد الرحمن بن جبير بن نفير، عن أبيه، قال: جلسنا إلى المقداد بن الأسود يوما فمر به رجل، فقال: طوبى لهاتين العينين اللتين رأتا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم والله! لوددنا أنا رأينا ما رأيت وشهدنا ما شهدت، قال: فاستغضب المقداد، فجعلت أتعجب ما قال الرجل إلا خيرا! ثم أقبل عليه فقال: ما يحمل الرجل على أن يتمنى شيئا غيبه الله عنه، لا يدري لو شهد كيف كان يكون فيه، والله لقد حضر رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم أقوام أكبهم الله على مناخرهم في جهنم لم يعينوه ولم يصدقوه، أولا تحمدون الله أن أخرجكم لا تعرفون إلا ربكم مصدقين بما جاء به نبيكم صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم! قد كفيتم البلاء بغيركم، والله لقد بعث النبي صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم على أشد حال بعث عليه نبي من الأنبياء في فترة وجاهلية، ما يرون أن دينا أفضل من عبادة الأوثان، فجاء بفرقان يفرق بين الحق والباطل، وفرق بين الوالد وولده حتى إن كان الرجل ليرى والده أو ولده أو جده كافرا وقد فتح الله قفل قلبه للإيمان، يعلم أنه إن مات يعني الكافر دخل النار فلا تقر عينه، وهو يعلم أنه إن مات كان في النار، وأنها التي قال الله {ربنا هب لنا من أزواجنا وذرياتنا قرة أعين}

"حضرت عبدالرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد حضرت جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت

کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا ایک دن ہم مقداد بن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بیٹھے تھے تو وہاں سے ایک آدمی گزرا اس نے کہا ان آنکھوں کو مبارک ہو جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا ہے بخدا ہم بھی خواہش رکھتے ہیں کہ وہی کچھ دیکھتے جو آپ نے دیکھا تھا اور اسے ملاحظہ کرتے جس کو آپ نے ملاحظہ کیا تھا، یہ سن کر حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ جلال میں آ گئے، مجھے بہت تعجب ہو رہا تھا کہ اس نے تو درست بات ہی کی ہے۔

پھر سیدنا مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا: ایسی بات کی تمنا پر کیا چیز ابھارتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کی آنکھوں سے غائب رکھی ہے، اسے کیا معلوم کہ اگر وہ اس وقت موجود ہوتا تو کیا کرتا؟ اللہ کی قسم حضور علیہ السلام کے پاس ایسے لوگ آئے جنہیں اللہ نے جہنم میں اوندھے منہ گرا دیا، انہوں نے نہ تو آپ کی بات مانی اور نہ ہی آپ کی تصدیق کی تھی کیا تم لوگ اللہ کی حمد وثناء نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس وقت دولت اسلام دی ہے جب تم اپنے رب ہی کو جانتے ہو اور تم نے اپنے نبی کی لائی ہوئی ہر چیز کی تصدیق کر دی ہے اور تکذیب کی بلائیں دوسرے لوگوں پر جا پڑیں (تم محفوظ ہو گئے) بخدا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی بھی نبی سے زیادہ مشکل وقت میں ظہور فرمایا، یہ وقت دور فترت کا زمانہ اور دور جاہلیت تھا لوگ بتوں کے علاوہ کسی کی عبادت کو بہتر نہیں جانتے تھے چنانچہ آپ قرآن لے کر آئے جس نے حق و باطل میں فرق کر دیا، باپ بیٹے میں فرق کر دیا حتی کہ کوئی شخص اپنے والد، بیٹے یا دادا کو کافر دیکھتا لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے دل کا تالا کھول کر اسے ایمان نصیب کر دیا تھا وہ جان چکا ہوتا کہ اس حال (یعنی کفر) میں ہلاک ہونے والا دوزخ میں جائے گا اور جب وہ یہ دیکھتے کہ وہ دوزخ میں جائے گا تو اس کی آنکھیں ٹھنڈی نہ ہوں گی۔ دیکھئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اور وہ جو عرض کرتے ہیں اے اللہ ہمارے رب ہمیں دے ہماری بیبیوں اور ہماری اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک"۔ (تاریخ دمشق) ج ٦٠ ص ١٨٠)

حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ مفصل روایت امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی کتاب الادب المفرد میں ذکر کی ہے۔ (الأدب المفرد) ص ٤٤ رقم ٨٧)

ملاحظہ فرمائیں جو باتیں منافقین، کافروں مشرکوں کے بارے میں ہیں ان کو یہ صاحب صحابہ کرام علیہم

الرضوان پر منطبق کر رہے ہیں۔ یا للعجب! کیا اس کو تحقیق کہتے ہیں؟ کیا ایسے ہوتے ہیں ریسرچ اسکالر؟ کیا مصطفی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کا شرف پانے والے ان صحابہ کرام علیہم الرضوان کو برا کہا جائے گا، کیا صحابی ماننے کے باوجود ان کو رؤیت مصطفی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فائدہ نہ دے گی، اور یہ قابل تعظیم نہ ہوں گے؟ یہ فیضی صاحب جیسے لوگوں کا عقیدہ تو ہوسکتا ہے، اہل سنت کا یہ عقیدہ ہرگز نہیں۔ امام سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وهو كل من رأى النبى صلى الله تعالى عليه وآله وسلم مسلما. وقيل من طالت مجالسته. والصحيح الأول بخلاف التابعي لا يكفى فيه رؤية الصحابي، والفرق شرف الصحبة وعظم رؤية النبى صلى الله تعالى عليه وآله وسلم. وذلك أن رؤية الصالحين لها أثر عظيم فكيف روية سيد الصالحين، فإذا رآه مسلم ولو لحظة انطبع قلبه على الاستقامة لأنه بإسلامه متهيء للقبول فإذا قابل ذلك النور العظيم أشرق عليه وظهر أثره فى قلبه وعلى جوارحه

''صحابی ہر اس شخصیت کو کہتے ہیں جس نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا، ایک قول یہ ہے کہ جس کی صحبت طویل ہو، لیکن صحیح بات پہلی ہے برخلاف تابعی کے اس میں فقط صحابی کو دیکھنا کافی نہیں ہوتا، اور دونوں میں فرق نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی عظمت اور صحبت کے شرف کا ہے، اور یہ کہ صالحین کی زیارت کا ایک عظیم اثر ہوتا ہے تو سید الصالحین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی رویت کا کیا کہنا، پس جب مسلمان نے ایک لمحہ بھی دیکھا تو اس کا دل استقامت پر منطبع ہوتا ہے اس لیے کہ اپنے اسلام کے سبب وہ قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے، پس جب وہ اس نور عظیم کو قبول کر لیتا ہے تو اس کا اثر اس کے دل اور اس کے جوارح پر ظاہر ہوتا ہے''۔ (الإبھاج فی شرح المنھاج) ج۱ ص۱۵)

یہ عقیدہ ہے اہل سنت کا کہ رؤیت وصحبت مصطفی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کیسی نورانی اور کس قدر مفید ہے۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان کے ساتھ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھنا

اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُم بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ (سورۃ التوبہ:100)

(ترجمہ کنز الایمان:) ''اور سب میں اگلے پہلے مہاجر اور انصار اور جو بھلائی کے ساتھ ان کے پیرو ہوئے اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی اور ان کے لیے تیار کر رکھے ہیں باغ جن کے نیچے نہریں بہیں ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں یہی بڑی کامیابی ہے''۔

اس آیت میں السابقون الاولون سے مراد کون ہیں اس میں ائمہ مفسرین کے مختلف اقوال ہیں، ایک تفسیر کے مطابق اس سے مراد تمام صحابہ کرام علیہم الرضوان ہیں اور ان کی پیروی کرنے والوں سے قیامت تک کے ایماندار نیک لوگ مراد ہیں۔

تفسیر جلالین میں اس آیت کے تحت ہے:

وھم من شھد بدرا أو جمیع الصحابة

''سابقون اولون سے مراد وہ صحابہ ہیں جو بدر میں شریک ہوئے یا اس سے مراد تمام صحابہ ہیں''۔ (تفسیر الجلالین) ص ۲۵۸)

امام واحدی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: سابقون اولون سے مراد بدر میں حاضر ہونے والے صحابہ ہیں، انصار میں سے وہ جو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے قبل آپ علیہ الصلاۃ والسلام پر ایمان لے آئے تھے، تو یہ دونوں فریق مہاجرین وانصار میں سبقت کرنے والے ہیں، اور ایک قول یہ ہے کہ سابقین اولین سے مراد آپ کے تمام صحابہ ہیں کیونکہ وہ تمام امت سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھنے اور صحبت اختیار کرنے میں میں سبقت لے گئے۔ (الوجیز للواحدي) ص ٤٧٩)

تفسیر خازن میں ہے:

''محمد بن کعب القرظی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد تمام صحابہ ہیں اس لیے کہ ان کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کی وجہ سے سبقت حاصل ہے، حمید بن زیاد کا کہنا ہے: میں نے ایک دن محمد بن کعب القرظی سے کہا: مجھے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کے بارے میں بتایئے، میرا مقصود (ان کے درمیان واقع ہونے والے) فتن تھے آپ نے

فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ نے ان تمام کی بخشش فرمادی نیکیاں کرنے والوں کی بھی اور جن سے خطا واقع ہوئی ان کی بھی، اور ان تمام کے لیے اپنی کتاب میں جنت لازم کردی، میں نے کہا: کس مقام پر؟ تو آپ نے کہا سبحان اللہ! کیا تم یہ آیت نہیں پڑھتے (پھر آپ نے سورۃ التوبہ کی اوپر ذکر کردہ آیت پڑھی) تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے تمام صحابہ کے لیے جنت کو لازم قرار دے دیا، اور اپنے اس قول میں پیروی کو شرط قرار دیا کہ وہ نیکی کے ساتھ پیروی کریں نہ کہ برائی کے ساتھ، حمید کہتے ہیں گویا میں یہ نے یہ آیت آج سے پہلے پڑھی ہی نہیں تھی۔ (تفسیر الخازن) ج ۲ ص ۳۹۸)

علامہ سید غلام رسول سعیدی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ تفسیر زاد المسیر سے مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد تفسیر فتح القدیر کے حوالے سے لکھتے ہیں: تاہم اس سے کوئی چیز مانع نہیں کہ ان تمام اقسام کو اس آیت کا مصداق قرار دیا جائے۔ (تفسیر تبیان القرآن)

اس آیت سے استدلال بالکل واضح کہ تمام صحابہ کرام علیہم الرضوان سے اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ فرمایا ہے اور ان سے رب کریم عزوجل راضی ہے

ہمارے ائمہ اہل سنت نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ صحابۂ کرام علیہم الرضوان کے نام کے ساتھ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھا جائے گا، کسی کا بھی اس میں استثنا نہیں ہے۔

امام نووی، علامہ عبد الرحمن بن محمد کلیوبی اور علامہ علاء الدین الحصکفی رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

والنظم للنووی: یستحب الترضی والترحم علی الصحابة والتابعین فمن بعدهم من العلماء والعباد وسائر الأخیار، فیقال رضی الله تعالی عنه أو رحمة الله علیه أو رحمه الله ونحو ذلك. (وأما) ما قاله بعض العلماء أن قول رضی الله تعالی عنه مخصوص بالصحابة، ویقال فی غیرهم رحمه الله تعالی فقط. فلیس کما قال ولا یوافق علیه بل الصحیح الذی علیه الجمهور استحبابه، ودلائله أکثر من أن تحصر

''صحابہ کرام، تابعین اور ان کے بعد والے علما اور عبادت گزار لوگوں اور تمام نیک لوگوں کے لیے رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور رحمہ اللہ تعالیٰ یا اس طرح کے تعظیمی جملے کہے جائیں گے، اور یہ جو بعض علما نے کہا ہے کہ ''رضی اللہ تعالیٰ عنہ'' صحابہ کے ساتھ مخصوص ہے،

اور ان کے علاوہ دیگر کے لیے رحمہ اللہ تعالیٰ استعمال کیا جائے، تو ایسا نہیں ہے جیسا کہ انہوں نے کہا، اور اس پر ان کی موافقت نہیں کی گئی، بلکہ صحیح وہ قول ہے جس پر جمہور ہیں یعنی اس کا مستحب ہونا اور اس کے دلائل بکثرت ہیں''۔

(المجموع شرح المھذب) ج ٦ ص ١٧٢) (مجمع الانہر شرح ملتقی الأبحر) ج ٤ ص ٤٩١) (الدر المختار) ص ٧٥٩)

ان تمام تر نقول سے مذہب اہل سنت بالکل واضح ہے کہ تمام صحابۂ کرام علیہم الرضوان کے نام کے ساتھ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھنا کہنا مستحب ہے۔

اب آئیں ذرا صاحب الاحادیث الموضوعات کا حال دیکھیں موصوف لکھتے ہیں:

''سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان باتوں کی وجہ سے ان پر لعنت کرنا تو جائز نہیں، لیکن کیا یہ باتیں ان کی تعظیم وغیرہ کی مانع ہوسکتی ہیں؟ اس پر عرض ہے کہ کچھ علماء اسلام اس طرف گئے ہیں کہ ان کے نام کے ساتھ تعظیمی الفاظ استعمال کرنا درست نہیں۔ چنانچہ اہل حدیث عالم مولانا نذیر حسین دہلوی لکھتے ہیں: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابلہ میں جہاں امیر معاویہ کا تذکرہ ہو وہاں لفظ ''حضرت'' اور دعائیہ الفاظ کہنا درست نہیں، کیونکہ انہوں نے آخری خلیفہ ٔراشد کے خلاف بغاوت کی ہے، لہٰذا اُن کو غلط کار اور باغی سمجھنا چاہیئے اور اس سے آگے بڑھ کر اُن کو برا بھلا کہنا درست نہیں ہے، اس سے زبان کو روکنا چاہیئے''۔ (فتاوی نذیریہ ج ٣ ص ٤٤٦)

نذیر حسین دہلوی کے قول میں بدترین خیانت

قارئین کرام آپ اس مقام کو فتاوی نذیریہ سے دیکھ سکتے ہیں، یہ جواب فتاوی نذیریہ میں واضح الفاظ میں اسی مقام پر کسی مولوی محمد فصیح غازی کا لکھا ہے، اس کے بعد نذیر حسین دہلوی نے اس مولوی فصیح کا کئی صفحات پر رد کیا ہے حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تعارف کرنے کے بعد لکھا ہے: ''صحیح بخاری میں جو کہ حدیث کی کتابوں میں سے صحیح ترین کتاب ہے آپ کا صحابی ہونا اور بزبانِ ابن عباس عادل اور فقیہ ہونا ثابت ہوگیا تو آپ ترضی اور ترحم کے مستحق ہوں گے کیونکہ اہل سنت کے نزدیک صحابہ کے لئے رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنا بالاتفاق مستحب ہے، اور صحابی ہونے کی حیثیت سے ان کے متعلق حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابلہ میں بھی حضرت اور رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے الفاظ کہنا مستحب ہے ممنوع نہیں ہے۔

(فتاوی نذیریہ) ج ٣ ص ٤٥٠)

قارئین نے ملاحظہ کرلیا کہ فیضی نے تحریف وخیانت کی کیسی اعلیٰ مثال قائم کی۔

مولوی صاحب اب صرف آپ کے ساتھ وحید الزمان باقی رہا، اس کی حرکات کے بارے میں خود اس کے مکتب فکر کے لوگوں سے معلوم کرلیں۔

محترم قارئین ! آپ پڑھ کر آ چکے ہیں کہ اہل سنت جمیع صحابہ کرام علیہم الرضوان کا ذکر خیر کے ساتھ ہی کرتے ہیں، ان کو معصوم کوئی نہیں مانتا، جب ایک عام مؤمن میت کے بھی محاسن کا ہی ذکر کیا جاتا ہے، پھر صحابہ کرام علیہم الرضوان جن کے بارے میں خود رب تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وکلا وعد اللہ الحسنی واللہ بما تعملون خبیر. ان کا ذکر خیر کے ساتھ کیوں نہیں کیا جائے گا ان کے محاسن کیوں ذکر نہیں کیے جائیں گے۔

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صحابی تو یہ لوگ بھی تسلیم کرتے ہیں، اور صحابی کی تعظیم تو ضروریات مذہب اہل سنت سے ہے۔

ہم آیت مبارکہ والسبقون الاولون کے تحت مفسرین کے اقوال نقل کر چکے ہیں کہ اس سے مراد ایک تفسیر کے مطابق جمیع صحابہ کرام علیہم الرضوان ہیں، لیکن ظہور احمد فیضی کو ہر وہ قول پسند آتا ہے جس میں سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تنقیص ہو چاہے وہ کہیں سے بھی ملے یہاں اس آیت سے عبد الرشید نعمانی دیوبندی کا استدلال نقل کیا اور اس کو بڑا عمدہ قرار دیا ہے لکھتے ہیں: ''علامہ عبد الرشید نعمانی دیوبندی لکھتے ہیں: حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو سرے سے نہ مہاجر ہیں نہ انصاری، سابقین اولین کا تو ذکر ہی کیا بلکہ حضرت علی کرم اللہ وجھہ سے بغاوت کرکے والذین اتبعوھم بإحسان بھی محروم رہے''۔ (الاحادیث الموضوعات ص ۲۳)

آخر کیا وجہ ہے کہ تمام مفسرین کو چھوڑ کر آپ کو یہ شاذ تفسیر ہی محبوب ہوئی؟

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اجلہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کے زمرہ میں شامل اور ان کے طریقے کار پر ہی تھے، آپ حدیث حسن (أصحابی کالنجوم) کے تحت خود ہدایت کے تارے ہیں، اور اللھم اجعلہ ھادیا مھدیا کی حدیث حسن میں موجود مقبول دعائے مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق خود بھی ہدایت یافتہ اور دوسروں کو بھی ہدایت دینے والے ہیں، ہاں معصوم نہ آپ ہیں نہ کوئی اور صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

اس حوالے سے عمدۃ المتاٗخرین اعلی حضرت امام اہلسنت امام احمد رضا خان رحمہ اللہ تعالیٰ کا کلام ملاحظہ فرمائیں اعلی حضرت فرماتے ہیں:

سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

اللہ اللہ فی أصحابی لا تتخذوهم غرضا من بعدی فمن أحبهم فبحبی أحبهم ومن أبغضهم فببغضی أبغضهم ومن آذاهم فقد آذانی ومن آذانی فقد آذی اللہ ومن آذی اللہ فیوشك أن یأخذه.

''خدا سے ڈرو، خدا سے ڈرو میرے اصحاب کے حق میں انھیں نشانہ نہ بنالینا میرے بعد، جو انہیں دوست رکھتا ہے میری محبت سے انہیں دوست رکھتا ہے، اور جو ان کا دشمن ہے میری عداوت سے ان کا دشمن ہے، جس نے انہیں ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی، اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ کو ایذا دی، اور جس نے اللہ کو ایذا دی تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو گرفتار کرلے''۔ رواہ الترمذی

اب اے خارجیو، ناصبیو! کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس ارشادِ عام اور جناب باری تعالیٰ نے آیہ کریمہ رضي اللہ عنہم ورضوا عنہ سے جناب ذوالنورین وحضرت اسد اللہ غالب وحضرات سبطین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین (کو) یا اے شیعو اے رافضیو! ان احکام شاملہ سے خدا ورسول نے جناب فاروق اکبر، حضرت مجہز جیش العسرۃ وجناب ام المؤمنین محبوبۂ سید العالمین عائشہ صدیقہ بنت صدیق وحضرات طلحہ وزبیر ومعاویہ وغیرہم رضوان اللہ تعالیٰ علیہم الی یوم الدین کو خارج کردیا اور تمہارے کان میں کہہ دیا کہ اصحابی سے ہماری مراد اور آیت میں ضمیر ھم کے مصداق ان لوگوں کے سوا ہیں۔

(فتاوی رضویہ ج ۲۹ ص ۳۵۵۔۳۵۷)

موصوف ظہور فیضی لکھتے ہیں:

''فی الجملہ یہ کہ فی الحال مین ایسے تعظیمی الفاظ کو ترک کررہا ہوں، چونکہ غیر متنازعہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ناموں کے ساتھ بھی ایسے الفاظ کا استعمال صرف مستحب ہے واجب نہیں اور مستحب کے ترک میں گناہ نہیں ہوتا، جبکہ دوسرے پہلو میں مجھے خدشہ محسوس ہورہا ہے۔'' (ص ۲۴)

اقول و باللہ التوفیق! یہ وہ شخص ہے جو بدمذہبوں کے ساتھ تعظیمی کلمات علامہ مولانا شیخ الحدیث لکھنے میں کوئی خدشہ محسوس نہیں کرتا حالانکہ ان کی بدمذہبی ظاہر ہے۔ لیکن اس کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تعظیمی کلمات لکھنے میں خدشہ محسوس ہو رہا ہے۔

ثانیاً: تعظیمی کلمات کہنا لکھنا اگرچہ مستحب ہے، لیکن اس کا ترک اگر صحابۂ کرام علیہم الرضوان کی عدمِ تعظیم کی نیت سے ہو تو یہ بدمذہبی ہے۔

حسن بن صالح کی عادت تھی وہ حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے رحمت کی دعا نہیں کرتا تھا یعنی اس طرح کے تعظیمی کلمات استعمال نہیں کرتا تھا، فی نفسہ ثقہ راوی تھا، امام وکیع نے اس کے بارے میں کہا وہ میرے نزدیک امام ہے، اس پر کسی نے کہا وہ تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ترحم (رحمت کی دعا) نہیں کرتا، حضرت وکیع نے جواب میں کہا: کیا تو حجاج پر ترحم کرتا ہے؟

حافظ وکیع رحمہ اللہ تعالیٰ کی اس بات پر امام ذہبی لکھتے ہیں:

قلت: هذه سقطة من و كيع، شتان ما بين الحجاج وبين عثمان، عثمان خير أهل زمانه، وحجاج شر أهل زمانه

''یہ وکیع کی طرف سے بڑی خطا ہے، کہاں حجاج اور کہاں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو اپنے زمانہ کے سب سے بہتر شخص تھے اور حجاج اپنے زمانہ کا بدترین شخص تھا''۔ (تاریخ الاسلام ج٤ ص٣٣٤)

سیر اعلام النبلاء میں مزید لکھتے ہیں:

أن ترك الترحم سكوت، والساكت لا ينسب إليه قول، ولكن من سكت عن ترحم مثل الشهيد أمير المؤمنين عثمان، فإن فيه شيئا من تشيع

''رحمت کی دعا کا ترک کرنا سکوت ہے، اور ساکت پر کوئی حکم نہیں لگے گا، لیکن جو امیر المؤمنین سیدنا عثمان غنی شہید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مثل کسی پر ترحم سے سکوت کرتا ہے اس کا ایسا کرنا اس لیے ہوتا ہے کہ اس میں شیعیت موجود ہوتی ہے''۔ (سیر اعلام النبلاء ج٧ ص٣٧٠)

یہی حال فیضی کا ہے یہاں مقصود سیدنا امیر معاویہ حضرت سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعظیم نہ کرنا مقصود ہے اس لیے موصوف کلمات تعظیم کو ترک کر رہے ہیں، نہ صرف کلماتِ تعظیم کو ترک

کر رہے بلکہ کلمات توہین کا انبار لگانے کی تیاری کر رہے ہیں۔

فاطمی شہزادے کی ضرب قاہر

سیدہ بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گلشن کے مہکتے پھول سراج العارفین حضرت سید شاہ ابوالحسین نوری مارہروی رحمہ اللہ تعالیٰ گویا فیضی جیسوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''بہرحال حق واضح ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خطا اجتہادی تھی، اس لیے آپ مغفور ہیں اور خطا عنادی نہ تھی کہ آپ کو فسق تک پہنچاتی، اور آپ پر طعن وتشنیع کو جائز قرار دیتی، اسی وجہ سے آپ کے نام نامی کے ساتھ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دعائیہ کلمہ ذکر فرمایا، تو کون ہے اور تجھے کیا ہوگیا کہ صحابہ کرام میں سے کسی ایک کی فضیلت پر تو انگلی اٹھاتا ہے، یا ''رضی اللہ تعالیٰ عنہ'' کہنے سے زبان بند کرتا ہے، اور ہزاروں تیرے جیسے نہ کہیں 'رضی اللہ تعالیٰ عنہ' خدا تعالیٰ نے خود فرمایا ہے: رضی اللّٰہ عنہم ورضوا عنہ اے غافل! آنکھ کھول اور پاک نگاہ سے دیکھ کہ یہ ہے مردان خدا کا عقیدہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور تمام صحابۂ کرام علیہم الرضوان کے بارے میں''۔

(دلیل الیقین من کلمات العارفین ص ۴۳۔۴۵ مطبوعہ عکس پبلی کیشنز لاہور)

لہٰذا فیضی بے فیض کے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ کلمات تعظیمی نہ لکھنے سے سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عظمت پر کوئی فرق نہیں پڑے گا، ہمیں بھی فیضی سے کوئی سروکار نہیں، ہاں ترک تعظیم سنیت نہیں، اتنا سب کو معلوم ہے۔

باغی وجائر کا اطلاق جائز یا ناجائز؟

اب رہا باغی جائر وغیرہ الفاظ کا اطلاق تو ہمارے زمانے میں اس کا اطلاق جائز نہیں۔

باغی کے اطلاق میں اختلاف ائمہ کا بیان

امام ابوالمعین میمون النسفی الماتریدی رحمہ اللہ تعالیٰ المتوفی سنۃ ۵۰۸ھ لکھتے ہیں:

ثم اختلف متکلمو أهل السنة والجماعة فی تسمیة من خالف علیا باغیا، فمنهم من امتنع عن ذلك فلا یجوز إطلاق اسم الباغی علی معاویة ویقول: لیس ذا من أسماء من أخطأ فی اجتهاده، ومنهم من یطلق ذلك الاسم ویستدل بقوله تعالی: وإن

طائفتان من المؤمنين اقتتلوا الاية وبقول النبي عليه السلام لعمار: تقتلك الفئة الباغية وبقول علي: إخواننا بغوا علينا. غير أنهم يمتنعون فسا قالما مر

''متکلمین اہل سنت و جماعت کا ان حضرات کو باغی کہنے میں اختلاف ہے جنہوں نے حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جنگ کی، ان میں سے بعض وہ ہیں جنہوں نے اس سے منع کیا لہٰذا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر باغی کا اطلاق کرنا جائز نہیں، وہ یہ کہتے ہیں باغی کا نام ان کا نہیں ہوتا جو اپنے اجتہاد میں خطا کریں، اور بعض وہ ہیں جو اس نام کا اطلاق کرتے ہیں، ان کی دلیل قرآن کی یہ آیت ہے (ترجمہ: اگر دو مؤمن گروہ آپس میں قتال کریں) اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ فرمانا ہے:'' تجھ کو باغی گروہ شہید کرے گا''، نیز حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فرمان ہے:'' ہمارے بھائی ہیں جنہوں نے ہمارے خلاف بغاوت کردی ہے''۔ لیکن یہ حضرات بھی ان پر فاسق کا اطلاق کرنے سے منع کرتے ہیں''۔ (تبصرة الأدلة) ج ۲ ص ۱۱۷۳)

اسی طرح محدث حافظ مرتضی زبیدی حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ المتوفی سنۃ ۱۲۰۵ھ نے اتحاف السادۃ المتقین میں حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمان تک تحریر فرمایا ہے۔ (اتحاف السادۃ المتقین) ج ۲ ص ۳۵۳)

حضرت علامہ علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ منح الروض الازھر میں فرماتے ہیں:

ثم كان معاوية مخطئا إلا أنه فعل ما فعل عن تاويل فلم يصر به فاسقا. واختلف أهل السنة والجماعة في تسميته باغيا. فمنهم من امتنع من ذلك. والصحيح قول من أطلق لقوله عليه الصلاة والسلام لعمار ((تقتلك الفئة الباغية))

''حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خطا پر تھے مگر یہ کہ انہوں نے جو کیا وہ تاویل کی وجہ سے کیا تو وہ فاسق نہ ہوئے، اور اہل سنت و جماعت کا اس میں اختلاف ہے کہ ان پر باغی کا اطلاق ہوگا یا نہیں، بعض ان میں سے منع کرتے ہیں اور صحیح ان کا قول ہے جنہوں نے اطلاق کیا ہے اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے فرمایا تھا: تجھے باغی گروہ قتل کرے گا''۔ (منح الروض الأزهر شرح الفقه الأكبر) ص ۲۰۰)

واضح ہوگیا کہ اولاً تو اسی میں اختلاف ہے کہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کے گروہ

پر باغی کا اطلاق جائز بھی ہے یا نہیں؟

باغی کا اطلاق کس معنی میں ہے؟

اب یہ جاننا ضروری ہے کہ جن کے نزدیک باغی کا اطلاق جائز ہے تو کس معنی میں، اہل علم بخوبی جانتے ہیں کہ یہاں باغی کا اطلاق محلِ مذمت میں نہیں، بلکہ اصطلاحی معنی کے بیان کے لیے ہے کیونکہ ''امام برحق کے خلاف جو خروج کرے چاہے تاویل صحیح کی وجہ سے اس پر فقہی اصطلاح میں باغی کا اطلاق کیا جاتا ہے''۔

ائمہ اہلسنت نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ یہ اطلاق باغی فقط ظاہر کی وجہ سے تھا، باطن اور حقیقت کے اعتبار سے نہیں تھا ملاحظہ فرمائیں:

علامہ سعیدی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق باغی کا اطلاق فقط ظاہراً ہے۔

علامہ سید غلام رسول سعیدی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ حدیث سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر لکھتے ہیں:

''اس حدیث پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس میں مذکور ہے: عمار پر افسوس ہے اس کو باغی جماعت قتل کرے گی، وہ ان کو جنت کی طرف بلائے گا اور وہ اس کو دوزخ کی طرف بلائیں گے، اور حضرت عمار کو حضرت معاویہ کے گروہ نے قتل کیا تھا، اور ان پر اس حدیث میں باغی اور دوزخ کی طرف بلانے والا فرمایا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ ان پر باغی اور دوزخ کی طرف بلانے والے کا اطلاق بہ اعتبار ظاہر ہے، حقیقت کے اعتبار سے نہیں ہے، کیونکہ حقیقت میں ان کے گمان کے اعتبار سے ان کا اقدام برحق تھا، وہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قصاص کے طالب تھے حالانکہ واقع میں ان کا یہ اجتہاد مبنی بر خطا تھا، کیونکہ وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف جنگ کر رہے تھے اور وہ امیر برحق اور خلیفہ مسلمین تھے، اور برحق امیر کے ساتھ جنگ کرنا بغاوت ہے اور دوزخ میں دخول کا سبب ہے، اس لیے ظاہر کے اعتبار سے وہ باغی تھے، اور دوزخ کی طرف بلانے والے، لیکن حقیقت میں باغی نہیں تھے، کیونکہ ان کا یہ اقدام اپنے اجتہاد کی وجہ سے تھا، اس حدیث کی نظیر قرآن مجید کی یہ آیت ہے، وعصی آدم ربہ فغوی اور آدم نے اپنے رب کی معصیت کی پس وہ بے راہ ہوئے۔

اس آیت میں شجر ممنوعہ کھانے پر حضرت آدم علیہ السلام پر معصیت اور غوایت کا اطلاق بہ اعتبار ظاہر ہے، حقیقت میں وہ نبی معصوم ہیں اور ان کا شجر ممنوعہ سے کھانا معصیت نہ تھا، ان کے اجتہاد سے تھا، انہوں نے یہ سمجھا کہ اللہ تعالیٰ نے تنزیہا منع فرمایا ہے اور وہ یہ بھول گئے کہ اللہ تعالیٰ نے تحریما منع فرمایا ہے اور معصیت تب ہوتی جب وہ قصداً ممنوع کام کا ارتکاب کرتے اور انہوں نے بھولے سے یہ کام کیا تھا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فنسی ولم نجد له عزما پس آدم بھول گئے اور ہم نے (ان کی معصیت کا) کوئی عزم نہ پایا۔

لہٰذا قرآن مجید میں حضرت آدم کے فعل پر معصیت کا اطلاق ظاہر اور صورت کے اعتبار سے ہے اور حقیقت کے اعتبار سے وہ معصیت نہیں، اسی طرح اس حدیث میں حضرت معاویہ کے گروہ پر باغی ہونے اور دوزخ کی طرف بلانے والے ہونے کا اطلاق ظاہر اور صورت کے اعتبار سے ہے، حقیقت کے اعتبار سے نہیں ہے، اور اس پر دلیل یہ ہے کہ حضرت علی نے حضرت معاویہ اور ان کے لشکر کے متعلق بہت دعائیں کی ہیں اور ان کی فضیلت میں بہت احادیث وارد ہیں''۔ (نعمۃ الباری فی شرح صحیح البخاری ج ۲ ص ۲۲۳۔ ۲۲۴ طبع فرید بک اسٹال)

علامہ عبداللطیف سندھی ٹھٹھوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا فرمان

علامہ محدث فقیہ ہاشم ٹھٹوی کے شہزادے قاضی القضاۃ علامہ عبداللطیف سندھی رحمہما اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

ولا ريب أن معاوية رضى الله تعالى عنه كان مجتهدا مطلقا من مجتهدى الدين، فإطلاق لفظ البغى والجور على فعله فى كلام البعض ليس إلا من باب إطلاق لفظ العصيان والغوى على فعل سيدنا آدم الصفى على نبينا وعليه الصلاة والسلام فى كتاب الله تعالى كما صرحوا به. فليس اتصاف فعله بهما بهذا المعنى مانعا عن تحمل الدين والسنة عنه إلا على قول من أعمى الله قلبه وبصيرته وجعل على بصره غشاوة

''اور کوئی شک نہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دین کے مجتہدین میں سے ایک مجتہد مطلق تھے، تو ان پر بغاوت اور جور کے لفظ کا اطلاق جو بعض ائمہ کے کلام میں آیا ہے، یہ اسی

طرح ہے جیسے حضرت سیدنا آدم علیہ السلام کے فعل پر عصیان اور غوی کا اطلاق قرآن مجید میں آیا ہے، جیسا کہ علما نے اس کی صراحت کی ہے، تو ان کے فعل کے ان دو اوصاف کے ساتھ اس معنی کے ساتھ متصف ہونے کے سبب ان سے دین وسنت کا تحمل نہ کرنا اسی کے قول پر ہوگا جس کے قلب وبصیرت کو اللہ تعالیٰ نے اندھا کردیا اور جس کی بصارت پر اللہ تعالیٰ نے پردہ ڈال دیا"۔ (ذب ذباب الدراسات ص ۲٦۱)

یونہی جور یعنی ظلم وغیرہ کے جو الفاظ آئے ہیں وہ بھی اس معنی میں ہیں کہ حضرت سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت حضرت سیدنا مولائے کائنات مولا مشکل کشا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت حقہ کے زمانہ میں درست نہ تھی، اس جور سے مراد وہ جور نہیں جس کا منتہیٰ فسق وگمراہی ہوتی ہے۔ اس حوالے سے حضرت سیدنا مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق ملاحظہ فرمائیں۔

مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق

فیضی صاحب کے عمدہ یعنی عبد الرشید نعمانی، حضرت سیدنا مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فارسی عبارت کا عربی میں ترجمہ لکھتے ہیں:

وأما ما وقع في بعض عبارات الفقهاء من لفظ الجور في حق معاوية حيث قال: كان معاوية إماما جائرا فالمراد من الجور عدم صحة خلافته في زمن خلافة سيدنا علي (رضي الله تعالى عنه) لا الجور الذي يكون مآله الفسق والضلال، ولا بد من هذا التاويل ليوافق مع أقوال أهل السنة والجماعة، ومع ذلك فأرباب الاستقامة يجتنبون من إيراد الألفاظ الموهمة خلاف المقصود ولا يجوزون لفظ الخطأ شيئا۔

"اور بہرحال جو بعض فقہا کی عبارات میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں جور کا لفظ واقع ہوا ہے، جیسا کہ انہوں نے لکھا حضرت معاویہ امام جائر تھے تو اس کا معنی یہ ہے کہ ان کی خلافت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے زمانے میں صحیح نہیں تھی، اس سے وہ جور مراد نہیں جس کا انجام فسق وگمراہی ہوتا ہے، فقہا کے اس قول کی تاویل اسی طرح کرنا ضروری ہے تاکہ ان کا قول بقایا اہل سنت کے قول کے موافق ہوجائے، البتہ ارباب استقامت اس طرح کے الفاظ جو مقصود کے خلاف کا وہم پیدا کریں سے بھی اجتناب کرتے

ہیں اور وہ لفظ خطا سے تجاوز نہیں کرتے''۔ (تعلیقات علی ذب ذباب الدرسات)

ہمارے زمانے میں باغی کا اطلاق جائز نہیں

لیکن ہمارے زمانے میں چونکہ باغی کا لفظ معاند وسرکش کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، اور سننے والا اس کا برا معنی ہی سمجھتا ہے اس لیے اس کا اطلاق اب کسی بھی صحابی پر جائز نہیں، اور ایسا بکثرت ہوتا ہے کہ ایک لفظ پہلے استعمال ہوتا ہے لیکن عرف کی وجہ سے اس کے استعمال سے منع کر دیا جاتا ہے، خود موصوف ظہور احمد فیضی کا کلام، حضور علیہ السلام کو اپنا بھائی کہنے کے حوالے سے ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں۔

لفظ ''مکر'' قرآن پاک میں رب عزوجل کی طرف نسبت کرتے ہوئے آیا ہے جس کا ترجمہ ہمارے علما خفیہ تدبیر کرتے ہیں اور یہ معنی شان باری تعالیٰ کے شایاں ہے اور مکر کا یہ معنی عربی زبان میں موجود بھی ہے۔ لیکن اب عربی زبان میں مکر صرف فریب کے لیے استعمال ہونے لگا ہے تو علمانے اس سے منع کر دیا، چنانچہ حضرت صدر الافاضل سید نعیم الدین مرادآبادی رحمہ اللہ تعالیٰ تفسیر خزائن العرفان میں لکھتے ہیں:

> ''لفظ ''مکر'' لغت عرب میں ''ستر'' یعنی پوشیدگی کے معنی میں ہے۔ اسی لیے خفیہ تدبیر کو بھی مکر کہتے ہیں، اور وہ تدبیر اگر اچھے مقصد کے لیے ہو تو محمود اور کسی قبیح غرض کے لیے ہو تو مذموم ہوتی ہے، مگر اردو زبان میں یہ لفظ فریب کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے، اس لیے ہرگز شانِ الٰہی میں نہ کہا جائے گا، اور اب چونکہ عربی میں بھی بمعنی خداع کے معروف ہو گیا ہے، اس لیے عربی میں بھی شان الٰہی میں اس کا اطلاق جائز نہیں، آیت میں جہاں کہیں وارد ہوا وہ خفیہ تدبیر کے معنی میں ہے''۔

اسی طرح باغی کا اطلاق بھی ہمارے زمانے میں جائز نہیں۔ صدر الشریعہ بدر الطریقہ مولانا امجد علی اعظمی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

> ''عرفِ شرع میں بغاوت مطلقاً مقابلۂ امام برحق کو کہتے ہیں، عناداً ہو، خواہ اجتہاداً، ان حضرات (حضرت عائشہ، حضرت طلحہ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم) پر بوجہ رجوع اس کا اطلاق نہیں ہو سکتا، گروہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر حسب اصطلاحِ شرع اطلاق فئہ باغیہ آیا ہے، مگر اب کہ باغی بمعنی مفسد و معاند وسرکش ہو گیا اور دشنام سمجھا جاتا ہے، اب کسی صحابی پر اس کا اطلاق جائز نہیں''۔ (بہار شریعت حصہ ۱ ص ۲۶۰)

الحمد للہ! احبابِ اہل سنت کے لیے بات بالکل واضح ہوگئی کہ اب ان الفاظ کا اطلاق سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا کسی بھی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے نہیں کر سکتے، اس موضوع پر مزید تفصیل ہماری آنے والی کتاب ''شرح حدیث سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول اور اس کا جواب

شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی دو عبارات موصوف فیضی نے نقل کی ہیں ایک عبارت تحفہ اثنا عشریہ کی نقل کی ہے اس کا جواب تیرہویں صدی ہجری کے مجدد تاج الفحول علامہ عبد القادر بدایونی رحمہ اللہ تعالیٰ سے ملاحظہ فرمائیں، آپ ارشاد فرماتے ہیں: ''اگر کوئی یہ کہے کہ تحفہ اثنا عشریہ میں رافضیوں اور اہل سنت کے سلسلہ میں ایک سوال و جواب میں مذکور ہے۔

سوال: جب آپ انہیں باغی و متغلب سمجھتے ہیں تو ان پر لعنت کیوں نہیں کرتے؟

جواب: اہل سنت و جماعت کے نزدیک مرتکب کبیرہ پر لعنت جائز نہیں اور باغی مرتکب کبیرہ ہے اس لئے اس پر لعنت جائز نہیں۔

اس جواب سے ظاہر ہے کہ شاہ صاحب حضرت معاویہ پر اگرچہ لعنت کو جائز نہیں کہتے، مگر ان کو مرتکب کبیرہ ضرور سمجھتے ہیں، جب کہ آپ نے ثابت کیا کہ حضرت معاویہ سے خطائے اجتہادی ہوئی تھی۔

اس شبہہ کا جواب یہ ہے کہ تحفہ اثنا عشریہ میں شاہ صاحب کا تخاطب فرقۂ مخالف ہے، اس لیے اسے مبنی بر تنزل سمجھا جائے گا، ورنہ اس جواب میں جمہور کی مخالفت کے ساتھ ساتھ اپنے والد ماجد شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی کتاب ازالۃ الخفا کی مخالفت بھی لازم آئے گی حالاں کہ آپ تحفہ اثنا عشریہ میں اس کتاب کی تعریف کر چکے ہیں، مثلاً شاہ ولی اللہ دہلوی اپنی کتاب ازالۃ الخفا میں فرماتے ہیں:

> ''حضرت معاویہ مجتہد مخطی ہیں، اور شبہہ سے تمسک کی وجہ سے معذور ہیں، اس پر قصہ اہل جمل کی طرح میزان شرع میں، میں نے بہت واضح دلیل دی ہے''۔

(تصحیح العقیدہ فی باب امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ص ۵۸)

فتاوی عزیزیہ کی عبارت صاحب الاحادیث الموضوعات نے ادھوری نقل کی ہے جس میں محققین اہل حدیث کی عبارت تو نقل کی لیکن اس سے قبل کی عبارت چھوڑ دی وہ عبارت یہ ہے:

''لیکن حضرت معاویہ بن ابی سفیان صحابی ہیں اور آنجناب کی شان میں بعض احادیث بھی وارد

ہیں، آنجناب کے بارے میں علمائے اہلسنت میں اختلاف ہے علمائے ماوراء النہر اور مفسرین اور فقہاء کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حرکات جنگ وجدل جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ہوئیں وہ صرف خطا اجتہادی کی بنا پر تھیں۔''

فیضی صاحب نے یہ عبارت چھوڑ کی اگلی عبارت نقل کر دی جس سے یہ ابہام پیدا کر رہے ہیں گویا شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مرتکب کبیرہ قرار دے رہے ہیں۔ نعوذ باللہ من ذلک!

اس موضوع پر بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے اور لکھا گیا ہے، لیکن عمومی طور پر روافض کے جواب میں لکھا گیا ہے، حیرت ہے ایک شخص اپنے آپ کو سنی کہہ کر صحابۂ کرام علیہم الرضوان کے بارے میں اس طرح کے عقائد رکھتا ہے!

اکابرین اہل سنت کو چاہیے کہ اس شخص سے باز برس کریں اور اس سے سوال کیا جائے کہ آپ سنی ہیں یا نہیں؟ اگر آپ سنی ہیں تو اہلسنت کا مؤقف تو بالکل واضح ہے کہ ان صحابۂ کرام علیہم الرضوان کا ذکر جب بھی کیا جائے گا خیر کے ساتھ کیا جائے گا، جبکہ آپ تو ان لغزشوں کے درپے ہیں وجہ کیا ہے؟

آپ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قول کو جو منافقین کے بارے میں تھا صحابۂ کرام علیہم الرضوان پر منطبق کرنے کی خیانت کیوں کی؟ جبکہ جن کتب سے آپ حوالہ دے رہے ہیں انہی سے واضح ہے کہ یہ قول منافقین کے حق میں ہے۔

حضرت سیدنا مقداد بن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کو ادھورا کیوں نقل کیا اور اس کو صحابۂ کرام علیہم الرضوان پر منطبق کرنے کی خیانت کیوں کی؟ حالانکہ آپ نے خود تاریخ دمشق کا حوالہ دیا اور دیدہ دلیری سے اس کی عبارت نقل ہی نہیں کی جس میں صراحت تھی کہ یہ قول کفار ومشرکین کے بارے میں ہے؟

آپ نے صاحب فتاویٰ نذیریہ نذیر حسین دہلوی غیر مقلد پر جھوٹ کیوں بولا؟ وہاں تو مولوی فصیح کا رد کیا گیا تھا اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذکر کے وقت بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنے پر دلائل دیئے گئے تھے اور آپ نے ان کی طرف یہ منسوب کر دیا کہ انہوں نے منع کیا ہے وجہ کیا ہے؟

آخر ان خیانتوں کی وجہ کیا ہے؟

شخصیات کے بارے میں حدیث کی گھڑنے کی ابتداء

ظہور احمد فیضی نے کتاب میں تسلسل سے اس بات کا اثبات کیا گیا ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں احادیث گھڑی گئیں اور احادیث چونکہ بنوامیہ کے دور میں مدون ہوئیں اس لیے کثیر احادیث گھڑ لی گئیں، گویا کہ کسی اور کے حق میں احادیث اس سے قبل گھڑی ہی نہیں گئی تھیں۔ حالانکہ شخصیات کے حق میں احادیث گھڑنے کی ابتداء روافض کی طرف سے ہوئی، انہوں نے مولائے کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اہل بیت اطہار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے حق میں احادیث گھڑیں، پھر اس کے مقابل میں بعض جہلا نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں احادیث گھڑیں۔

حافظ ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ کتاب الموضوعات میں فرماتے ہیں:

قد تعصب قوم لاخلاق لهم يدعون التمسك بالسنة فوضعوا لأبي بكر فضائل. وفيهم من قصد معارضة الرافضة بما وضعت لعلي عليه السلام. وكلا الفريقين على الخطأ. وذانك السيدان غنيان بالفضائل الصحيحة الصريحة عن استعارة وتخرص. صلوات الله وسلامه عليهما.

''ایک قوم جس کا (آخرت میں) کوئی حصہ نہیں اور دعوی وہ سنت پر عمل کا دعوی کرتے ہیں انہوں نے تعصب کا مظاہرہ کیا، اور حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل میں احادیث گھڑلیں، اور ان میں سے بعض وہ تھے جن کا مقصود ان روافض کا معارضہ کرنا تھا جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں احادیث گھڑی تھیں، یہ دونوں فریق خطا پر ہیں، اور یہ دونوں سردار اپنے حق میں وارد ہونے والے فضائل صحیحہ صریحہ کے سبب اس استعارے اور اندازے سے غنی ہیں، اللہ تعالیٰ کی ان دونوں پر سلامتی اور رحمتیں ہوں''۔

(کتاب الموضوعات ج ۲ ص ۴۰ باب في فضل أبي بكر الصديق)

دکتور عجاج الخطیب لکھتے ہیں:

قال ابن أبي الحديد في شرح نهج البلاغة: إن أصل الأكاذيب في أحاديث الفضائل كان من جهة الشيعة. فإنهم وضعوا في مبدإ الأمر أحاديث مختلفة في صاحبهم حملهم على وضعها عداوة خصومهم. فلما رأت البكرية ما صنعت الشيعة وضعت

لصاحبها أحاديث فى مقابلة هذه الأحاديث.

''ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں لکھا ہے: فضائل کی احادیث میں جھوٹ کی بنیاد شیعوں کی طرف سے تھی، کیونکہ انہوں نے اپنے صاحب (مولائے کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے حق میں معاملہ کی ابتداء میں احادیث گھڑیں، ان کو اس وضعِ حدیث پر اپنے مخالفین کی عداوت نے ابھارا، جب بکریہ (حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چاہنے والوں) نے شیعوں کی یہ حرکت دیکھی تو انہوں نے اپنے صاحب (حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے لیے ان احادیث کے مقابلے میں احادیث گھڑ لیں''۔ (السنۃ قبل التدوین ص ۱۲۹)

کس کے بارے میں سب سے زیادہ احادیث گھڑی گئیں؟

اس کثرت میں اہل کوفہ نے سب کو پیچھے چھوڑ دیا اور تین لاکھ سے زیادہ احادیث مولائے کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اہل بیت اطہار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے فضائل میں گھڑ ڈالیں۔

امام ابو یعلی الخلیلی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

قال بعض الحفاظ تأملت ما وضعه أهل الكوفة فى فضائل على وأهل بيته فزاد على ثلاثمائة ألف.

''بعض حفاظ نے یہ بیان کیا میں نے اہل کوفہ کی فضائلِ حضرت علی و اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین میں گھڑی ہوئی احادیث میں غور کیا تو ان کو تین لاکھ سے زیادہ پایا''۔

(الارشاد في معرفة علماء الحديث ج ۱ ص ۴۲۰ رقم ۱۰۶)

امام اہلسنت اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''جس طرح روافض نے فضائل امیر المؤمنین واہل بیت طاہرین رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں قریب تین لاکھ حدیثوں وضع کیں۔

كما نص عليه الحافظ أبو يعلى الخليلى فى الإرشاد یونہی نواصب نے مناقب امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں احادیث گھڑیں كما أرشد إليه الإمام الذاب عن السنة أحمد بن حنبل رحمه الله تعالى (فتاوی رضویہ ج ۵ ص ۴۶۱)

ان عبارات سے واضح ہوگیا کہ احادیث گھڑنے کی ابتداء روافض کی طرف سے ہوئی جس کے مقابل

بعض جہلا نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں احادیث گھڑیں، لیکن یہ دونوں گروہ غلط تھے، روافض نے تین لاکھ احادیث اہل بیت اطہار کے حق میں گھڑیں، تو نواصب نے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں احادیث گھڑیں، اس امر کے باطل ہونے میں بھی کوئی شک نہیں۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے جس طرح قرآن مجید کی حفاظت فرمائی ہے یونہی اس امت میں ایسے رجال پیدا کیے جنہوں نے حدیث کی حفاظت کے لیے اپنی زندگیاں وقف کردیں، ہر طرح کے آرام کو ایک طرف رکھ کر مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک کے سفر اختیار کیے، سخت مشکلات اور مال وخوراک کی کمی کا سامنا کیا لیکن احادیث طیبہ کے حصول وحفاظت میں ذرہ برابر سستی کوتاہی نہ برتی، یہ محدثین وہ ہیں کہ اگر حدیث میں ایک حرف بڑھا دیا جائے یا گھٹا دیا جائے تو اس کے بارے میں بتادیتے ہیں کہ یہاں یہ حرف بڑھا ہے اور یہاں یہ حرف گھٹا ہے۔ ان حضرات کے حالات اور ان کے اقوال سے کتب سیر مالا مال ہیں۔

لہٰذا جس طرح محدثین نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل میں گھڑی گئی احادیث کی نشاندہی کردی، اسی طرح سیدنا علی المرتضی کرم اللہ تعالیٰ وجھہ کے فضائل میں گھڑی احادیث کو بھی جدا کردیا، بالکل اسی طرح وہ احادیث جو سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں گھڑی گئیں ان کی تحقیق اپنی کتب میں کر کے علیحدہ کردیا۔

جس طرح دیگر کے حق میں صحیح، حسن، ضعیف احادیث تھیں، ان کے بارے میں ہماری رہنمائی کی، اسی طرح وہ احادیث جو سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل میں تھی اور درجۂ حسن تک پہنچتی تھیں یا ضعیف تھیں ان کی بھی نشاندہی فرمادی۔ جزاھم اللہ عنا خیر الجزاء۔

کسی کے حق میں حدیث کا گھڑا جانا کس بات کو لازم ہے؟

ہماری اس بیان کردہ تفصیل سے واضح ہوگیا کہ کسی کے حق میں احادیث گھڑنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کے حق میں جو حدیث آئے گی وہ موضوع ہی ہوگی، ورنہ تو سیدنا صدیق اکبر و سیدنا علی المرتضی و اہل بیت اطہار رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے حق میں بیان کردہ تمام احادیث بھی موضوع قرار پائیں اور ظاہر ہے اس کا کوئی بھی قائل نہیں۔

اپنے بیان کردہ قاعدے کے مطابق فیضی صاحب خود خائن ہیں۔
کیا احادیث صرف امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں گھڑی گئی ہیں؟ جب ایسا نہیں ہے تو پھر

ایسا تأثر دینا موصوف فیضی کے نزدیک خیانت قرار پاتا ہے، اپنی کتاب شرح اسنی المطالب میں موصوف نے خود لکھا ہے:

''احقر عرض کرتا ہے کہ احادیث موضوعہ ہر باب میں اور ہر خلیفہ راشد وغیر راشد کے متعلق پائی جاتی ہیں، عوام الناس کو یہ تأثر دینا کہ فقط مولی علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہی شان میں احادیث گھڑی گئیں، دیانت داری نہیں ہے''۔ (شرح اسنی المطالب ص ۴۳)

یہاں موصوف اپنی گندی سوچ کا ایک بدبودار اثر چھوڑ کر گئے ہیں، اس پر فی الوقت تو ہم گفتگو نہیں کرتے، لیکن ان کے اس قول سے واضح ہوگیا کہ یہ خود دیانت دار نہیں (اور ویسے بھی نہیں ہیں ماقبل میں آپ کچھ نمونے ملاحظہ کر چکے ہیں اور آگے بھی دیکھیں گے) کیونکہ موصوف مسلسل یہ تأثر دیتے رہے ہیں کہ گویا صرف فضائل امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں احادیث گھڑی گئی ہیں۔

فضائل سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی احادیث کے حوالے سے موصوف کی عبارت ایک بار پھر ملاحظہ فرمائیں لکھتے ہیں:

''ماہرین علم حدیث بھی دھوکہ کھا گئے جہاں حکومتی پروپیگنڈا، لالچ اور دباؤ سب چیزیں جمع ہوجائیں تو وہاں مفاد پرست لوگوں کو اپنے اپنے جوہر دکھلانے اور قیمت پانے کے مواقع خوب میسر آتے ہیں، چنانچہ اس دور کے مفاد پرستوں نے ایسی چالاکی سے احادیث وضع کیں اور ان کو من گھڑت متنوں پر چڑھایا کہ علم حدیث کے جہابذہ اور نباز حضرات بھی دھوکہ کھا گئے، ان کی پرکھنے کی صلاحیت جواب دے گئی اور وہ کھوٹے سکے کو قبول کرکے اپنی عظیم الشان کتب میں درج کر گئے۔۔۔الخ''۔ (الاحادیث الموضوعات ص ۲۸)

موصوف نے یہ ساری تمہید صحیح مسلم کی حدیث پر طعن کرنے کے لیے باندھی ہے، اس کا جواب دینے سے قبل ہم آپ کو موصوف کی دیانت، اور فن حدیث کی صلاحیت کا فی الوقت ایک نمونہ دکھاتے ہیں۔

موصوف نے شان امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں احادیث کی کثرت کی وجہ یہ بیان کی کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اقتدار میں رہے، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کے بعد بنو امیہ کے اقتدار کی وجہ سے آپ کی شان میں احادیث گھڑی جاتی رہیں، اور دوسری طرف ایسی ہستیوں کے خلاف احادیث گھڑی جاتی رہیں جو ان کے اقتدار کے لیے مضر سمجھی جاتی تھی۔ پھر موصوف لکھتے ہیں:

''ان دونوں صورتوں کا ذکر امام ذہبی نے یوں فرمایا ہے۔

وخلف معاوية خلق كثير يحبونه ويتغالون فيه، ويفضلونه، إما قد ملكهم بالكرم والحلم والعطاء، وإما قد ولدوا في الشام على حبه، وتربى أولادهم على ذلك... ونشؤوا على النصب نعوذ بالله من الهوى

معاویہ کے پیچھے کثیر مخلوق ایسی رہی جو اس سے محبت کرتی، اس کے بارے میں غلو کرتی اور اُس کو فضیلت دیتی تھی، یا تو اس لیے کہ اُنہوں نے اُن پر سخاوت، حلم اور عطاء سے سے بادشاہی کی تھی اور یا اس لیے کہ وہ میں اُس کی محبت پر پیدا ہوئے اور اُن کی نشوونما ناصبیت (دشمنیٔ اہل بیت) پر ہوئی ہم خواہش نفس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتے ہیں''۔

(الاحادیث الموضوعات ص ۲۵۔۲۶)

اوّلاً: اس عبارت میں کہاں لکھا ہے کہ یہ لوگ احادیث گھڑتے تھے؟

ثانیاً: ان کی خیانت دیکھیں درمیان میں جو آپ نقطے دیکھ رہے ہیں یہاں سے یہ عبارت اڑا دی:

وفيهم جماعة يسيرة من الصحابة، وعدد كثير من التابعين والفضلاء، وحاربوا معه أهل العراق،

''ان میں صحابہ کی مختصر جماعت بھی تھی اور تابعین اور فاضل لوگوں کی بہت بڑی تعداد تھی جنہوں نے ان کے ساتھ اہل عراق سے جنگ کی''۔

جی جناب اب ان صحابہ کرام علیہم الرضوان پر آپ کے نکالے گئے مفہوم کے مطابق کیا الزام آتا ہے؟ یہی نہ کہ یہ بھی احادیث گھڑتے تھے! لیکن آپ کو اس کی کیا پرواہ آپ کا مقصد اس کتاب سے یہی واضح ہے۔ البتہ آپ کی خیانت خوب کھل کر سامنے آ رہی ہے۔

ذرا آگے پڑھیں امام ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ اس کے بعد کیا فرما رہے ہیں:

كما قد نشأ جيش علي رضي الله تعالىٰ عنه، ورعيته - إلا الخوارج منهم - على حبه والقيام معه، وبغض من بغى عليه والتبري منهم، وغلا خلق منهم في التشيع.

''اسی طرح حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لشکر اور رعیت۔ خارجیوں کے علاوہ۔ نے آپ کی محبت، آپ کے ساتھ رہنے، آپ سے بغاوت کرنے والے سے بغض اور براءت کا

اظہار کرنے پر نشو ونما پائی ہے، انہی (جیشِ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) میں سے ایک تعداد نے تشیع میں غلو کیا۔''

فرمائیں جو معاملہ وہاں تھا وہی معاملہ امام ذہبی کے بقول یہاں تھا اور آپ وہاں اس سے احادیث کا گھڑنا مراد لے رہے ہیں، تو یہاں بھی یہی مراد لیں گے؟

حافظ ذہبی مزید لکھتے ہیں:

فبالله كيف يكون حال من نشأ فى إقليم لا يكاد يشاهد فيه إلا غاليا فى الحب، مفرطا فى البغض، ومن أين يقع له الانصاف والاعتدال؟

''اللہ کی قسم! ایسے شخص کا کیا بنے گا جس نے ایسے علاقے میں پرورش پائی ہو کہ جہاں اس نے محبت میں غلو اور بغض میں افراط کا ہی مشاہدہ کیا ہو۔ ایسے کے لیے انصاف اور اعتدال کہاں سے آئے گا؟''

اس کے بعد امام ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ کیا خوب ارشاد فرماتے ہیں:

فنحمد الله على العافية الذى أوجدنا فى زمان قد انمحص فيه الحق، واتضح من الطرفين، وعرفنا مآخذ كل واحد من الطائفتين وتبصرنا، فعذرنا، واستغفرنا، وأحببنا باقتصاد، وترحمنا على البغاة بتأويل سائغ فى الجملة، أو بخطأ إن شاء الله مغفور، وقلنا كما علمنا الله (ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذين سبقونا بالايمان ولا تجعل فى قلوبنا غلا للذين آمنوا) (الحشر:10)

''ہم عافیت پر اللہ کی حمد کرتے ہیں کہ جس نے ہمیں ایسے زمانے میں پیدا فرمایا ہے کہ جس میں حق روشن ہے، دونوں گروہوں کے راستے واضح ہیں۔ ہم نے دونوں میں سے ہر ایک کے ماخذ پہچانے، خوب شناخت کی تو ہم نے براءت کی راہ لی اور مغفرت طلب کی، میانہ روی کو پسند کیا، ہم نے فی الجملہ جائز تاویل کرکے یا خطا کار قرار دے کر باغیوں کے لیے دعائے رحمت کی، ان شاء اللہ وہ مغفور ہیں، ہم اسی طرح کہتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے ہمیں سکھایا ہے: اے ہمارے رب ہمیں بخش دے اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لائے اور ہمارے دل میں ایمان والوں کی طرف سے کینہ نہ رکھ''۔

وترضينا أيضا عمن اعتزل الفريقين، كسعد بن أبي وقاص، وابن عمر، ومحمد بن مسلمة، وسعيد بن زيد، وخلق.

''ہم ان سے بھی راضی ہیں جو ان دونوں گروہوں سے جدا رہے جیسے سعد بن ابی وقاص، ابن عمر، محمد بن مسلمہ، سعید بن زید اور ایک بڑی تعداد، رضی اللہ تعالیٰ عنہم''۔

وتبرأنا من الخوارج المارقين الذين حاربوا عليا، وكفروا الفريقين. فالخوارج كلاب النار، قد مرقوا من الدين، ومع هذا فلا نقطع لهم بخلود النار، كما نقطع به لعبدة الأصنام والصلبان.

''ہم حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جنگ کرنے والے خوارج اور دونوں گروہوں کو کافر قرار دینے والوں سے براءت کا اظہار کرتے ہیں، خوارج تو جہنمی کتے ہیں، وہ دین سے نکل چکے ہیں اس کے باوجود ہم بت پرستوں اور صلیبیوں کی طرح قطعی طور پر ان کے ہمیشہ جہنم میں رہنے کا قول نہیں کرتے۔ (سیر أعلام النبلاء) ج ۳ ص ۱۲۸)

اب ذرا موصوف فیضی کی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

''میں نے اس تحریر میں اعتدال وتوازن کو قائم رکھنے کی کوشش کی ہے، کسی عبارت کو سیاق وسباق سے ہٹا کر نہیں لکھا، ڈنڈی نہیں ماری اور میرے مؤقف کے خلاف میرے سامنے کوئی مواد آیا تو اس سے آنکھیں نہیں چرائیں بلکہ اسے نقل کر کے اس کا جواب لکھا ہے، اظہار دلائل اور احقاق حق میں میں نے یہ پروا نہیں کی کہ فلاں بات عوام یا جاہل مبلغین ومقررین کے اکثریتی نظریے کے خلاف ہے لہٰذا اس کے اظہار میں اجتناب چاہیے۔''

(الاحادیث الموضوعات ص ۱۰)

جی مولوی صاحب! یہ عبارت تو آپ کے مؤقف کے صریح خلاف ہے، آپ نے یہاں عبارت کے درمیان ڈنڈی بھی ماری، اور اگلی عبارت اصلا نقل ہی نہیں کی جس سے آپ کے باطل نظریہ پر ڈنڈے کی ضرب پڑ رہی تھی۔

بغض حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں فیضی کو سب قبول ہے

موصوف حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں ابو قیس الاودی کا ایک قول الاستیعاب

سے نقل کرتے ہیں:

أدركت الناس وهم ثلاث طبقات: أهل دين يحبون علياً وأهل دنيا يحبون معاوية وخوارج.

اس کا ترجمہ کرتے ہیں: میں نے لوگوں کو تین طبقات میں پایا، اہل دین سیدنا علی المرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے محبت رکھتے ہیں، اہل دنیا معاویہ کو چاہتے ہیں، اور تیسرا طبقہ خوارج [سفہاء یعنی بے وقوفوں] کا ہے۔'' (الاحادیث الموضوعات ص۲۶۔۲۷)

میں آپ سے پوچھتا ہوں کیا سند کی تحقیق صرف اس مقام پر ہوگی جہاں سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل بیان کیے جائیں؟ جہاں نقص کا کوئی شائبہ بھی ہو وہاں تحقیق کی کوئی حاجت نہیں رہتی؟ اس قول کی سند استیعاب میں یہ ہے:

حدثنا خلف بن قاسم، حدثنا عبد الله بن عمر، حدثنا أحمد بن محمد بن الحجاج حدثنا يحيى بن سليمان الجعفي، حدثنا حفص بن غياث، حدثنا الثوري عن أبي قيس الأودي. (الاستيعاب في معرفة الاصحاب) ج ۳ ص ۱۱۱۵)

اس کی سند میں راوی عبداللہ بن عمر بن اسحاق بن معمر ہے یہ مجہول راوی ہے۔

دوسرے راوی ہیں احمد بن محمد بن الحجاج، ان کے بارے میں ابن ابی حاتم لکھتے ہیں:

روى عن عمرو بن خالد، ويحيى بن بكير، وابن أبي مريم، سمعت منه بمصر ولم أحدث عنه لما تكلموا فيه

''انہوں نے عمرو بن خالد، یحیی بن بکیر اور ابن ابی مریم سے روایت کیا، میں نے مصر میں ان سے سماعت کی، لیکن میں ان سے حدیث بیان نہیں کرتا اس لیے کہ محدثین نے ان کے بارے میں کلام کیا ہے''۔ (الجرح والتعدیل) ج ۲ ص ۲۹ رقم ۱۵۳)

حافظ ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

قال ابن عدي: كذبوه وأنكرت عليه أشياء.

''ابن عدی نے کہا ہے کہ علما نے اس کو جھٹلایا، اور اس پر کئی احادیث کا انکار کیا''۔

(الضعفاء والمتروکین) ج ۱ ص ۸٤ رقم ۲۳۹)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

قال ابن عدی: یکتب حدیثه مع ضعفه

''ابن عدی کہتے ہیں اس کی حدیث اس کے ضعف کے باوجود لکھی جائے گی''۔

(المغني في الضعفاء) ج۱ ص ۸۷ رقم ۴۱۳)

سند کے اعتبار سے اس قول کا ضعیف ہونا آپ نے ملاحظہ فرمالیا، اگر اس قول کو صحیح مان بھی لیا جائے تو بھی یہ واقعتاً باطل ہے، اس لیے کہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے محبت کرنے والے صحابۂ کرام علیہم الرضوان، تابعین عظام رحمہم اللہ تعالیٰ ہیں۔

بلکہ خود اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان سے محبت فرماتے ہیں۔ جیسا کہ آگے حدیث آتی ہے۔

فن حدیث میں موصوف کی حیثیت تو ان شاء اللہ عزوجل وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتی رہے گی، اب جس مقصد کے لیے موصوف نے تمہید باندھی تھی اس کا جائزہ لے لیتے ہیں۔

صحیح مسلم پر طعن کا جواب

موصوف لکھتے ہیں:

''آپ حیران ہوں گے پہلے بادشاہ کی شان میں بعض احادیث صحیح مسلم میں بھی گھس گئیں، اس حدیث کی وجہ سے تب سے اب تک محدثین کرام مضطرب ہیں۔ ذرا آئیں آپ بھی یہ تماشا ملاحظہ فرمائیں۔۔۔۔۔الخ''۔ (الاحادیث الموضوعات ص ۲۸)

پھر انہوں نے مسلم کی شریف کی حدیث مبارکہ نقل کی ہے جس میں حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی:

''یارسول اللہ! مجھے تین چیزیں عطا فرمادیں، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہاں، انہوں نے عرض کی: میری بیٹی ام حبیبہ عرب کی سب سے حسین وجمیل عورت ہے میں اس کا نکاح آپ سے کرتا ہوں، ارشاد فرمایا: ہاں۔ عرض کی: اور معاویہ کو اپنے حضور کا تب مقرر کرلیں، فرمایا: ہاں، آپ مجھے لشکر پر امیر مقرر کریں تاکہ میں کفار سے اسی طرح قتال کروں جس طرح مسلمانوں سے قتال کرتا تھا، فرمایا: ہاں''۔ (صحیح مسلم ص ۱۱۶۸ رقم ۲۵۰۱)

مسلم شریف کی اس حدیث پر دو طرح کلام کیا گیا ہے، ایک ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے سند کے اعتبار سے کیا، اور دوسرا اعتراض یہ ہے کہ سیدتنا ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح تو فتح مکہ سے پہلے ہو چکا تھا، لہٰذا یہاں حضرت ابو سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نکاح کے لیے عرض کرنا کیسے درست ہوسکتا ہے۔؟

پہلے اعتراض کی تفصیل حافظ ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ بیان فرماتے ہیں: ''اس میں وہم کی نسبت عکرمہ بن عمار کی طرف ہے اور یحیی بن سعید نے اس کی احادیث کو ضعیف کہا ہے، امام احمد بن حنبل نے بھی اسی طرح کہا ہے، امام مسلم نے اس سے فقط اس لیے روایت کیا ہے کہ یحییٰ بن معین نے اس کے بارے میں کہا ہے وہ ثقہ ہے۔ (ملخص از جامع المسانید والسنن ج ۴ ص ۱۴۰)

باعتبار سند کے تو اس حدیث پر اعتراض ہی فضول ہے، حافظ ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ کہنا کہ امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان کی احادیث فقط اس لیے لے لیں کہ یحییٰ بن معین نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے، اور یہ طعن کہ ان کی احادیث کو یحییٰ بن سعید نے ضعیف قرار دیا ہے باطل ہے، اس لیے کہ ان کی توثیق صرف یحییٰ بن معین نے نہیں کی بلکہ امام عجلی، امام ابو داود، امام نسائی، امام احمد، علی بن محمد طنافسی، امام دارقطنی، یعقوب بن شیبہ، ابن شاہین اور احمد بن صالح وغیرہ نے کی ہے ان میں بعض نے یہ صراحت کی ہے کہ یحیی بن ابی کثیر سے روایت میں ان میں اضطراب پایا جاتا ہے، جبکہ صحیح مسلم کی اس روایت میں یہ ابو زمیل سے روایت کر رہے ہیں نہ کہ یحییٰ بن ابی کثیر سے۔ (تاریخ یحیی بن معین روایۃ الدوری ج ٤ ص ١٢٣ رقم ٣٤٩٤، الثقات للعجلی ج ٢ ص ١٤٤ رقم ١٢٧١، سؤالات الاجری لأبی داود ص ٢٦٤ رقم ٣٦١، تاریخ أسماء الثقات لابن شاھین ص ٢٤٠ رقم ١١٠٤، تھذیب التھذیب ج ٥ ص ٦٢٨-٦٣٠ رقم ٤٨١١)

ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ کا دوسرا یہ اعتراض اپنی جگہ درست ہے کہ اس حدیث میں نکاح کرنے کا عرض کیا ہے، جبکہ نکاح تو باتفاق اہل سیر حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایمان لانے سے بہت پہلے ہو چکا ہے، لیکن اس پر گزارش یہ ہے کہ کیا یہ پہلی حدیث ہے جس کے معنی پر اشکال وارد ہوا ہو، کیا اشکالات کی وجہ سے حدیث کو موضوع قرار دے دیا جاتا ہے؟ یا اس کی ممکنہ تاویل کی جاتی ہے، ظاہر ہے تاویل ہی کی جاتی ہے اگر اس طرح حدیث کو رد کرنے کا دروازہ کھول دیا جائے گا تو ہر ایک اپنی درایت سے احادیث کا انکار کرتا پھرے گا۔

یہاں علما نے حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کی ایک سے زائد تاویل کی ہیں، کہ اس سے

مراد ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تجدید نکاح کی درخواست تھی، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نعم یعنی ہاں فرمانے کا معنی یہ ہے کہ میں ان سے نکاح کر چکا ہوں اس کے علاوہ اور کئی معنی اس کے بیان کیے گئے ہیں۔

موصوف فیضی نے اس پر بارہ شارحین کے قول نقل کیے اور لکھا:

''یاد رہے کہ اس حدیث کو موضوع قرار دینے والے یہ بارہ علماء اسلام ہیں۔''

(الاحادیث الموضوعات ص ۳۳)

موصوف نے ان بارہ میں زبردستی امام محمد بن فتوح الحمیدی، امام قاضی عیاض مالکی اور امام ذہبی رحمہم اللہ تعالیٰ کو بھی داخل کرلیا حالانکہ ان حضرات نے یہ لکھا ہے کہ اس میں غرابت ہے، منکر ہے، اور بعض رواۃ کو اس میں وہم ہوا ہے۔ اور اہل علم بخوبی جانتے ہیں کہ یہ الفاظ موضوع ہونے پر دلالت نہیں کرتے، اگر غرابت ونکارت دور ہوجائے تو حدیث صحیح قرار پائے گی اور ائمہ اسلام نے اس نکارت اور غرابت کو دور ہی فرمایا ہے۔

اب بچے 9 شارحین تو ان 9 میں سے ابن حزم ظاہری، ابن قیم ظاہری المذہب، صدیق حسن قنوجی غیر مقلد، صفی الرحمن مبارکپوری غیر مقلد شامل ہیں، ان کی کوئی بات ہم پر اصلا حجت نہیں ہے، نیز ابن قیم کا کلام ہم ابھی دکتور خلیل ملا خاطر کے حوالے سے نقل کررہے ہیں جس میں خود ابن قیم نے اس حدیث کی تاویل کی ہے۔ باقی پانچ میں سے تین معاصرین ہیں جن کے عقائد ونظریات کا کچھ معلوم نہیں، ان کی بات ہم پر حجت نہیں نیز انہوں نے جس بات کو دلیل بنایا ہے کہ نکاح تو پہلے ہوچکا تھا اب نکاح کی التماس کرنا اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا قبول کرنا کیسے ہوسکتا ہے؟ اس کا جواب محدثین ذکر کرچکے ہیں۔

موصوف مختلف ائمہ کے اقوال نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''اس طلقاء خاندان کے فضائل کے اثبات یا صحیح مسلم کی صحت پر اصرار کے باعث بعض لوگوں سے بارگاہ نبوی کی اہانت بھی ہوگئی اور انہوں نے یہاں تک لکھ دیا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے تجدید نکاح فرمایا ہوگا ہر چند کہ یہ گستاخانہ بات ہمارے دور میں بھی لکھی اور کہی جارہی ہے، لیکن میں کسی معاصر کا نام لکھنا مناسب نہیں سمجھتا کہ لوگ انا کا مسئلہ بنا کر

باطل پر ڈٹ جاتے ہیں اور ایسی بات کسی تنظیم سے شائع شدہ کتاب میں لکھی گئی ہو تو پھر رجوع کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ تنظیم والوں کو دین سے زیادہ تنظیم محبوب ہوتی ہے، اس لیے کسی شخص یا تنظیم کا نام لیے بغیر علامہ ابن قیم کے الفاظ نقل کرنا مناسب سمجھتا ہوں وہ لکھتے ہیں: ایک گروہ نے کہا: بلکہ ابو سفیان نے آپ صل اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے دل کی تسلی کے لیے تجدید نکاح درخواست کی تھی، کیونکہ آپ نے ام حبیبہ کے ساتھ ان کی مرضی کے بغیر شادی کی تھی، یہ باطل ہے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں یہ تصور کی جاسکتا ہے نہ یہ ابو سفیان کی عقل کے لائق ہے اور ان ہی باتوں میں سے کچھ ہوا۔۔۔''

(الاحادیث الموضوعات ص ۳۲)

حالانکہ اس حدیث کی تاویل خود موصوف کے بقول امام بیہقی اور امام منذری رحمہا اللہ تعالیٰ نے بھی کی ہے، تو کیا یہ دونوں حضرات بھی اسی اہانت کے مرتکب ہوئے ہیں؟ نیز اس حدیث کی تاویل امام ابن الصلاح، امام نووی، علامہ جلال الدین سیوطی اور علامہ سید غلام رسول سعیدی صاحب رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی کی ہے، کیا ان تمام پر بھی یہی حکم ہے؟ یا یہ صرف ایک تنظیم کے افراد کے لیے خاص ہے؟

دوسری بات تاویل یہ نہیں کی گئی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے تجدید نکاح فرمایا ہوگا، بلکہ تاویل یہ کی گئی ہے کہ حضرت ابو سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تجدید نکاح کے لیے گزارش کی ہے۔

ہم امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ کے معصوم ہونے یا صحیح مسلم کی عصمت کا اعتقاد نہیں رکھتے، ہمارے نزدیک تو صرف انبیاء کرام علیہم السلام اور فرشتے معصوم ہیں، لیکن اپنی ہوس کے لیے صحیح مسلم کیا کسی بھی کتاب کی حدیث ثابت کو موضوع قرار دینا ہمارا مشرب نہیں۔

دکتور خلیل ملا خاطر کی تحقیق

مسلم شریف کا ایک نسخہ جو حافظ ابن الطرقی الاصبہانی متوفی ۴۸۶ھ کے خط سے لکھا ہوا ہے، اس کی تصویر دار الحدیث الکتانیہ نے شائع کی ہے، اس میں اس حدیث مبارک پر تعلیق ہے جس سے ظاہر ہے امام حمیدی رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول بعض الحفاظ سے مراد ابن حزم ہے، میرے اندازے میں بھی تھا کہ اس حدیث کو موضوع کہنے کی ابتداء کرنے والا یہ ابن حزم ظاہری ہی ہوگا، مصر کے ایک محقق ہیں دکتور خلیل ملا خاطر ان کی دو کتابوں کا ترجمہ فیضی کے ولی نعمت مفتی خان قادری نے کیا اور کروایا ہے اور اس پر ان کی

تائید کے ساتھ مصنف کے حالات لکھے گئے ہیں جس میں ان کو اس زمانے کا زبردست محقق محدث قرار دیا گیا ہے۔

انہی دکتور خلیل ملا خاطر کی کتاب ہے ''مکانۃ الصحیحین''، اس کتاب میں انہوں نے اس حدیث پر بھی بہت تفصیل سے کلام کیا ہے، دکتور ملا خاطر نے اس حدیث پر کئی صفحات لکھے ہیں اور اس حدیث کو موضوع کہنے والا ابن حزم ہی کو بتایا ہے اور اس کی اس غلطی کو دلائل کے ساتھ واضح کیا ہے۔

اوپر جو موصوف ابن قیم کے حوالے سے الزام لگاتے رہے کہ اس حدیث کی تاویل کر کے بعض لوگ اس خاندان کی محبت کی وجہ سے توہین کے بھی مرتکب ہو گئے دکتور ملا خاطر نے زاد المعاد کے حوالے سے لکھا ہے کہ ابن قیم نے خود اس حدیث کی ایک اور تاویل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے سوالات میں سے بعض چیزیں عطا فرمائیں تھی جیسا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کاتب بنانا۔ اب موصوف نہ جانے سید دکتور ملا خلیل خاطر پر کیا حکم لگاتے ہیں جو موصوف کے محقق العصر مفتی خان قادری کے مطابق حدیث میں ید طولیٰ رکھتے ہیں۔

بلا تبصرہ

مسلم شریف کی ایک حدیث جس میں مولائے کائنات مولا مشکل کشا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت ہے اس پر ایک ناصبی کے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے موصوف اپنی ایک کتاب میں خود لکھتے ہیں: ''امام ابن عبد البر، امام ابن اثیر الجزری، امام نووی شافعی، امام صالحی، حافظ ابن حجر عسقلانی اور علامہ ابو الحسن علی ندوی کی تحقیق سے اور امام مسلم کی تصریح سے ثابت ہوا کہ مرحب یہودی کو حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قتل کیا تھا۔ انصاف سے بتلایئے! کیا یہ سب حضرات شیعہ تھے؟ اور کیا یہ اس بات سے بے خبر تھے کہ صحیح مسلم کی حدیث میں کوئی شیعہ یا ضعیف اور غیر ثقہ راوی گھسا ہوا؟ اگر محمود احمد ظفر کو شیعہ حضرات پر غصہ ہے، یا ان سے نفرت ہے تو کیا اس بات کا ثبوت فراہم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ صحیح احادیث کا ہی انکار کر دیا جائے حتی کہ صحیح مسلم پر بھی ہاتھ صاف کر دیئے جائیں؟

(شرح خصائص علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ص ۱۴۳۔۱۴۴)

امام اسحاق بن راھویہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کا تفصیلی بیان

موصوف ظہور فیضی لکھ چکے ہیں کہ احادیث میں اعتبار محدثین کے قول کا ہوگا لیکن ان کے نزدیک

ایک شرط اس میں یہ ہے کہ اگر حدیث سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل پر مشتمل ہوگی تو اس میں محدثین کا نہیں، بلکہ ان کے اپنے بنائے ہوئے اصول کا اعتبار ہوگا۔ لکھتے ہیں:

''اکثر محدثین تو وہ ہیں جنہوں نے فضائل معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی احادیث کو مسترد کردیا جبکہ محدثین کا دوسرا گروہ دھوکہ کھا گیا جیسا کہ سنن ترمذی میں ایسی باطل روایات کا داخل ہوجانا۔'' (الاحادیث الموضوعات ص ۳۴) (پہلے مسلم شریف پر ہاتھ صاف اب جامع ترمذی بھی گئی آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا)

پہلے گروہ کے سرخیل موصوف کے نزدیک امام اسحاق بن راھویہ رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں، جن کا یہ قول معروف ہے کہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے۔

امام اسحٰق بن راھویہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس قول پر مفتی حسان عطاری صاحب کی تحقیق انیق پیش خدمت ہے:

''اقول وباللہ التوفیق! اوّلاً: امام اسحاق بن راھویہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف اس قول کی نسبت پر بعض علما نے کلام کیا ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ اس کی سند میں راوی ہیں یعقوب بن یوسف بن معقل ہیں جو امام اسحاق بن راھویہ سے روایت کرتے ہیں اور یعقوب سے ان کے بیٹے ابو العباس محمد بن یعقوب روایت کرتے ہیں، ابو العباس محمد بن یعقوب تو ثقہ ضابط راوی ہیں لیکن ابو الفضل یعقوب بن یوسف کے بارے میں بعض معاصرین نے لکھا کہ یہ مجہول الحال ہیں، وجہ اس کی یہ ہے کہ ان کا ترجمہ یعنی حالات زندگی انتہائی اختصار کے ساتھ ملتے ہیں، خطیب بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فقط اتنا لکھا: قدم بغداد وحدث بها عن إسحاق بن راهوية، روى عنه محمد بن مخلد. جبکہ امام ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تاریخ اسلام میں ان کے بعض اساتذہ اور بعض تلامذہ کا تذکرہ کیا اور اتنا لکھا: لوگوں میں سب سے بہترین خط ان کا تھا اور اجرت پر بکثرت لکھا کرتے تھے۔ اسی طرح علامہ ابن منظور نے مختصر تاریخ دمشق میں ان کے خط کے بہترین ہونے کو حاکم کے حوالے سے لکھا ہے اور حافظ ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں اتنا لکھا کہ یہ اپنے بیٹے محمد بن یعقوب کی مسموعات کو محفوظ رکھا کرتے تھے۔

(تاریخ بغداد، ج ١٤ ص ٢٨٦ رقم ٧٥٨٢ طبع دار الکتب العلمیۃ) (تاریخ دمشق، ج ٥٦ ص ٢٨٧) (مختصر تاریخ دمشق ٢٨ صفحہ ٥٣ طبع دار الفکر) (تاریخ الاسلام ج ٢٠ ص ٤٩٦ طبع دار الکتاب العربي)

شاید یہی وجہ ہے کہ حافظ ابن حجر ہیتمی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تطہیر الجنان میں امام اسحاق بن راھویہ کی طرف اس قول کی نسبت میں ان الفاظ کے ساتھ شک کا اظہار فرمایا ہے: بتقدیر صحته۔

(تطہیر الجنان ص ٤٤، طبع دار الصحابة طنطا)

لیکن تلاش کے دوران مجھے امام ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ کے یہ الفاظ ملے ہیں جو ان کے بیٹے محمد بن یعقوب کے نسب کو بیان کرتے ہوئے انہوں نے لکھے ولد المحدث الحافظ نیز اخیر میں یہ الفاظ لکھے ہیں: وكان ذا معرفة وفهم۔ (سیر أعلام النبلاء ج ١٥ ص ٤٥٣ رقم ٢٥٨)

یہ الفاظ یا تو معاصرین کی نظر سے گزرے نہیں یا پھر یہ ان کے نزدیک تعدیل نہیں کیونکہ یعقوب بن یوسف کے معاصرین یا قریبی ائمہ میں سے کسی سے ان کے بارے میں جرح وتعدیل مل نہیں سکی۔

واللہ تعالیٰ اعلم!

یعقوب بن یوسف سے اسے امام حاکم نے روایت کیا ہے اور موصوف فیضی آگے چل کر امام حاکم رحمہ اللہ تعالیٰ کو سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سخت مخالف ذکر کریں گے، تو پھر ان کی بات سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف کیسے قبول کی جاسکتی ہے؟

پھر امام حاکم سے اس کو امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے اور امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ سے زاھر بن طاہر نے روایت کیا ہے، زاہر بن طاہر الشحامی ابو القاسم اگرچہ صحیح السماع راوی ہیں لیکن ان پر فسق کی تہمت ہے، یہ نمازیں نہیں پڑھتے تھے اس وجہ سے کثیر ائمہ نے ان سے احادیث لینا ترک کردی تھیں، البتہ خود انہوں نے یہ بیان کیا تھا کہ میرے ساتھ عذر ہے، ائمہ نے لکھا ہے ممکن ہے انہوں نے توبہ کرلی ہو، بالکل درست بات فرمائی کہ ایک مؤمن کے ساتھ یہی گمان رکھنا چاہیے۔ امام ذہبی میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں:

زاهر بن طاهر. أبو القاسم الشحامي. مسند بنيسابور. صحيح السماع. لكنه يخل بالصلاة. فترك الرواية عنه غير واحد من الحفاظ تورعا. وكابر وتجاسر آخرون

''زاھر بن طاہر ابو القاسم الشحامی مسند نیشاپور تھے، صحیح السماع تھے، لیکن نماز میں کوتاہی کرتے تھے، متعدد حفاظ نے تورعاً ان سے حدیث لینا ترک کردیا تھا، بعض دیگر نے مکابرہ کیا اور ان سے روایت لینے کی جسارت کی''۔ (میزان الاعتدال) ج ٣ ص ٩٥ رقم ٢٨٢٤)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

''زاھر نے اس حوالے سے اصبھان میں اپنا عذر پیش کیا تھا، اور کہا تھا کہ میرے ساتھ عذر ہے، اور میں نمازوں کو جمع کرتا ہوں، اس بات کا احتمال ہے کو ان کو قطروں کی بیماری ہو، ابن النجار فرماتے ہیں: یہ صدوق تھے، اور سمعانی سے ان کا نماز کا قصہ نقل کیا کہ یہ مختلف شہروں کی طرف سفر کرتے تھے تا کہ لوگ ان سے روایت کریں، جب انہوں نے اصبہان کی طرف کوچ کا ارادہ کیا تو ان کے بھائی نے مجھے بتایا کہ میں نے ان کو کہا تھا کہ اصبہان کی طرف نہ جانا، کیونکہ نماز چھوڑنے کی وجہ سے تم ان کے سامنے رسوا ہو جاؤ گے، لیکن یہ نہ مانے، اور معاملہ ایسا ہی ہوا جیسا ان کے بھائی نے کہا تھا، اور کثیر لوگوں نے ان سے روایت ترک کردی، فرمایا: ممکن ہے انہوں نے توبہ کرلی ہو اور آخر عمر میں اس سے رجوع کرلیا ہو''۔

(لسان المیزان) ج ۳ ص ۰ ۴۹ رقم ۳۱۸۱)

امام اسحاق بن راھویہ رحمہ اللہ تعالیٰ جو امیر المؤمنین فی الحدیث ہیں شہنشاہ الحدیث ہیں، ان کی جلالت علمی یقینا حیرت انگیز ہے لیکن ان تمام باتوں کے ساتھ محدثین نے لکھا ہے کہ آپ اخیر عمر میں مختلط ہوگئے تھے، ائمہ نے اس کی تصریح کی ہے اور حافظ صلاح الدین علائی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب المختلطین میں آپ کو ذکر کیا ہے۔ (کتاب المختلطین) ص ۹ رقم ٦)

آپ کا سن وفات سن ۲۳۸ھ ہے، جبکہ ابو الفضل یعقوب بن یوسف کا سن وفات ۲۷۷ھ ہے، یعنی انہوں نے کم از کم اپنے انتقال سے ۳۹ سال قبل امام اسحاق بن راھویہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے سماعت کی ہوگی، کل عمر ان کی تقریبا ساٹھ سال تھی، اس صورت میں جس وقت انہوں نے امام اسحاق بن راھویہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے سماعت کی اس وقت ان کی عمر زیادہ سے زیادہ اکیس سال ہونی چاہیے، پھر انہوں نے اپنے شہر نیشاپور سے بغداد آکر امام اسحاق بن راھویہ سے سماعت کی ہے، اب یہاں اس بات کی صراحت بھی نہیں کہ انہوں نے قبل اختلاط اس بات کی سماعت کی یا بعد، عمر کے اعتبار سے قوی امکان اختلاط کے ایام میں سماعت کے ہیں۔

لہٰذا کئی اعتبار سے سندا یہ قول ہی مخدوش ہے۔

ثانیاً: علی سبیل التنزل اگر اس قول کو تسلیم مان بھی لیں تو اس کے وہ معنی نہیں جو موصوف فیضی اخذ کرنا

چاہتے ہیں، محدثین جب لا یصح کہتے ہیں اس سے ہرگز یہ لازم نہیں آتا کہ وہ حدیث موضوع ہو بلکہ موضوع تو درکنار حدیث ضعیف بھی ہو، لا یصح سے حدیث کے حسن ہونے کی بھی نفی نہیں ہوتی، اس پر اس مقام سے متعلق صریح جزئیہ امام اہلسنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمہ اللہ تعالیٰ کا ملاحظہ فرمائیں:

''بعض جاہل بول اٹھتے ہیں کہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت میں کوئی حدیث صحیح نہیں، یہ ان کی نادانی ہے، علمائے محدثین اپنی اصطلاح پر کلام فرماتے ہیں، یہ بے سمجھے خدا جانے کہاں سے کہاں لے جاتے ہیں، عزیز و مسلم کہ صحت نہیں پھر حسن کیا کم ہے، حسن بھی نہ سہی یہاں ضعیف بھی مستحکم ہے''۔ (فتاوی رضویہ ج ۵ ص ۴۷۸)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

لا يلزم من كون الحديث لم يصح أن يكون موضوعا

''حدیث کے صحیح نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ وہ موضوع ہو''۔ (القول المسدد ص ۳۷)

علامہ علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

لا يلزم من عدم صحته ثبوت وضعه

''حدیث کے صحیح نہ ہونے سے اس کا موضوع ہونا لازم نہیں آتا''۔ (الأسرار المرفوعة) ص ٤٧٤)

امام حافظ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

أكثر ما حكم على هذا الحديث أنه قال متن ليس بصحيح وهذا صادق بضعفه

(التعقبات على الموضوعات) ص ۲۹۳ رقم ٢٦٤)

امام نور الدین سمہودی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

لا يلزم من قول أحمد في حديث التوسعة على العيال يوم عاشوراء: لا يصح أن يكون باطلا. فقد يكون غير صحيح وهو صالح للاحتجاج به. إذ الحسن رتبة بين الصحيح والضعيف

''یعنی امام احمد نے یوم عاشوراء کو اپنے عیال پر توسع کرنے والی حدیث کے بارے میں فرمایا: لا یصح، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حدیث باطل ہو، حدیث کبھی غیر صحیح ہوتی ہے اور استدلال کے لائق ہوتی ہے، اس لیے کہ ''حسن'' صحیح اور ضعیف کے درمیان کا ایک رتبہ ہے''۔

(جواہر العقدین فی فضل الشریفین) ج ۲ ص ١٢٦-١٢٧)

اعلیٰ حضرت امام اہلسنت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:
''کہنا اس قدر ہے کہ جب صحیح اور موضوع کے درمیان اتنی منزلیں ہیں تو انکار صحت سے اثبات وضع ماننا زمین و آسمان کے قلابے ملانا ہے،... إلی آخر ما أفاد وأجاد''۔

(فتاویٰ رضویہ) ج ۵ ص ٤٤٠)

حافظ ابن حجر ہیتمی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:
ولك أن تقول إن كان المراد من هذه العبارة أنه لم يصح منها شيء وفق شرط البخاري فأكثر الصحابة كذلك ولم يصح شيء منها.
''آپ کہہ سکتے ہیں اگر اس عبارت سے مراد یہ ہے کہ کوئی حدیث بخاری کی شرط پر صحیح نہیں ہے تو اکثر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا معاملہ اسی طرح ہے ان کے فضائل میں بھی کوئی حدیث اس شرط پر صحیح نہیں''۔
وإن لم يعتبر ذلك القيد فلا يضره ذلك لما يأتي أن من فضائله ما حديثه حسن حتى عند الترمذي كما صرح به في جامعه، وستعلمه مما يأتي، والحديث الحسن لذاته كما هنا حجة إجماعا، بل الضعيف في المناقب حجة أيضا
''اور اگر اس شرط کا اعتبار نہ کیا جائے تو بھی یہ مضر نہیں کیونکہ آگے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل میں حدیث حسن آرہی ہے جو امام ترمذی کے نزدیک بھی حسن ہے جیسا کہ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنی جامع میں اس کی صراحت کی ہے، اور عنقریب آپ اس کو جان بھی لیں گے اور حدیث حسن لذاتہ بالاجماع یہاں حجت ہے، بلکہ مناقب میں تو ضعیف بھی حجت ہے''۔

(تطہیر الجنان ص ٤٤ طبع دار الصحابۃ طنطا)

ثالثاً: اور تنزل کیجئے امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ثابت بھی ہو، اور اس سے مراد یہ ہو کہ اصلا کوئی حدیث حتی کہ ضعیف بھی فضیلت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں نہیں ہے تو یہ صرف امام موصوف کی رائے قرار پائے گی، اصل اعتبار تو دلیل کا ہوگا بعض ائمہ محدثین نے امام اسحاق بن راہویہ کے اس قول کو رد کیا کہ ایسا نہیں ہے بلکہ احادیث سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت میں موجود ہیں۔
حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ تعالیٰ نے امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول نقل کرنے کے بعد

أصح ماروی کہہ کر اس کے رد کی طرف ہی اشارہ کیا ہے۔

حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کو امام جلال الدین سیوطی، حافظ طاہر گجراتی پٹنی، حافظ ابن عراق الکنانی رحمہم اللہ تعالیٰ نے الزیادات علی الموضوعات، مجمع بحار الانوار اور تنزیہ الشریعہ میں نقل کیا اور مقرر رکھا ہے۔

حافظ ابن حجر ہیتمی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ماقبل میں گزر چکا۔

نیز شوکانی نے بھی الفوائد المجموعۃ میں امام اسحاق بن راھویہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

''میں کہتا ہوں کہ امام ترمذی کی سنن میں حدیث ہے جس میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مناقب معروفہ کا ذکر ہے، تو اس کی طرف مراجعت کی جائے''۔ (الفوائد المجموعۃ) ص ٤٠٧)

رابعاً: ائمہ کی ایک تعداد نے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت میں احادیث ذکر کیں اور اپنی کتب میں باب فضائل معاویہ، مناقب معاویہ، ذکر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے باب باندھے اور اس کے تحت احادیث ذکر کیں۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ نے فضائل الصحابۃ میں باب فضائل معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ باندھا۔

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے باب مناقب معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ باندھا ہے۔

امام ابوبکر محمد بن الحسین الآجری نے اپنی کتاب الشریعہ میں باب باندھا: کتاب فضائل معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما، اس باب کے تحت آپ نے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل میں احادیث ذکر کی ہیں۔

امام نور الدین الھیثمی رحمہ اللہ تعالیٰ نے غایۃ المقصد بزوائد مسند احمد میں باب مناقب معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ باندھا ہے۔

علامہ سید غلام رسول سعیدی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''صحابہ کرام کے عمومی فضائل کے علاوہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عظمت اور خصوصیت پر حسب ذیل احادیث دلالت کرتی ہیں۔ پھر آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت میں کئی احادیث نقل فرمائیں''۔

(شرح صحیح مسلم ج ۷ ص ۷۹۲۔۷۹۶ مطبوع فرید بک اسٹال)

اس کے علاوہ ائمہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت پر مستقل کتب تحریر فرمائی ہیں۔

لہٰذا امام اسحاق بن راھویہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس قول سے یہ استدلال کسی صورت درست نہیں کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں احادیث حِسان بھی نہ ہوں۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول

ہم یہ تفصیل بیان کر چکے ہیں کہ کسی کے حق میں حدیث کے گھڑنے سے لازم نہیں آتا کہ اس کے حق میں اب کوئی حدیث صحیح، حسن، یا ضعیف ہو ہی نہ، ورنہ تو یہ عجب قاعدہ بن جائے گا کہ واضعین جس کے حق میں چاہیں حدیث گھڑ لیں نتیجہ یہ نکلے گا کہ جو احادیث اس ہستی کے بارے میں ثابت ہیں وہ رد کردی جائے۔ ولا یقول بذلك عاقل.

ظہور احمد فیضی نے امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی زبردستی اپنی سوچ کا مقلد بنالیا حالانکہ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل میں حدیث اپنی مسند میں بھی ذکر کی ہے اور کتاب فضائل الصحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں بھی ذکر کی ہے، نیز کتاب السنۃ للخلال میں امام ابن خلال رحمہ اللہ تعالیٰ نے امام احمد کے حوالے سے فضیلت سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں حدیث ذکر کی ہے، لیکن فیضی صاحب کا کہنا ہے کہ امام اسحاق بن راھویہ بھی اس کے قائل تھے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت میں کوئی حدیث نہیں (اس کی تشریح ماقبل میں گزر چکی) اور فیضی کے بقول یہی رائے امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی بھی تھی لیکن وہ احتیاط برتتے تھے، لیکن ایک سوال کے جواب میں مجبوراً ان کو کہنا پڑا کہ معاویہ کے فضائل علی کی دشمنی میں بنائے گئے ہیں۔

قلت: فیضی صاحب یہ امام احمد بن حنبل ہیں، فیضی نہیں ہیں، امام نے تو کوڑے کھانے برداشت کر لیے تھے لیکن حق بات سے سکوت نہیں کیا تھا، یہاں تو کوئی ایسی بات ہی نہیں تھی جس پر وہ خاموش رہتے۔

نیز امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کا یہ معنی نکالنا کے فضیلت سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں کوئی حدیث ہے ہی نہیں یہ کم عقل کا کام ہے، اگر یہ معنی لے لیا جائے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے احادیث گھڑی گئی ہیں، لہٰذا کوئی بھی حدیث اصلا ہے ہی نہیں تو پھر خود امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ جانتے بوجھتے اپنی مسند وفضائل الصحابہ میں موضوع من گھڑت احادیث روایت کرنے والے قرار پائیں

گے، اور پھر اس سے یہ قاعدہ ہر ایک کے حق میں ماننا ہوگا کہ جس کے حق میں بھی احادیث گھڑ لی گئیں اب جو احادیث اس کے حق میں آئیں گی سب موضوع قرار پائیں گی۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ کے کلام کے بھی یہ معنی ہرگز نہیں ہے بلکہ یہاں صحت اصطلاحی مراد ہے جس سے حسن کی نفی بھی لازم نہیں آتی کمامر۔

موصوف نے اس کے بعد چند نام ذکر کیے ہیں کہ ان علما نے امام اسحاق بن راھویہ کے قول کو تائیدا ذکر کیا ہے۔ اگر چہ ہم تفصیل سے بیان کر چکے ہیں کہ لایصح کا معنی کیا ہے اور اس سے تو حدیث حسن کی نفی بھی لازم نہیں آتی چہ جائیکہ یہ کہا جائے کہ ضعیف حدیث بھی فضیلت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں نہیں۔ جن ائمہ نے امام اسحاق بن راھویہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کو ذکر کیا ہے ان کی مراد بھی یہی ہے کہ حدیث صحیح نہیں ورنہ ان میں اکثر حدیث حسن ہونے کے قائل ہیں۔

لیکن آئیں آپ کو صاحب الاحادیث الموضوعات ظہور احمد فیضی کا طرفہ تماشہ دکھاتے ہیں کہ بغض سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیسا سر چڑھ کر بول رہا ہے کہ ایک طرف خود کو معلوم ہی نہیں ہوتا کیا لکھ رہے ہیں تو دوسری طرف بازار خیانت گرم کیا ہوا ہے۔

موصوف نے ہیڈنگ لگائی ہے ''قول ابن راھویہ کے مؤیدین''۔ پہلا نام ابوالحسن مبارک طیوری حنبلی کا ذکر کیا ہے اور یہ لکھا: یہ خطیب بغدادی کے شاگرد اور امام ابن الجوزی کے استاذ الاساتذہ ہیں، ان کی وفات ۵۰۰ھ میں ہوئی تھی۔ ان کے شاگرد شیخ ابو احمد بن محمد اصبہانی سلفی متوفی ۵۷۵ھ نے ان کے کلام کو مختلف کتب سے منتخب کر کے الطیوریات کے نام سے ایک مجموعہ تیار کیا۔ اس مجموعہ میں وہ امام احمد بن حنبل کا وہ کلام لائے ہیں جو ہم اس سے قبل امام ابن الجوزی کے حوالے سے نقل کر چکے ہیں کہ معاویہ کو لوگوں نے سیدنا علی المرتضی کی دشمنی میں چڑھایا ہے''۔

سبحان اللہ! مؤید ذکر کر رہے تھے امام اسحق بن راہویہ کا اور لکھ رہے ہیں انہوں نے امام احمد بن حنبل کا قول ذکر کیا ہے، کہاں امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول اور کہاں امام اسحاق بن راھویہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول! صفحات پر صفحات کالے کرتے جائیں چاہے اپنا لکھا خود نہ سمجھیں۔

ہاں اتنا ضرور ہے کہ دونوں قول آپ کے لیے مفید نہیں جیسا کہ مفصلا گزر چکا۔

دوسرا مؤید ابن قیم کو ذکر کیا ہے، اور اس کے حوالے سے لکھا:

''علامہ ابن قیم مطلقا احادیث موضوعہ کی علامت میں لکھتے ہیں:

ومن ذلك ما وضعه بعض جهلة أهل السنة في فضائل معاوية ابن أبي سفيان. قال إسحاق بن راهوية: لا يصح في فضائل معاوية بن أبي سفيان عن النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم شيء

''اور انہیں میں سے وہ احادیث ہیں جو بعض جاہل سنیوں نے فضائل معاویہ میں بنائی ہیں، امام اسحاق بن راھویہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں فضیلت معاویہ بن ابی سفیان میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی صحیح چیز ثابت نہیں۔''

اقول: یہ علامہ آپ ہی کو مبارک ہو، اس کی تائید سے ہمیں کوئی غرض نہیں،

ثانیاً: آپ کے اس علامہ کے قول کا معنی بھی وہی بنے گا جو ماقبل میں بیان ہو چکا کہ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اصلا کوئی حدیث چاہے درجۂ حسن کی ہو موجود ہی نہیں۔

ثالثاً: آپ کے اس علامہ صاحب نے آپ کی ذکر کردہ عبارت کے بعد یہ بھی تو لکھا ہے:

قلت ومراده ومراد من قال ذلك من أهل الحديث أنه لم يصح حديث في مناقبه بخصوصه وإلا فما صح عندهم في مناقب الصحابة على العموم ومناقب قريش فمعاوية رضي الله تعالى عنه داخل فيه

''میں کہتا ہوں، امام اسحاق بن راھویہ کی مراد اور محدثین میں جس نے یہ بات کہی ہے ان کی مراد خصوصیت کے ساتھ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت میں حدیث کا صحیح نہ ہونا ہے، ورنہ محدثین کے نزدیک جو احادیث علی العموم مناقب صحابہ اور قریش کے مناقب میں بالعموم صحیح ثابت ہیں ان میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی داخل ہیں''۔

(المنار المنیف) ص ۱۱۶ فصل ۳۵)

اس کو عوام کے سامنے ذکر نہ کرنے کی وجہ؟

امام ذھبی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تائید

مؤیدین میں سے تیسرا نام لیا ہے امام ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ کا کہ انہوں نے سیر اعلام النبلاء میں امام اسحاق بن راھویہ کے قول کو نقل کرنے کے بعد مقرر رکھا ہے۔

اقول: اوّلاً: اسی سیر اعلام النبلاء میں جہاں سے موصوف امام ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ذکر کر رہے ہیں، امام ذہبی فرماتے ہیں:

ویروی فی فضائل معاویة أشیاء ضعیفة تحتمل.

''حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل میں معمولی ضُعف پر مشتمل احادیث مروی ہیں''۔ (سیر أعلام النبلاء) ج ۳ ص ۱۳۱)

اس سے قبل کچھ احادیث طیبہ نقل کرنے کے بعد ارشاد فرماتے ہیں:

فهذه أحادیث مقاربة.

''یہ احادیث صحت کے قریب قریب ہیں''۔ (سیر أعلام النبلاء) ج ۳ ص ۱۲۷)

(اللهم علم معاویة الکتاب والحساب وقه العذاب) حدیث نقل کرنے کے بعد امام ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ''وللحدیث شاهد قوی اس کا ایک قوی شاہد موجود ہے'' پھر اس کا شاہد ذکر کیا۔ (سیر أعلام النبلاء) ج ۳ ص ۱۲٤)

مزید یہ کہ ترمذی کی حدیث اللهم اجعله هادیا مهدیا واهد به نقل کرتے ہیں اور فرماتے ہیں: حسنه الترمذی اور اسے برقرار رکھتے ہیں۔ (سیر أعلام النبلاء) ج ۳ ص ۱۲۵)

اس سے امام ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مؤقف تو واضح ہوگیا۔

ثانیاً: امام اسحاق بن راھویہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کا معنی اور بھی منقح ہوگیا کہ اگر یہ ان سے ثابت بھی ہے تو اس میں نفی فقط صحت کی ہے۔

امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تائید

موصوف نے علامہ جلال الدین سیوطی شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کو بھی مؤیدین میں سے ذکر کیا ہے، لیکن مت ماری گئی ہے خود ہی آگے ابن عراق الکنانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے حوالے سے لکھا کہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ''معاویہ کی شان میں کسی حد تک تین احادیث قابل قبول ہوسکتی ہیں۔''

تو جناب پھر علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ مؤیدین میں سے کہاں ہوئے؟

ثانیاً: یہاں بھی فیضی نے ڈنڈی ماری ہے۔ ترجمہ کیا ہے قابل قبول ہوسکتی ہیں، جبکہ تنزیہ الشریعہ میں الفاظ ''أصح ما ورد فی فضل معاویة'' اور یہی الفاظ علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ کے الزیادات میں ہیں۔

اولی، ثانیہ کے طالب علم سے اصح کا ترجمہ معلوم کر لیجیے گا۔

ثالثاً: علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ خود اس قول کے قائل ہیں کہ ''لا یصح'' کا معنی موضوع نہیں ہوا کرتا کما تقدم لہٰذا آپ کیسے مراد لیں گے کہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہاں مراد موضوع لیا ہے؟

رابعاً: علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جامع الاحادیث اور تاریخ الخلفاء میں حدیث ''اللھم اجعله هادیا مھدیا'' کو ذکر کیا ہے اور امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحسین کو نقل کر کے برقرار رکھا ہے۔ سیأتی تخریجه۔

حافظ ابن حجر ہیتمی رحمہ اللہ تعالیٰ پر فیضی کا غضب معکوس

حافظ ابن حجر ہیتمی رحمہ اللہ تعالیٰ نے چونکہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دفاع اور فضائل میں کتاب لکھی ہے، اس لیے ان لوگوں کو ان سے بہت تکلیف رہتی ہے، آپ نے اپنی کتاب الصواعق المحرقہ میں امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول نقل کیا اور دوسری کتاب میں حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل بیان کیے ہیں، یہاں موصوف کا علامہ ہیتمی رحمہ اللہ تعالیٰ پر جلال دیکھیں آگے بھی ان پر سخت غضب فرماتے رہیں گے، لکھتے ہیں:

> ''یہ بھی طرفہ تماشہ ہے کہ علامہ ابن حجر مکی اس قول سے باخبر ہونے اور اسے نقل کرنے کے باوجود اس کے خلاف کی طرف مائل ہو گئے، انہوں نے اپنی کتاب تطہیر الجنان میں کھلم کھلا موضوع روایات کو فضائل معاویہ میں درج کر دیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں اس لیے کوئی تعجب کی بات نہیں کہ انہوں نے یہ کتاب ایک بادشاہ کی فرمائش کی تعمیل میں لکھی تھی، ظاہر ہے کہ جس شخص کی شان میں کوئی ایک حدیث نہ ہو اور پھر اس کی شان میں شاہی فرمان کی تعمیل میں کوئی کتاب تیار کرنی پڑ جائے تو رطب و یابس کے سوا کیا رہ جاتا ہے؟ ان شاء اللہ عزوجل آئندہ صفحات میں علامہ ابن حجر مکی کے اس کام پر مختصر تبصرہ پیش کیا جائے گا''۔
>
> (الاحادیث الموضوعات ص ۴۰)

یہ کلام ہے اس شخص کا جو مناظرہ کے دوران کہتا ہے: ''میں ایسی باتیں کتاب میں شامل نہیں کرنا چاہتا تھا، لیکن اپنے ادارے کے سربراہ کا نام لے کر کہتا ہے اس کے کہنے پر میں نے شامل کیا ہے'' ظاہر ہے سربراہ نے کہا ہے پیٹ کا سوال ہے شامل تو کرنا ہی پڑے گا۔

ثانیاً: موصوف خود امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کو سمجھ نہیں سکے، اور تعجب کا اظہار حافظ ابن حجر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ پر کر رہے ہیں، یا حضرت! اگر تعجب کرنا ہی ہے تو خود امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ پر کریں جنہوں نے آپ کے مطابق اپنے قول سے یہ مراد لیا ہے کہ فضائل سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوئی حدیث ثابت ہی نہیں پھر اپنی مسند اور دیگر کتب میں شان امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں حدیث روایت بھی کر رہے ہیں۔

ثالثاً: آپ تو مؤیدین ذکر کر رہے ہیں حضرت امام اسحاق بن راھویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے، اور حافظ ابن حجر ہیتمی رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل امام احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول کر رہے ہیں! طبیعت ٹھیک ہے نا؟

حافظ ابن عراق الکنانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تائید

اس کے بعد مؤیدین میں سے علامہ ابن عراق الکنانی رحمہ اللہ تعالیٰ کا نام لکھا، لیکن خود ہی آگے لکھ دیا کہ انہوں علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ کے حوالے تین احادیث کا قابل قبول ہونا لکھا ہے۔۔۔الخ تو جناب یہ مؤیدین میں سے کہاں ہو گئے۔

امام بخاری پر جلال

موصوف کو بہت تکلیف ہوئی ہے امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے کیوں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ''إنه فقيه'' ذکر کیا، اس پر سب سے پہلے امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے لیے کیا لکھتے ملاحظہ فرمائیں:

> ''اس سلسلے میں اصل بات یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے انتہائی تکلف سے کام لیا ہے اور معاویہ کی شہرت سے مرعوب ہو کر کسی نہ کسی طرح ان کا ذکر اپنی صحیح میں داخل کرنا ضروری سمجھا ہے، ورنہ وہ بہت سے ایسے صحابہ کرام علیہم الرضوان کے فضائل کو بخاری میں نہیں لائے جن کے فضائل میں واضح طور احادیث نبویہ آئی ہیں۔''

پہلے امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ پر تعریض کہ وہ دھوکہ کھا گئے، پھر جامع ترمذی میں باطل حدیث در آئی اور اب امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ بھی گئے، امام بخاری بھی وکلائے معاویہ میں شامل ہو گئے۔ آگے چل کر موصوف کا امام بخاری پر مزید جلال ملاحظہ فرمایئے گا! جب صحیحین کا ہی یہ حال ہو گیا تو دیگر کتب کا کیا پوچھنا! یاللعجب۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قول پر کیا لکھا اور اس پر موصوف کو کیسا غصہ آیا ہے انہی کی عبارت ملاحظہ فرمائیں: ''دراصل امام بخاری کا مقصود اس باب کے قیام سے دفاع معاویہ ہے نہ کہ شان معاویہ، جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے: لکن بدقیق نظرہ استنبط ما یدفع بہ رؤوس الروافض لیکن انہوں نے اپنی باریک بینی سے وہ استنباط کیا ہے جس سے روافض کے سرغنوں کا دفاع ہوجائے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۴۷۳) جی ہاں، امام بخاری کی باریک بینی قابل داد ہے، کیوں نہیں معاویہ کی افراط وتفریط کے تذکرے کا رفض سے تعلق بنتا ہے، کیونکہ سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے معاویہ کو فسق وبطلان پر کہا تو وہ رافضی توں ہوں گے نا؟ سیدنا خزیمہ بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے گروہ معاویہ کو ضلالت پر کہا تو وہ کیوں نہ رافضی ہوں؟ امام اعظم ابوحنیفہ، امام محمد بن حسن شیبانی اور مذاہب اربعہ کے فقہاء رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے معاویہ کو قاتل، باغی، طاغی، بدعتی، جائر، ظالم اور متعدی کہا ہے تو وہ سب بھی کیوں نہ رافضی ہوں؟ سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی معاویہ کو باغی سمجھ کر اس سے جنگ کی تھی تو وہ بھی اندر سے رافضی ہوں گے نا؟ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اس پورے گروہ کو باغی اور آگ کی طرف داعی فرمایا تھا تو معاذ اللہ آپ پر بھی یہ حکم لگا دیجیے نا! لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ میں کہتا ہوں کہ کسی کو سمجھ آئے یا نہ آئے اور کوئی مانے یا نہ مانے لیکن حق اور حقیقت یہ ہے کہ معاویہ کی بغاوت، خروج، فساد، ضلالت اور کتاب وسنت سے روگردانی کے تذکروں کا تعلق رفض سے نہیں، بلکہ حق وباطل، ہدایت وضلالت اور صواب وخطا کے اظہار سے ہے، رفض صرف اور صرف شیخین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بیزاری کو کہا جاتا ہے۔ (الاحادیث الموضوعات ص ۴۶)

اقول وباللہ التوفیق! ائمہ اربعہ اور ان کے متبعین اور اسلاف کرام نے کیا لکھا ہے اس حوالے سے کئی اقوال پیچھے ذکر کیے جا چکے نیز ائمہ کے حوالے سے باغی وجائر وغیرہ کا معنی بھی بیان کر چکے، بدعتی کہنے کے لیے آپ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کلام میں تحریف کرتے ہوئے بد دیانتی کی تاریخ رقم کی ہے وہ بھی بیان کی جائے گی۔ فی الوقت اپنے بارے میں ائمہ کا حکم ملاحظ فرمائیں، سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر سب شتم کرنا رفض ہی ہے، متاخرین کے نزدیک رفض وتشیع ایک ہی بات ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں: وأما التشيع فی عرف المتأخرين فهو الرفض المحض تشیع متاخرین کے عرف میں رفض ہی کا نام ہے۔

(تہذیب التہذیب) ج۱ ص۱۴۹ رقم ۱۴۶ ترجمۃ أبان بن تغلب)

اور متقدمین میں بھی سب صحابہ رفض ہی کی علامت تھا: امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

ومن الحجة الواضحة الثابتة البينة المعروفة ذكر محاسن أصحاب رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم كلهم أجمعين، والكف عن الذی جری بينهم. فمن سبّ أصحاب رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم أو واحداً منهم فهو مبتدع رافضی، حبهم سنّة، والدعاء لهم قربة، والاقتداء بهم وسيلة، والأخذ بآثارهم فضيلة.

''معروف واضح ثابت روشن معروف حجت میں سے یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے تمام اصحاب کی خوبیوں کو بیان کیا جائے، ان کے مابین جو معاملات پیش آئے اس سے کف لسان کیا جائے، تو جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کو یا ان میں سے کسی ایک کو برا بھلا کہے وہ بدعتی، رافضی ہے، صحابہ کی محبت سنت، ان کے لیے دعا عبادت، ان کی پیروی ذریعہ، اور ان کے طریقہ کار کو اختیار کرنا فضیلت ہے''۔

(طبقات الحنابلۃ) ج۱ ص۳۰)

اعلیٰ حضرت امام اہلسنت رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا کسی صحابی کو برا کہنا رفض ہے۔ (فتاویٰ رضویہ) ج ۲۴ ص ۵۰۸)

جہالت کی انتہاء

موصوف نے اپنے نامۂ اعمال کو سیاہ کرتے ہوئے لکھا:

''بلاشبہ کسی انسان کا فقیہ ہونا فضیلت کی بات ہے مگر شرط یہ ہے کہ وہ باعقیدہ اور باعمل ہو، اگر کوئی فقیہ انعام یافتہ ہستیوں سے بغض رکھتا ہو تو ایسی فقاہت کس کام کی؟ یاد رکھئے! اس امت کا سب بڑا بدبخت عبدالرحمان بن ملجم بھی فقیہ تھا اور اسی نے سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل کیا

تھا، اس کی فقاہت کے گواہ خلیفۂ ثالث سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے''۔

(الاحادیث الموضوعات ص ۴۲)

یعنی ایک صحابی رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ورضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عقیدہ بھی درست نہیں تھا! جہاں تک رہا بغض رکھنا تو یہ آپ جیسی گھٹیا سوچ رکھنے والے افراد کا نظریہ ہے، صحابۂ کرام علیہم الرضوان ایسے تمام رزائل سے پاک ہیں، ان کا رب عزوجل ان کے بارے میں فرماتا ہے: رحماء بینہم رب کی گواہی یہ ہے، اور آپ کا کہنا یہ ہے، کیا آپ کے بیان کردہ اصولوں کے مطابق آپ پر یہی حکم لگے گا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے حکم کا انکار کر رہے ہیں؟ آگے ہم آپ ہی کے الفاظ ذکر کریں گے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے محبت رکھتے تھے۔

موصوف فیضی کے شیخ الشیخ مشہور صوفی بزرگ خواجہ غلام فرید چشتی رحمہ اللہ تعالیٰ (کوٹ مٹھن) لکھتے ہیں:

''صحابہ کرام کے درمیان میں جو مشاجرات، مخالفت اور مجادلت ہوئی، یہ اجتہاد کی وجہ سے تھی، نہ کہ بغض وعداوت، حسد، کینہ اور دشمنی کی وجہ سے، اگرچہ لوگوں نے ایک کو برحق اور دوسرے کو مظلوم سمجھا تھا لیکن چونکہ دونوں کی غرض اظہارِ حق تھی اس لیے جو حق پر تھا اس کو ثواب کے دو حصے ملیں گے، اور جو حق پر نہ تھا اس کو ثواب میں ایک حصہ ملے گا''۔

(مقابیس المجالس مترجم صفحہ ۸۲۹)

قابل غور عقیدہ

پھر ابن ملجم جیسے اشقی الناس کو سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مثل قرار دینا خود شقاوت ہے اور اسی شقاوت کے جنون میں موصوف نے اپنا عقیدہ بھی یوں ظاہر کیا کہ ''سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ ثالث قرار دے دیا۔''

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجتہد صحابی تھے، اگر کوئی اور فضیلت آپ کی بالفرض نہ بھی ہوتی تو آپ کا صحابی ہونا ہی وہ شرف ہے کہ غیر صحابی آپ کے مثل نہیں ہو سکتا، اور آپ ابن ملجم جیسے شقی کو ایک مجتہد صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملا رہے ہیں۔

موصوف کے نزدیک یہ بات انتہائی نامناسب ہے کہ کسی عظیم تر ہستی کا تقابل عظیم ہستی سے بھی کیا جائے، ایک معاصر عالم نے ایک مسئلہ میں حضرت مولائے کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کسی فضیلت کے

حوالے سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت بھی پیش کی تو اس پر موصوف لکھتے ہیں:''
صاحب ضرب حیدری کس سطح پر اتر آئے ہیں کہ باب مدینۃ العلم اور باب دار الحکمۃ کا تقابل متاخرین صحابہ اور سید علی المرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تلامذہ کے ساتھ کرنے بیٹھ گئے، کیا کوئی حنفی شخص اس بات پر راضی ہوگا، کہ امام اعظم ابوحنیفہ اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہما کے مابین تقابل کیا جائے؟

(شرح اسنی المطالب) ص ۵۰۵)

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ باب مدینۃ العلم ولی کل مؤمن محبوب خدا ور رسول حضرت علی المرتضی کرم اللہ تعالیٰ وجھہ کا مقام و مرتبہ اس قدر بلند و بالا ہے جس تک ہم جیسوں کی عقل و فہم کی رسائی نہیں، اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیا عشرۂ مبشرہ میں بھی خلفائے ثلاثہ کے بعد سب سے افضل آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی ہیں، ان سے تقابل ہو ہی نہیں سکتا۔

لیکن فیضی صاحب کیا آپ کو حیاء نہیں آئی آپ ایک صحابی رسول، ام المؤمنین کے بھائی، جن کے لیے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دعا کی، ان کی فقاہت کو آپ ایک شقی سے تشبیہ دے رہے ہیں۔

جہالت یا خیانت

پھر موصوف کی حرکت ملاحظہ فرمائیں جو بات صحیح سند سے ثابت ہے اسے تو نہیں ماننا البتہ منکر مردود روایت سے تنقیص بھی ملے تو سر آنکھوں پر، لکھتے ہیں:''اس مقام پر بلا تبصرہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اسی سلسلۂ وتر میں ایک اور روایت بھی سن لیجئے۔ امام طحاوی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مکمل سند کے ساتھ لکھتے ہیں: عکرمہ کہتے ہیں: میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ معاویہ کے پاس تھا کہ رات کا ایک حصہ گذر جانے کے بعد معاویہ اٹھے اور ایک رکعت وتر پڑھی۔ اس پر ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرمایا: من أین تری أخذھا الحمار؟ یہ اس حمار نے کہاں سے لے لی؟'' (الاحادیث الموضوعات ص ۴۳)

تبصرہ کیوں کریں گے؟ کیونکہ سند ہی ضعیف ہے، امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اولا سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ''معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے درست کیا'' ذکر فرمایا، پھر اس روایت کو ذکر کیا۔

یہ روایت سخت ضعیف منکر و مردود ہے، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اجلہ تلامذہ اس حدیث کو روایت کرتے ہیں اور سب نے تعریفی کلمات نقل کیے ہیں، کسی میں ہے، فقیہ، کسی میں ہے اصاب، کسی ہے

میں ہے دعہ فانہ صحب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان تمام روایتوں کے مقابل یہ منکر روایت ہے جس کو
فیضی صاحب بڑی رغبت کے ساتھ قبول کرر ہے ہیں۔

علامہ طاہر پٹنی رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت میں خیانت

موصوف نے علامہ طاہر پٹنی گجراتی رحمہ اللہ تعالیٰ کو بھی مؤیدین میں ذکر کیا اور لکھا:

''علامہ موصوف لکھتے ہیں: لا یصح مرفوعا فی فضائل معاویة شیء فضیلت معاویہ میں کوئی صحیح مرفوع چیز نہیں ہے۔ (مجمع بحار الانوار ج ۵ ص ۲۲۱)

یہاں موصوف نے پھر خیانت سے کام لیا ہے، دیکھیں علامہ طاہر پٹنی رحمہ اللہ تعالیٰ اس کے بعد کیا ارشاد فرمار ہے ہیں:

وأصح ما روی فیه ح مسلم أنه کاتبه، ثم ح: اللهم! علمه الکتاب، ثم ح: اللهم اجعله هادیًا مهدیًا (مجمع بحار الانوار) ج ۵ ص ۲۲۱)

''سب سے صحیح روایت جو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت میں مروی ہے مسلم کی حدیث ہے کہ آپ، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کاتب تھے، پھر حدیث ''اے اللہ اس اسے کتاب کا علم سکھا'' ہے، پھر حدیث ''اے اللہ اسے ہادی مھدی بنا'' ہے''۔

اسی طرح علامہ طاہر پٹنی گجراتی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی دوسری کتاب تذکرۃ الموضوعات میں بھی یہی بات لکھی ہے۔ (تذکرۃ الموضوعات)) ص ۱۰۱)

اب ان سے پوچھا جائے کہ آپ نے ڈنڈی کیوں ماری؟

علامہ کورانی رحمہ اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کیا انہوں نے لکھا کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فقیہ والی بات تقیہ کے طور پر کہی تھی کیونکہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ کے عظیم ساتھیوں اور وزیر و مشیر تھے۔

اقول: علامہ کورانی رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول خود باطل ہے، شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاندان والے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے، حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے تو کئی مقام پر تنبیہات کی ہیں پھر آپ خود معانی الآثار کی منکر روایت پیش کرر ہے ہیں جس میں آپ کے بقول حمار کہا گیا ہے تو پھر یہ تقیہ کہاں گیا؟

حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی تائید

موصوف لکھتے ہیں:

''ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بعینہ علامہ ابن قیم جوزیہ حنبلی کی طرح لکھا ہے۔ نیز ملا علی قاری نے مرقاۃ میں امیر شام کو محرف، باغی، طاغی، اور تارک کتاب وسنت قرار دیا ہے۔''

(الاحادیث الموضوعات ص ۴۴)

اقول وباللہ التوفیق! اوّلاً: ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ تو اس بات کے قائل ہیں کہ لایصح کا معنی یہ نہیں ہوتا کہ اصلا یہ حدیث ثابت نہیں تو پھر ان کے اس قول سے کیسے استدلال کیا جاسکتا ہے۔؟

ثانیاً: ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے حدیث اللھم اجعلہ ھادیا مھدیا کو مرقاۃ میں نا صرف برقرار رکھا ہے بلکہ یہ ارشاد فرمایا کہ اس دعا کے قبول ہونے میں کوئی شبہہ نہیں۔

باقی ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں اس پر ان کے دو قول پیچھے بیان ہوئے مزید آخر میں جہاں موصوف نے ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت نقل کی ہے وہیں اس بات کو ہم بیان کریں گے کہ موصوف نے سیاق وسباق سے ہٹ کر کس طرح ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت پیش کر کے عوام الناس کو دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے۔

شیخ محقق شیخ عبد الحق دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تائید

ظہور احمد فیضی نے شیخ محقق کے حوالے سے محدثین کا یہ قول نقل کیا کہ ''سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت میں کوئی صحیح حدیث نہیں''۔

شیخ محقق رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حوالے سے علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ کا حوالہ دیا ہے اور علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مؤقف آپ پڑھ چکے ہیں۔ لہٰذا معنی واضح ہے کہ صحتِ اصطلاحی حاصل نہیں، نیز ان شاء اللہ عزوجل آگے حدیث ''اللھم اجعلہ ھادیا مھدیا'' کے تحت شیخ محقق رحمہ اللہ تعالیٰ کی شرح آتی ہے۔

اس کے بعد موصوف نے دیوبندیوں اور غیر مقلدین کے اقوال ذکر کیے ہیں، یہ انہیں کو مبارک ہمیں کوئی ضرورت نہیں کہ ہم ان کی خوامخواہ وضاحت کرتے پھریں۔

البتہ موصوف شوکانی کے حوالے سے یہاں بھی ڈنڈی مار گئے۔ کیونکہ شوکانی نے امام اسحاق بن راھویہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ذکر کرنے کے بعد یہ لکھا ہے:

قلت: قد ذکر الترمذی فی الباب الذی ذکرہ فی مناقب معاویۃ من سننہ ما ھو

معروف فلیراجع

''میں کہتا ہوں امام ترمذی نے اپنی سنن میں سیدنا معاویہ کے مناقب کے باب میں حدیث

ذکر کی ہے جو معروف ہے تو اس کی طرف مراجعت کرو''۔ (الفوائد المجموعۃ ۴۰۷)

فکر اپنی اپنی نصیب اپنا اپنا۔

موصوف کا بغض معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس زمانے میں اس عروج پر ہے کہ سادات کی تنقیص ہو، یا

حرف سیدنا مولا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات پر آتا ہو، یا حدیث میں تحریف کرنا پڑے یہ صاحب

کر گزریں گے، بس کسی طرح تنقیص ثابت ہو، یہاں سارا زور اِس پر لگایا کہ کوئی حدیث ثابت ہی نہیں،

اپنی کتاب میں شرح اسنی المطالب میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اشارتاً طنز کرتے ہوئے

لکھتے ہیں: ''جبکہ بعض لوگوں کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مملکت کے ملنے کی پیش گوئی فرمائی تو

ان سے اتنا بھی نہ ہوسکا کہ وہ عرض کرتے یا رسول اللہ: دعا فرما دیجئے! میں اس ذمہ داری (سے) عہدہ برآ

ہوسکوں۔ فکر اپنی اپنی نصیب اپنا اپنا! (شرح اسنی المطالب ص ۵۱۶)

واقعی فکر اپنی اپنی، نصیب اپنا اپنا، ایک صحابی کے بارے میں بدگمانی، طعن وتشنیع کرنا، اور ان پر طنز

کرنا آپ کے نزدیک بڑی اعلیٰ فکر اور آپ کا اچھا نصیب ہے، یہ فکر ونصیب آپ کو بہت مبارک ہو۔

ویسے موصوف، حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل بیان کرتے ہوئے یہ طنز کررہے ہیں،

اور خود اسی کتاب کے مقدمے میں لکھتے ہیں: ''آخر میں راقم الحروف کی گزارش ہے کہ فضائل بیان کرنے

کے لیے ہوتے ہیں، تنازع کے لیے نہیں، لہٰذا جس بلند مرتبہ ہستی کے فضائل بیان کرنا ہو، بلا تقابل اس کے

فضائل بیان کر دیے جائیں اور کسی دوسری ہستی پر تعریض وغیرہ سے کلیۃ اجتناب کیا جائے۔

(شرح اسنی المطالب ص ۳۶)

واقعی فکر اپنی اپنی، نصیب اپنا اپنا!

موصوف کی زندگی کا مقصد ایک ہی ہے، کہ اہل بیت اطہار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محبت کے پردے

میں صحابۂ کرام علیہم الرضوان کے مرتبے کو کم سے کم ظاہر کیا جائے، بالخصوص سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ

عنہ پر تو جہاں طعن کا موقع ملتا ہے یا نہیں بھی ملتا تو نکال کر کسی نہ کسی طرح ان کی شان میں گستاخی کرنے

سے بعض نہیں آتے، جہاں کوئی قول ملے چاہے کسی درجے کا ہو بلا جھجک بلا تامل اسے نقل کر دینا ان کے لیے کوئی مسئلہ ہی نہیں، اسی اثنا میں موصوف کو علامہ بلاذری کی کتاب سے حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ایک قول مل گیا جسے سوچے سمجھے بغیر نقل کر دیا۔

حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول

پہلے ان کی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

''امام اسحاق بن راھویہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کی تائید درج ذیل قول سے بھی ہوتی ہے علامہ بلاذری لکھتے ہیں:

حدثني الحسين بن علي بن الأسود عن يحيى عن عبد الله بن المبارك قال: هاهنا قوم يسألون عن فضائل معاوية. وبحسب معاوية أن يترك كفافا

''مجھے حسین بن علی بن اسود نے بیان کیا، انہوں نے یحیی سے روایت کیا، انہوں نے امام عبد اللہ بن المبارک سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: یہاں ایک قوم ہے جو فضائل معاویہ کے متعلق سوال کرتی ہے حالانکہ معاویہ کے لیے اتنا کافی ہے کہ انہیں چھوڑ دیا جائے''۔

(الاحادیث الموضوعات ص ۵۰)

ہم عرض کر چکے ہیں کہ صاحب الاحادیث الموضوعات کو جو قول جہاں سے جیسے ملے اس کی کوئی تحقیق کی حاجت نہیں، ان کے یہاں معیار قبول یہ ہے کہ بس سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تنقیص میں وہ قول ہونا چاہیے، حالانکہ یہ قول سندا بھی باطل ہے اور درایتا بھی۔

اس میں راوی ہے: الحسین بن علی بن الاسود العجلی۔ یہ سخت متکلم فیہ راوی ہے، امام احمد نے فرمایا: لا أعرفه، میں اس کو نہیں جانتا ابن عدی کہتے ہیں: يسرق الحديث وأحاديثه لا يتابع عليها حدیث کا سرقہ کرتا ہے اور اس کی احادیث پر اس کی متابعت نہیں کی جاتی، ازدی نے کہا: ضعيف جدا يتكلمون في حديثه سخت ضعیف ہے اور محدثین نے اس کی حدیث میں کلام کیا ہے البتہ ابن ابی حاتم رازی نے فرمایا: صدوق سچا ہے، ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے لیکن ساتھ لکھا ہے: ربما أخطأ بسا اوقات خطا کرتا ہے۔ (الجرح والتعديل) ج ۳ ص ٤٦ رقم ٢٥٦) (الكامل في ضعفاء الرجال) ج ٤ ص ٣٥ رقم ٤٩٨) (تاریخ بغداد) ج ۸ ص ۱۹۸ رقم ٤١٤١) (الضعفاء والمتروكين) لابن الجوزي ج ۱ ص ۲۱۵ رقم ۸۹۹)

خود موصوف نے اسی کتاب کے صفحہ ۱۳۸ پر سارق الحدیث کو جرح شدید کے الفاظ میں شمار کیا ہے، اب یہ ان کی قسمت ہے کہ مجروح مخدوش اقوال سے ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر طعن کی جرأت کر رہے ہیں۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل میں اگر احادیث نہ بھی ہوتیں تو ان کا صحابی ہونا، ان کا کاتب وحی ہونا، ان کا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صھر سے ہونا ہی ان کی فضیلت کے لیے کافی ہے۔ لہٰذا اس قول کا درایتاً باطل ہونا بھی واضح ہے۔

امام نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ کا واقعہ

امام نسائی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا واقعہ معروف ہے کہ ملک شام میں جب آپ نے مولائے کائنات مولا مشکل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل پر کتاب تحریر فرمائی تو لوگوں نے آپ سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت پر حدیث بیان کرنے کی گزارش کی اس پر آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے یہی کافی نہیں کہ وہ برابر چھوٹ جائیں چہ جائیکہ ان کی فضیلت بیان کی جائے۔

اس پر موصوف لکھتے ہیں:

''ان سب کتابوں میں یہ بات مشترک ہے کہ فضائل معاویہ میں حدیث پیش کرنے سے قاصر رہنے پر امام نسائی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو شہید کر دیا گیا۔ اس مقام پر یہ ناچیز آپ کو اللہ عزوجل کا واسطہ دے کر پوچھتا ہے کہ بتلایئے! اگر اتنے بڑے محدث کے پاس شانِ معاویہ میں کوئی حدیث ہوتی اگرچہ ضعیف ہی سہی تو وہ موت سے بچنے کی خاطر اس حدیث کو پیش کرنے سے کیوں دریغ کرتے؟ اس سے معلوم ہوا کہ ایسے نقاد محدث کے نزدیک زبانِ زد عام حدیث ''اللھم اجعلہ ھادیا مھدیا'' بھی قابل ذکر نہیں تھی، ورنہ وہ یہی سنا کر جان چھڑا لیتے۔''

(الاحادیث الموضوعات ص۵۱)

امام نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ کے واقعہ سے کہاں ثابت ہوتا ہے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت میں اصلاً کوئی حدیث ہی نہیں بکثرت ایسا ہوتا ہے کہ ایک محدث کے علم میں حدیث نہیں ہوتی جبکہ دوسرے محدثین اس حدیث کو جانتے ہیں اور روایت کرتے ہیں، یہ بات خادم علم حدیث پر مخفی نہیں ہوتی۔

بلکہ بعض اوقات اکابر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر حدیث مخفی رہتی ہے لیکن دوسرے صحابہ کرام علیہم الرضوان اس حدیث کو جانتے ہیں۔ ہم کچھ امثلہ یہاں پیش کرتے ہیں:

سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مانعین زکوۃ کے بارے میں اختلاف ہوا کہ ان سے قتال ہوگا یا نہیں، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ آپ زکاۃ پر نماز کو کیسے قیاس کریں گے، یعنی نماز نہ پڑھنے پر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے قتال کا فرمایا تھا، آپ زکاۃ کو نماز پر قیاس کررہے ہیں، اس پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میں اس شخص سے ضرور قتال کروں گا جو نماز اور زکاۃ کے درمیان فرق کرے، اور زکاۃ مال کا حق ہے جو مجھے بکری کا وہ بچہ دینے سے رکے گا جو وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دیتا تھا میں اس سے قتال کروں گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیش نظر حدیث میں زکاۃ کا تذکرہ نہیں تھا، جبکہ سیدنا ابن عمر اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی حدیث میں خود نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم زکاۃ کا ذکر فرمایا ہے۔

اس پر بعض نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اس حدیث کے صحیح ہونے کو مستبعد قرار دیا کیونکہ اگر یہ حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس ہوتی تو اپنے والد حضرت سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مانعین زکاۃ سے قتال پر بحث سے روکتے کہ زکاۃ نہ دینے پر قتال کا فیصلہ تو خود نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کے کئی جواب دیئے ہیں، فرماتے ہیں:

وقد استبعد قوم صحته بأن الحديث لو كان عند ابن عمر لما ترك أباه ينازع أبا بكر في قتال مانعي الزكاة، ولو كانوا يعرفونه لما كان أبو بكر يقر عمر على الاستدلال بقوله عليه الصلاة والسلام ((أمرت أن أقاتل الناس حتى يقولوا لا إله إلا الله)) وينتقل عن الاستدلال بهذا النص إلى القياس، إذ قال: لأقاتلن من فرق بين الصلاة والزكاة لأنها قرينتها في كتاب الله، والجواب: أنه لا يلزم من كون الحديث المذكور عند ابن عمر أن يكون استحضره في تلك الحالة، ولو كان مستحضرا له فقد يحتمل أن لا يكون حضر المناظرة المذكورة، ولا يمتنع أن يكون ذكره لهما بعد،

ولم يستدل أبو بكر في قتال مانعي الزكاة بالقياس فقط. بل أخذه أيضاً من قوله عليه الصلاة والسلام في الحديث الذي رواه إلا بحق الإسلام. قال أبو بكر: والزكاة حق الإسلام

ولم ينفرد ابن عمر بالحديث المذكور. بل رواه أبو هريرة أيضاً بزيادة الصلاة والزكاة فيه. كما سيأتي الكلام عليه إن شاء الله تعالى في كتاب الزكاة. وفي القصة دليل على أن السنة قد تخفى على بعض أكابر الصحابة ويطلع عليها آحادهم.

''ایک قوم نے اس حدیث کے صحیح ہونے کو مستبعد جانا ہے، اس لیے کہ اگر یہ حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ہوتی تو وہ اپنے والد کو حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مانعین زکاۃ سے قتال کے بارے میں مباحثہ کرنے سے روکتے، اگر وہ لوگ اس حدیث کو جانتے تو حضرت ابو بکر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے قول مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے لڑوں یہاں تک کہ وہ کہہ لیں لا الہ الا اللہ سے استدلال پر باقی نہ رکھتے اور اس نص سے استدلال کی بجائے قیاس کی طرف نہ جاتے، اس لیے کہ آپ نے تو یہ فرمایا تھا کہ میں اس سے قتال کروں گا جو نماز اور زکاۃ میں فرق کرے گا، کیونکہ یہ دونوں کتاب اللہ میں ایک ساتھ ہیں، اور جواب اس کا یہ ہے کہ حدیث مذکور کے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کو مباحثہ کے وقت یہ حدیث مستحضر بھی رہی ہو، اور اگر مستحضر رہی بھی ہو تو اس بات کا بھی احتمال ہے کہ وہ اس مباحثہ میں حاضر ہی نہ ہوں، اور اس سے بھی کوئی مانع نہیں کہ ہوسکتا انہوں نے بعد میں ان دونوں حضرات سے یہ ذکر بھی کردیا ہو، اور حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مانعین زکاۃ سے قتال کے بارے میں فقط قیاس سے استدلال نہیں کیا تھا، بلکہ آپ نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان الا بحق الاسلام سے بھی استدلال کیا تھا، حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: زکاۃ بھی اسلام کا حق ہے، (نیز) حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس حدیث کو روایت کرنے میں منفرد نہیں، بلکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی نماز اور زکاۃ کی زیادتی کے ساتھ اس حدیث کو روایت کیا ہے، جیسا کہ کتاب الزکاۃ میں اس پر تفصیل سے

کلام آئے گا، اس معاملہ میں اس پر دلیل ہے کہ " حدیث بعض اوقات اکابر صحابہ پر مخفی رہ جاتی ہے، اور ان سے چھوٹے اس حدیث کو جانتے ہیں۔" (فتح الباري) ج۱ ص۹۰)

لہٰذا واضح ہوگیا کہ ایک حدیث ایک محدث کے علم میں نہیں تو اس سے لازم نہیں آتا کہ دوسرے کسی محدث کے علم میں بھی وہ حدیث نہ ہو۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کس قدر وسیع المطالعہ محدث ہیں مخفی نہیں، حضرت سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے کہ صحابۂ کرام زمانۂ رسالت میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے دروازے کو ناخنوں سے کھٹکھٹاتے تھے اس کے بارے میں علامہ جلال الدین سیوطی شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

عن شیخ الإسلام: تعب الناس فی التفتیش علیه من حدیث المغیرة فلم یظفروا به، قلت: قد ظفرت به بلا تعب، ولله الحمد، فأخرجه البیهقی فی المدخل

"شیخ الاسلام (حافظ ابن حجر) سے منقول ہے کہ لوگ حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث کی تلاش میں تھک گئے، اور اسے پا نہ سکے، (علامہ سیوطی فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں: میں نے الحمد اللہ بغیر کسی مشقت کے یہ حدیث پالی ہے، اس حدیث کو امام بیہقی نے المدخل میں روایت کیا ہے"۔ (تدریب الراوي) ج۳ ص۱۰٤)

خود علامہ جلال الدین سیوطی شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے حوالے سے ملاحظہ فرمائیں کہ کیا ہر حدیث ان کے علم میں تھی یا انہوں نے اپنی کتب میں ہر حدیث کو نقل کردیا؟ ایسا نہیں ہے، علامہ عبد الرؤف المناوی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی تصنیف الجامع الازہر فی حدیث النبی الانور کی وجہ تصنیف بیان فرماتے ہیں:

ومن البواعث علی تالیف هذا الکتاب أن الحافظ الکبیر الجلال السیوطی ادعی أنه جمع فی کتابه الجامع الکبیر الأحادیث النبویة مع أنه قد فاته الثلث فأکثر، وهذا فیما وصلت إلیه أیدینا بمصر وما لم یصل إلینا أکثر، وفی الأقطار الخارجة عنها من ذلك أکثر، فاغتر بهذه الدعوی کثیر من الأکابر فصار کل حدیث یسأل عنه أو یرید الکشف علیه یراجع الجامع الکبیر، فإن لم یجده فیه غلب علی ظنه أنه لا وجود له، فربما أجاب بما لا أصل له، فعظم بذلك الضرر لکون النفس إلی الثقة

بزعمه الاستيعاب، وتوهم أن ما زاد على ذلك لا يوجد فى كتاب، فأردت التنبيه على بعض ما فاته فى هذا المجموع

''اس کتاب کی تالیف پر ابھارنے والے باتوں میں سے ایک یہ ہے کہ حافظ کبیر جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس بات کا دعوی فرمایا کہ انہوں نے احادیث نبویہ کو اپنی کتاب جامع کبیر میں جمع فرمادیا ہے، حالانکہ ان سے احادیث کا ثلث بلکہ اس سے بھی زائد چھوٹ گیا، اور یہ بھی ان احادیث کے لحاظ سے جن تک مصر میں ہماری رسائی ہے، اور جن تک ہماری رسائی نہیں، اور جو مصر کے علاوہ دیگر شہروں میں ہیں وہ تو اس سے بھی بہت زیادہ ہیں، اس دعوی کی وجہ سے بہت سے اکابر نے دھوکہ کھایا، لہٰذا ہر وہ حدیث جس کے بارے میں ان سے سوال کیا جاتا یا وہ خود اس کے بارے میں جاننا چاہتے تو جامع کبیر کی طرف مراجعت کرتے اگر اس میں نہ پاتے تو ان کے ظن پر یہ بات غالب آتی کہ اس حدیث کا وجود ہی نہیں، بلکہ بسا اوقات تو وہ یہ جواب دیتے کہ اس کی کوئی اصل نہیں، اس وجہ سے ضرر زیادہ ہو گیا کیونکہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ کے استیعاب کے قول پر دل مطمئن ہوتا ہے، اور اس بات کا وہم پیدا ہوتا ہے کہ جو اس کتاب پر زائد ہے وہ حدیث کسی کتاب میں پائی ہی نہیں جاتی، تو میں نے اس کتاب میں بعض چھوٹی ہوئی احادیث سے اس پر تنبیہ کرنے کا ارادہ کیا''۔

(الجامع الأزهر في حديث النبي الأنور صلی اللہ علیہ وسلم ج ۱ ص ۱۳)

امام اہلسنت اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے فتاوی رضویہ میں حافظ ابو زرعہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول نقل کیا:

''امام حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جس جس حدیث کے بارے میں (مرسلا) کہا قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس کی اصل (مسندا) مجھے مل گئی، سوائے چار حدیثوں کے جبکہ امام یحیٰ القطان فرماتے ہیں: ایک یا دو کے علاوہ ہر ایک کی اصل مل گئی۔ یہ قول نقل کرنے کے بعد امام اہلسنت رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

عدم الوجدان لا يقتضى عدم الوجود فلم يفت يحيى إلا واحد أو اثنان ولعل غير يحيى وجد مالم يجده وفوق كل ذى علم عليم.

''یعنی عدم وجدان (کسی حدیث کا نہ پانا) عدم وجود (سرے سے نہ ہونے) کی دلیل نہیں، تو

یحییٰ سے ایک یا دو حدیث رہ گئیں، ممکن ہے یحییٰ کے علاوہ کسی اور کو وہ مل جائیں، اور ہر علم والے سے اوپر ایک علم والا ہے"۔ (فتاوی رضویہ ج ۵ ص ۶۱۴)

اور یہاں تو ایسی کوئی بات ہی نہیں، یہ حدیث امام نسائی پر مخفی رہی لیکن ان سے حدیث میں بہت زیادہ معرفت رکھنے والے امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ پر مخفی نہ رہی، اسی طرح امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ اور کثیر محدثین سے مخفی نہ رہی۔

ثانیاً: سوال یہ اٹھتا ہے: یہ قاعدہ کہاں لکھا ہے کہ جس حدیث کو امام نسائی نہ جانیں وہ حدیث ہے ہی نہیں؟

ثالثاً: امام نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس کلام کا معنی حافظ جمال الدین المزی، حافظ ابن عساکر رحمہا اللہ تعالیٰ کے حوالے سے بیان فرماتے ہیں:

وهذه الحكاية لا تدل على سوء اعتقاد أبي عبد الرحمن في معاوية بن أبي سفيان، وإنما تدل على الكف في ذكره بكل حال. ثم روى بإسناده عن أبي الحسن علي بن محمد القابسي، قال سمعت أبا علي الحسن بن أبي هلال: يقول سئل أبو عبد الرحمن النسائي عن معاوية بن أبي سفيان صاحب رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم، فقال: إنما الإسلام كدار لها باب. فباب الإسلام الصحابة. فمن آذى الصحابة إنما أراد الإسلام. كمن نقر الباب إنما يريد دخول الدار. قال: فمن أراد معاوية فإنما أراد الصحابة.

"یہ حکایت امام ابوعبد الرحمن نسائی کے حضرت معاویہ بن سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں برے اعتقاد پر دلالت نہیں کرتی، محض یہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذکر میں ہر حال میں زبان کی حفاظت کی جائے، پھر حافظ ابن عساکر نے اپنی سند کے ساتھ ابوعلی الحسن بن ابی ہلال سے روایت کیا وہ کہتے ہیں کہ امام ابوعبد الرحمن النسائی سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی حضرت امیر معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: اسلام کی مثال گھر کی طرح ہے جس کا دروازہ ہوتا ہے، اور اسلام کا دروازہ صحابہ ہیں، تو جس نے صحابہ کو اذیت دی اس نے

اسلام کو ہی (اذیت دینے کا) ارادہ کیا، کیونکہ جو دروازے کو توڑتا ہے وہ گھر میں ہی داخل ہونا چاہتا ہے، تو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درپے ہوتا ہے وہ صحابہ ہی کے درپے ہوتا ہے"۔ (تہذیب الکمال) ج۱ ص ۳۳۹)

رابعاً: علی سبیل التسلیم مان لیا جائے کہ امام نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایسا تنقیص کے لیے فرمایا تو گزارش یہ ہے کہ امام نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے امام امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کو ضعیف کہا ہے۔ اس پر ان کا ائمہ نے سخت رد کیا ہے اور بیان کیا کہ ان کا شمار متشددین میں سے ہوتا ہے امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ پر ان کی جرح مردود ہے، پھر ان کا اعتقاد اگر سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں برا ہو تو یہاں ان کی کسی بھی طرح کی جرح کیسے مقبول ہوگی؟ چاہے یہ جرح باعتبار ثقاہت کے ہو یا کسی اور اعتبار سے۔

لہٰذا امام نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس واقعے کو کسی بھی طرح سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تنقیص کے لیے استعمال کرنا جہالت ہے۔

امام حاکم رحمہ اللہ تعالیٰ کا واقعہ

موصوف امام حاکم کے بارے میں لکھتے ہیں:

"انہی مصائب کا سامنا امام حاکم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو بھی کرنا پڑا، ان کے دور کے جاہل پیروں کے مریدین چاہتے تھے کہ وہ شان معاویہ میں کوئی حدیث پیش کریں اور چونکہ ان کے علم میں کوئی قابل ذکر حدیث تھی ہی نہیں اس لیے وہ ان لوگوں کی فرمائش پوری کرنے سے قاصر رہے تو وہ لوگ زیادتیوں پر اتر آئے۔ چنانچہ متعدد علماء کرام نے سند کے ساتھ لکھا ہے کہ ابو عبدالرحمن السلمی بیان کرتے ہیں: میں ابوعبدالحاکم کے پاس گیا جبکہ وہ ابوعبداللہ بن کرام کے پیروکاروں کے مظالم کی وجہ سے اپنے گھر میں محصور ہو کر رہ گئے تھے، ان کا مسجد کی طرف نکلنا ممکن نہیں تھا، اور یہ لیے کہ لوگوں نے ان کا منبر توڑ دیا تھا اور باہر نکلنے سے منع کر دیا تھا، میں نے امام حاکم سے عرض کیا: اگر آپ اس شخص یعنی معاویہ کے فضائل میں کچھ روایت کر دیں اور املاء کرا دیں تو آپ اس مصیبت سے نجات پا جائیں گے، انہوں نے فرمایا: میرا دل نہیں مانتا، میرا دل نہیں مانتا دل نہیں مانتا"۔ (الاحادیث الموضوعات ص۵۱)

اس واقعے کو اگر صحیح تسلیم کر بھی لیا جائے تو بھی اس کی کوئی اہمیت نہیں، وہ ائمہ جنہوں نے یہ واقعہ ذکر کیا ہے، انہوں نے اس سے قبل امام حاکم رحمہ اللہ تعالیٰ کے حوالے سے ابو الفضل ابن طاہر المقدسی کے یہ الفاظ تحریر کیے ہیں:

كان شديد التعصب للشيعة في الباطن، وكان يظهر التسنن في التقديم والخلافة. وكان منحرفا غاليا عن معاوية وأهل بيته يتظاهر به ولا يتعذر منه

''امام حاکم باطن میں شیعہ کے حق میں تعصب رکھتے تھے، اور خلافت وتقدیم میں اہل سنت کا طریقہ ظاہر کرتے تھے، وہ حضرت معاویہ اور ان کے گھرانے سے سخت منحرف تھے، اس پر حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ کا عذر نہیں مانتے تھے''۔

(المنشور من الحكايات والسؤالات. ص ٢٥ طبع دار المنهاج الرياض) (وأطراف الغرائب والأفراد ج ١ ص ٥١ طبع كلاهما لأبي الفضل محمد بن طاهر المقدسي)

اس قول کو ذکر کرنے سے اس واقعے کے بے وقعت ہونے کی طرف واضح اشارہ ہے۔ جبکہ امام سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تو اس واقعے کو تسلیم ہی نہیں کیا اور اس کو جھوٹ قرار دیا ہے۔

ثانیاً: اگر اس واقعے کو تسلیم کیا جائے تو خود یہ امام حاکم کے حق میں طعن بنے گا، ابوعبد الرحمن السلمی ان سے کہہ رہے ہیں آپ حدیث املا کروادیں جس کا واضح معنی ہے کہ امام حاکم کے علم میں احادیث تھیں لیکن ان کا دل نہیں مانتا تھا، جس کا مطلب ہے وہ بوجہ تعصب بیان نہیں کرنا چاہتے تھے۔

مزید جوابات سے قبل ذرا موصوف کی یہ عبارت ملاحظہ فرمالیں:

''اندازہ کیجئے! اولین بادشاہ کے دور میں جو احادیث گھڑی گئی تھیں اور وہ پھیل چکی تھیں، اور پھر وہ عامۃ الناس کے کانوں اور مزاجوں میں رچ بس گئی تھیں، اگر ایسی احادیث بیان واملاء سے کوئی ماہر، نقاد، متقی اور پرہیز گار محدث اجتناب کرتا تو وہ احادیث موضوعہ کے عادی اور رسیا لوگ اسے کیونکر چین سے بیٹھنے دیتے؟ سو جب تک موضوع وباطل روایات کے رسیا محبان معاویہ لوگ باقی رہیں گے اس وقت تک ایسی احادیث سے اجتناب کرنے والوں پر رفض کے فتوے لگتے رہیں گے، مساجد میں داخلے کی ممانعت ہوتی رہے گی اور مصائب وتکالیف بھی آتی رہیں گی''۔ (الاحادیث الموضوعات ص ۵۲)

کس قدر جہالت سے بھرپور یہ عبارت ہے، کیا احادیث صرف سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں گھڑی گئیں؟ کیا آج کل مساجد میں بے علم خطبا جو احادیث بیان کرتے ہیں وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں کرتے ہیں، واقعہ معراج، میلاد کے موقع پر جاہل خطبا بالخصوص آپ کے ایک غیر سید پسندیدہ مقرر کس قدر موضوع اور کس طرح کی روایات بیان کرتے ہیں، حتی کہ بالخصوص محرم الحرام میں اہل بیت اطہار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بارے میں ایسی ایسی من گھڑت روایات اور واقعات بیان کیے جاتے ہیں جو ان کی شان رفیع کے خلاف ہوتے ہیں، اس کے خلاف آپ نے کبھی اپنی زبان کھولی؟ نہیں کھولی نا؟ کیوں؟ اس لیے کے پیٹ کا معاملہ ہے؟ جب کہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں تو کچھ بھی ایسا بیان نہیں کیا جاتا۔

ثانیاً: آپ کے اس اصول کی تو ماقبل میں دھجیاں اڑ چکی ہیں کہ جس کے حق میں احادیث گھڑی جائیں اس کے حق میں کوئی حدیث ہو ہی نہیں سکتی،

ثالثاً: سب سے زیادہ احادیث مولائے کائنات مولا مشکل رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اہل بیت اطہار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی شان میں گھڑی گئیں اور آپ جیسے لوگ ہی اس حوالے سے سب سے زیادہ من گھڑت روایات ذکر کرنے میں مشہور ہیں، تو کیا آپ کے اس قاعدے کا انطباق یہاں پر بھی ہوگا۔؟

موصوف نے امام حاکم کے قول لایجی من قلبی کا ترجمہ خود یہ کیا ہے ''میرا دل نہیں مانتا''، تو جناب یہ تو آپ جیسا انداز ہو گیا کہ میرا دل نہیں مانتا اگر آپ کا دل نہیں مانتا تو ہم کیا کریں، آپ کے دل کے نا ماننے کی وجہ سے ثابت احادیث کا انکار ہو جائے گا؟

کرامیہ پر بھی فیضی صاحب کی نوازشات

صاحب الاحادیث الموضوعات نے تہمت لگانے کے لیے کرامیہ جیسے گمراہ باطل فرقے کو بھی نہیں چھوڑا پہلے تو اپنے ''ماموں'' محمد بن کرام کا تعارف لکھا ہے، پھر اس فرقے کے بارے میں مطلقا احادیث کا گھڑنا لکھا، حالانکہ کرامیہ خذلهم الله تعالیٰ فی الدنیا والآخرة بھی صرف ترغیب اور ترھیب کے باب میں احادیث کو گھڑنے کے قائل تھے، اور فیضی صاحب کی جہالت کی انتہاء کے خود جزئیات نقل کر رہے ہیں جن میں واضح لکھا ہے کہ کرامیہ خذلہم اللہ تعالیٰ ترغیب وترھیب کے باب میں احادیث گھڑنے کے جواز کے قائل تھے، پھر اس کے بعد بھی مطلقا ان کو احادیث گھڑنے والا لکھ دیا، ایسے بدعتی اور گمراہ فرقے پر بھی

فیضی صاحب تہمت لگانے سے باز نہیں آئے۔

ابن سبا کا جانشین

دوسری بات فیضی بے فیض نے ابن سبا کی جانشینی کا حق ادا کرتے ہوئے امیر دعوتِ اسلامی کو محمد بن کرام سے تشبیہ دینے کی کوشش کی، حالانکہ مولانا الیاس قادری صاحب برکاتہم العالیہ کی ذات وہ ہے جس نے اپنے پروگرام میں متعدد بار موضوع احادیث کی نشاندہی کی ہے، آپ کی توجہ تو معمولی مسائل میں دلائی جائے تو فورا رجوع کرتے ہیں، اگر شبہ بھی ہو تو بھی حدیث دیکھ کر پڑھتے ہیں، جبکہ اس کے برعکس فیضی کا حال یہ ہے کہ بغض معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دفاعِ یزید پلید میں حدیث میں بھی قصدا تحریف کرڈالی جیسا کہ آگے اس کا بیان آرہا ہے، اور ان کے پسندیدہ مقرر جن کے خلاف بولنے پر یہ آگ بگولا ہوجاتے ہیں اور سادات کی عزت کی بھی پرواہ نہیں کرتے اس کی تو کئی ویڈیوز موجود ہیں جس میں وہ صریح موضوع حدیث بیان کرتا ہے لیکن فیضی صاحب چپ سادھے بیٹھتے ہیں کیونکہ معاملہ۔۔۔۔

محدثین کرام کے بارے میں نازیبا انداز

امام اسحاق بن راھویہ، امام احمد بن حنبل اور امام عبد اللہ بن مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے قول کی وضاحت ہم کرچکے، امام نسائی اور امام حاکم رحمہا اللہ تعالیٰ کے واقعے کا بھی تفصیلی جواب ہوگیا۔ اب موصوف کے دوسرے گروہ کے بارے میں کلمات ملاحظہ کریں:

> ''اہل تحقیق محدثین کرام میں سے اکثر نے امام اسحاق بن راھویہ کی تحقیق سے قولا اتفاق کیا ہے اور کچھ نے سکوتا اتفاق کیا ہے، جیسا کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے علاوہ صحاح ستہ کے باقی محدثین کا شان معاویہ میں ''کوئی واضح حدیث نہ لانا یا نہ لاسکنا'' اس سکوتی اتفاق کی روشن دلیل ہے۔ ان کے برعکس بعض محدثین فضائل معاویہ میں احادیث موضوعہ کی کثرت سامنے مرعوب ہوگئے تو گومگو کی کیفیت کے ساتھ دو تین احادیث کو کسی نہ کسی کھاتے میں ڈالنے پر مجبور ہوگئے، جیسا کہ امام ابن عساکر رحمۃ اللہ تعالیٰ وغیرہ، لیکن یہ ان کی غلط فہمی ہے ان شاء اللہ عزوجل ہم اس غلط فہمی پر مفصل گفتگو کریں گے''۔ (ص ۵۵)

اور ہم ان شاء اللہ عزوجل نہ صرف آپ کی خوش فہمی کو دور کریں گے ساتھ ہی آپ کی خیانتیں بھی عوام اہل سنت کے سامنے طشت از بام کریں گے۔

قارئین کرام! اول تو ان کے محدثین کے لیے الفاظ دیکھیں: نہ لانا یا نہ لاسکنا اس سکوتی اتفاق کی دلیل ہے ان کے برعکس بعض محدثین فضائل معاویہ میں احادیث موضوعہ کی کثرت سامنے مرعوب ہو گئے... الخ۔

یعنی یہ محدثین لانا چاہتے تھے لیکن نہیں لا سکے، اور بعض لائے بھی تو مرعوب ہوکر، یہ محدثین کی خدمت کا کیسا صلہ دے رہے ہیں صرف اور صرف اس لیے کہ انہوں نے کیوں سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت میں حدیث روایت کی۔

اگر کثرت کی بات کریں تو ابھی گزرا کہ روافض نے سیدنا مولائے کائنات اور اہل بیت اطہار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے حق میں تین لاکھ احادیث گھڑیں، تو آپ کے اس مزعومہ اصول پر اگر کوئی خارجی یا ناصبی آپ جیسے دلائل دے کر یہ کہے کہ جتنی بھی احادیث اس باب میں آئیں ہیں وہ محدثین نے مرعوب ہوکر روایت کی ہیں تو کیا جواب ہوگا؟ ہم آپ جیسی فکر اور فکرِ خوارج ونواصب سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتے ہیں۔

موصوف کو مسلسل یہ تکلیف رہی ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر ایمان لانے والوں میں کسی اور کے حق میں احادیث نہیں آئیں صرف حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں کیوں آئی ہیں۔

اقول: یہ اللہ عزوجل کا فضل ہے اور نگاہ مصطفیٰ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عنایت ہے، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صہر تھے، پھر نگاہ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ملاحظہ بھی فرمایا تھا کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو طویل حکمرانی نصیب ہوگی اسی لیے دعا بھی دی فضیلت بھی عطا فرمائی۔

اب تک کی گفتگو سے آپ کے سامنے ظاہر ہو چکا ہے، کہ موصوف کس قدر خیانت سے کام لینے کے عادی ہیں، اگلے صفحات میں ہم ان احادیث کی تحقیق ذکر کریں گے جو سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل میں آئی ہیں اور فیضی صاحب نے کس طرح اصول محدثین سے کھلواڑ کیا وہ بھی دکھائیں گے البتہ اس سے قبل موصوف کو اس کی خواہش کے مطابق امام اہلسنت رحمہ اللہ تعالیٰ کا مؤقف بتا دیں۔

اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کی کیا تحقیق ہے؟

فیضی صاحب لکھتے ہیں:

''کہا جاتا ہے فضائل یا دفاع معاویہ میں فاضل بریلوی نے بھی متعدد رسائل لکھے ہیں، اگر یہ بات صحیح ہو اور واقعی کسی کے پاس ان کے رسائل میں سے کوئی رسالہ موجود ہو تو ازراہِ کرم اس ناچیز کو ضرور عنایت فرمایا جائے، میں اس خاص موضوع پر ان کی تحقیق سے آگاہی ضروری سمجھتا ہوں۔'' (الاحادیث الموضوعات ص ۳۸)

لیجئے! ہم آپ کو امام اہلسنت رحمہ اللہ تعالیٰ کے اپنے الفاظ میں ان کے رسائل کے نام بتادیتے ہیں، اور مزید فتاوی رضویہ سے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں کیا مؤقف ہے وہ بھی بتادیتے ہیں ان میں سے بعض عبارات پیچھے بھی گزر چکی ہیں، لیکن آپ ماننا چاہیں تو آپ کی تسلی کے لیے دوبارہ عرض کیے دیتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: مسئلہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تحقیق و تنقیح فقیر کے رسالہ البشری العاجلة من تحف أجلة ورسالہ الأحادیث الراویة لمدح الأمیر المعاویة ورسالہ عرش الإعزاز والإکرام لأول ملوك الإسلام ورسالہ ذب الأهواء الواهیة فی باب الأمیر معاویہ وغیرہا میں ہے:

وفقنا الله تعالى بمنه و كرمه لترصيفها وتبيينها ونفع بها وبسائر تصانيفي أمة الإسلام بفهمها وبتنقيها آمين بأعظم القدرة واسع الرحمة آمين صلى الله تعالى وبارك وسلم على سيدنا محمد وآله وصحبه وسلم. (منہیہ فتاوی رضویہ ج ۵ ص ۴۷۸)

مزید فرماتے ہیں:

''تفسیقیہ کہ بعض صحابہ کرام مثل امیر معاویہ و عمرو بن عاص و ابوموسیٰ اشعری و مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بُرا کہتے ہیں ان کے پیچھے نماز بکراہت شدیدہ تحریمیہ مکروہ ہے کہ انھیں امام بنانا حرام ان کے پیچھے نماز پڑھنی گناہ اور جتنی پڑھی ہوں سب کا پھیرنا واجب''۔

(فتاوی رضویہ جلد ۶ ص ۶۲۶)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

''بالجملہ ہم اہلِ حق کے نزدیک حضرت امام بخاری کو حضور پُرنور امام اعظم سے وہی نسبت ہے جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور پُرنور امیر المومنین مولی المسلمین سیدنا ومولٰنا علی

المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الاسنیٰ سے کہ فرقِ مراتب بے شمار اور حق بدست حیدر کرار، مگر معاویہ بھی ہمارے سردار، طعن اُن پر بھی کارِ فجار، جو معاویہ کی حمایت میں عیاذ باللہ اسد اللہ کے سبقت واولیت وعظمت واکملیت سے آنکھ پھیر لے وہ ناصبی یزیدی، اور جو علی کی محبت میں معاویہ کی صحابیت ونسبت بارگاہِ حضرت رسالت بُھلادے وہ شیعی زیدی''۔

(فتاوی رضویہ جلد ۱۰ ص ۲۰۱)

مزید فرماتے ہیں:

''اس کے بعد کوئی بکے اپنا سر کھائے خود جہنم جائے۔ علامہ شہاب الدین خفاجی نسیم الریاض شرح شفاء امام قاضی عیاض میں فرماتے ہیں:

ومن یکون یطعن فی معاویۃ. فذلک کلب من کلاب الھاویۃ۔

''جو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر طعن کرے وہ جہنم کے کتوں میں سے ایک کتا ہے۔''

(فتاوی رضویہ جلد ۲۹)

اور فرماتے ہیں:

''حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا کسی صحابی کو برا کہنا رفض ہے''۔

(فتاوی رضویہ ج ۲۴ ص ۵۰۸)

حدیث: یکون بعد اثنا عشر خلیفۃ أبو بکر الصدیق لا یلبث إلا قلیلا میرے بعد بارہ خلیفہ ہوں گے ابوبکر تھوڑے ہی دن رہیں گے۔ کی تشریح میں فرماتے ہیں: اس سے مراد وہ خُلفاء ہیں کہ والیانِ اُمّت ہوں اور عدل وشریعت کے مطابق حکم کریں، ان کا متصل مسلسل ہونا ضرور نہیں۔ نہ حدیث میں کوئی لفظ اس پر دال ہے، اُن میں سے خلفائے اربعہ وامام حسن مجتبیٰ وامیر معاویہ وحضرت عبداللہ بن زبیر وحضرت عمر بن عبدالعزیز معلوم ہیں اور آخر زمانہ میں حضرت سیدنا امام مہدی ہوں گے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ یہ نو ہوئے باقی تین کی تعیین پر کوئی یقین نہیں۔ (فتاوی رضویہ جلد ۲۷ ص ۵۱)

اس کے علاوہ امام اہلسنت رحمہ اللہ تعالیٰ نے العلل المتناہیہ پر اپنی تعلیقات میں سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں ایک صحیح حدیث اور دو حسن حدیثیں ذکر کی ہیں، جس کی تفصیل آگے کتاب میں آئے گی۔

اگر آپ کہیں گے تو اعلی حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کے اور بھی ملفوظات آپ کو پیش کر دیئے جائیں گے۔

اب ان شاء اللہ عزوجل ہم فضائل سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں وارد احادیث پر فیضی کے اعتراضات کا جواب ذکر کریں گے۔ لیکن ہم اس بات کی پہلے وضاحت کر چکے ہیں کہ ہمارا اس کتاب سے مقصود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے صحابی کا دفاع کرنا، علمی و تحقیقی جواب دینا، اور ائمہ اہلسنت کے مؤقف کو واضح کرنا ہے، کسی کی بے جا حمایت ہمارا مقصود نہیں، کتاب فیضان امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بعض روایت پر کلام ہوسکتا ہے۔ لیکن اس کو آڑ بنا کر ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہدفِ تنقید بنانے کی کسی کو اجازت نہیں دی جائے گی، کراچی کے بعض احباب کے ذریعے المدینۃ العلمیہ کے ایک ذمہ دار سے بات ہوئی اور کچھ روایات پر گفتگو ہوئی تو انہوں نے اطلاع دی کہ اس پر مفتی حسان صاحب قبلہ پہلے ہی تنبیہ کر چکے ہیں، اگلے ایڈیشن میں بعض روایات کو خارج کر دیا جائے گا۔ یہ حق کو قبول کرنا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو شاد و آباد رکھے۔

حدیث اَللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ الْكِتَابَ وَالْحِسَابَ وَقِهِ الْعَذَاب

حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ خوش نصیب صحابی ہیں جن کے لیے نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے مختلف اوقات میں دعا فرمائی۔

ایک حسن حدیث میں یہ دعا مذکور ہے: (اَللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ الْكِتَابَ وَالْحِسَابَ وَقِهِ الْعَذَاب) اے اللہ! اس کو کتاب وحساب کا علم عطا فرما اور اسے عذاب سے بچا۔

یہ حدیث مبارک پانچ صحابہ کرام علیہم الرضوان حضرت عرباض بن ساریہ، حضرت عبد الرحمن بن ابی عمیرہ، حضرت عبد اللہ بن عباس، حضرت مسلمہ بن مخلد، اور حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے باسانیدہ مختلفہ مروی ہے۔

حدیث عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

امام احمد اپنی مسند اور کتاب فضائل الصحابہ میں، حافظ ابن عساکر تاریخ دمشق اور معجم الشیوخ میں، حافظ ابن خزیمہ و ابن حبان اپنی صحیح میں، امام آجری الشریعۃ میں، امام طبرانی معجم کبیر اور مسند الشامیین میں، حافظ بزار اپنی مسند میں اور حافظ حمزہ الکنانی جزء البطاقۃ میں، اپنی اپنی اسانید کے ساتھ معاویہ بن صالح سے روایت کرتے ہیں وہ یونس بن سیف سے وہ حارث بن زیاد اور وہ ابو رھم السماعی سے اور وہ حضرت عرباض

بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعا اس حدیث کو روایت کرتے ہیں۔ (فضائل الصحابة) ج ۲ ص ۱۱۵۷ رقم ۱۷٤۸) (صحیح ابن خزیمة) ج ۲ ص ۹۳۲ رقم ۱۹۳۸) (مسند البزار) ج ۱۰ ص ۱۳۸ رقم ٤۲۰۲) (صحیح ابن حبان) ج ۱٦ ص ۱۹۲ رقم ۷۲۱۰) (المعجم الکبیر) ج ۱۸ ص ۲۵۲ رقم ٦۲۸) (مسند الشامیین) ج ۳ ص ۱٦۹ رقم ۲۰۱۰) (جزء البطاقة) ص ۵۵ رقم ۱۱) (الشریعة للآجري) ن د رقم ۱۹۱۱) (معجم الشیوخ لابن عساکر) ج ۲ ص ۱۰٤۱ رقم ۱۳٤۱)

امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کو عبد الرحمن بن مہدی رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے۔ آپ امام ثقہ ثبت راوی ہیں، حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

ثقة، ثبت، حافظ، عارف بالرجال والحديث، قال ابن المديني: ما رأيت أعلم منه

"ثقہ ثبت حافظ اور رجال وحدیث کے عارف ہیں، علی بن مدینی فرماتے ہیں: میں نے ان سے بڑھ کر علم والا نہیں دیکھا"۔ (تقریب التہذیب) ص ۳۸۳ رقم ٤۰۱۸)

عبد الرحمن بن مہدی اس حدیث کو معاویہ بن صالح سے روایت کرتے ہیں۔

معاویہ بن صالح کو امام احمد، یحییٰ بن معین، عبد الرحمن بن مهدی، علی بن المدینی، امام بزار، امام عجلی، ابوزرعہ رازی، امام نسائی، ابن حبان وغیرہ نے ثقہ قرار دیا ہے۔

(إکمال تهذیب الکمال) ج ۱۱ ص ۲٦۹-۲۷۲ رقم ٤٦٤۲) (تهذیب التهذیب) ج ۸ ص ۲٤٤-۲٤٦ رقم ۷۰٤۰) (تاریخ اسماء الثقات) ص ۲۸۷ رقم ۱۳٦۸) (کتاب الثقات لابن حبان) ج ۷ ص ٤۷۰ رقم ۱۰۹۹۰) (الثقات للعجلی) ج ۲ ص ۲۸٤ رقم ۱۷٤٦) (العلل ومعرفة الرجال روایة المروزی والمیمونی) ص ۱۷۰ رقم ۳۸۸)

معاویہ بن صالح اس حدیث کو یونس بن سیف الکلاعی سے روایت کرتے ہیں۔

یونس بن سیف الکلاعی کو امام دارقطنی، حافظ ابن حبان نے ثقہ فرمایا جبکہ امام بزار نے صالح الحدیث کہا ہے۔ (کتاب الثقات) ج ۵ ص ۵۵۵ رقم ٦۲۱۲) (التکمیل في الجرح والتعدیل ومعرفة الثقات والضعفاء والمجاهیل لابن کثیر) ج ۲ ص ٤۸۰ رقم ۱۷۲٦) (سؤالات أبي بکر البرقاني للدارقطني) ص ۱٤٦ رقم ۵٦۸) (تهذیب التهذیب) ج ۹ ص ٤٦۱ رقم ۸۱۸۹)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

يونس بن سيف الكلاعي، عن أبي إدريس وعمرو بن الاسود، وعنه الزبيدي ومعاوية بن صالح، ثقة

''یونس بن سیف الکلاعی، ابو ادریس اور عمرو بن الاسود سے روایت کرتے ہیں، اور ان سے زبیدی اور معاویہ بن صالح روایت کرتے ہیں یہ ثقہ راوی ہیں''۔

(الکاشف) ج ٤ ص ٥٥٣ رقم ٦٤٧٠)

یونس بن سیف اس حدیث کو حارث بن زیاد الشامی سے روایت کرتے ہیں۔

حارث بن زیاد کے بارے میں اختلاف ہے کہ یہ صحابی ہیں یا نہیں، صحیح یہ ہے کہ یہ صحابی نہیں، ان کو ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے، اور اپنی صحیح میں ان سے روایت کی ہے، اسی طرح حافظ ابن خزیمہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی روایت اپنی صحیح میں ذکر کی ہے، حافظ ابو الحسن ابن القطان نے بھی ان کی حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔

چونکہ ان سے فقط یونس بن سیف روایت کرتے ہیں اس لیے ان پر یہ جرح کی گئی کہ یہ مجہول ہیں، چنانچہ امام ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں: مجهول، وعنه يونس بن سيف فقط۔

(میزان الاعتدال)) ج ٢ ص ١٦٨ رقم ١٦١٩)

حافظ علاء الدین المغلطائی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اکمال تہذیب الکمال میں اولا اس بات کا ذکر کیا کہ ان سے حافظ ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے، جبکہ ابن حبان نے ان کو ثقات تابعین میں ذکر کیا ہے، حافظ بزار کا قول ان کے بارے میں ذکر کیا کہ وہ کسی بڑے کو نہیں جانتے جو ان سے روایت کرتے ہوں، امام ابوالحسن ابن القطان رحمہ اللہ تعالیٰ کے حوالے سے لکھا کہ ان کی حدیث حسن ہے۔ پھر امام ذہبی کا نام لیے بغیر ان کا سخت رد کیا کہ انہوں نے اسے مجہول کہا حالانکہ ان سے پہلے کسی نے اس راوی کو مجہول نہیں کہا۔

اس پر اکمال کے حاشیہ میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا: ''امام ذھبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے میزان کے مقدمہ میں اس بات کی صراحت کی ہے کہ جب وہ کسی راوی کو مجہول کہیں اور اس کی نسبت کسی کی طرف نہ کریں تو اس کے قائل ابو حاتم رازی ہوتے ہیں، یہاں بھی یہی معاملہ ہے، (کسی قائل کا ذکر کیے بغیر مجہول کہا ہے) لہٰذا امام ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ سے پہلے اس راوی کو مجہول کہنے والے ابو حاتم رازی ہیں۔ (اکمال تهذيب الكمال مع الحاشية) ج ٣ ص ٢٩٠ رقم ١٠٧٥)

یہاں تو حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے امام ذہبی کے قاعدے کے مطابق مجہول کا قائل ابو حاتم رازی کو بیان کیا، لیکن تہذیب التہذیب میں خود یہ ارشاد فرمایا: جو بات میرے لیے ظاہر ہوئی وہ یہ

ہے کہ حافظ ابو حاتم رازی نے جس کو مجہول کہا ہے وہ کوئی اور راوی ہیں، ہاں اس راوی کو حافظ ابن عبدالبر نے اس کے حالات میں مجہول لکھا ہے، اور اس کے بارے میں یہ فرمایا کہ اس کی حدیث منکر ہے۔

(تہذیب التہذیب) ج ۲ ص ۱۱۲ رقم ۱۰۶۹)

اس سے معلوم ہوا کہ اس راوی کو مجہول کہنے والے ابن عبد البر رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں، انہوں نے اپنی کتاب الاستیعاب میں حارث کے بارے میں لکھا ہے: **مجھول لا یعرف** مجہول غیر معروف ہیں۔

(الاستیعاب) ج ۳ ص ۱۴۲۰)

البتہ یہ الفاظ ان کی کتاب میں نہیں ہیں، کہ ان کی حدیث منکر ہے۔

شیخ الاسلام حافظ ابن رسلان رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ تعالیٰ کے حوالے سے فقط ان کا مجھول ہونا لکھا ہے۔ (شرح ابن رسلان علی سنن أبي داود) ج ۱۰ ص ۳۲۸)

حافظ زین الدین العراقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی حافظ ابن عبد البر رحمہما اللہ تعالیٰ سے صرف **مجھول لا یعرف** کے الفاظ "طرح التثریب" میں ذکر کیے ہیں۔ (طرح التثریب في شرح التقریب) ج ۱ ص ۱۱۴)

لیکن ان کا مجہول العین ہونا کچھ مضر نہیں، اس لیے کہ جب کسی راوی سے ایک ہی راوی روایت کرنے والا ہو، لیکن اس کی توثیق کسی دوسرے محدث نے کی ہو یا اسی روایت کرنے والے نے ہی کی ہو جبکہ یہ توثیق کرنے کے اہل ہوں تو ایک قول پر اس راوی کی حدیث مقبول ہوتی ہے۔ ثانیا یہاں اس کے کئی شواہد موجود ہیں، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

فإن سمی الراوی وانفرد راو واحد بالرواية عنه فهو مجهول العين كالمبهم. فلا يقبل حديثه إلا أن يوثقه غير من ينفرد عنه على الأصح، و كذا من ينفرد عنه إذا كان متأهلا لذلك

"اگر راوی کا نام ذکر کیا گیا ہو اور اس سے ایک ہی راوی روایت کرتا ہو تو وہ مجہول العین ہے، یہ مبہم کی مثل ہے، اس کی حدیث کو قبول نہیں کیا جائے گا مگر یہ کہ جو اس سے روایت کرنے میں متفرد ہے اس کے علاوہ کوئی اور اس کی توثیق کرے، تو علی الاصح (اس کی روایت کو قبول کیا جائے گا) یا اسی طرح وہ اس کی توثیق کرے جس نے اس سے روایت کیا ہے جب کہ وہ توثیق

کے اہل ہوں''۔ (نخبۃ الفکر مع شرح بھجۃ النظر) ص٣٨٤-٣٨٥)

حارث بن زیاد الشامی اس حدیث کو ابورھم السمعی سے روایت کرتے ہیں۔

ابورھم السمعی ان کا نام احزاب بن اسید ہے، ان کے بارے میں اختلاف ہے کہ یہ صحابی تھے یا نہیں، صحیح یہ ہے کہ یہ مخضرمین میں سے تھے اور ثقہ راوی ہیں۔ حافظ ابن حبان، عجلی، ابن خلفون نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے۔ (کتاب الثقات) ج ٤ ص ٦٠ رقم ١٨٢٢) (الثقات للعجلي) ج ٢ ص ٤٠١ رقم ٢١٤٨) (إكمال تہذیب الکمال) ج ٢ ص ١٥-١٦ رقم ٣٣٠) (تہذیب التہذیب) ج ١ ص ٢٠٨ رقم ٣١٣)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

مختلف فی صحبته، والصحیح أنه مخضرم، ثقة (تقریب التہذیب) ص ١٣٥ رقم ٢٨٦)

حضرت ابورہم رحمہ اللہ تعالیٰ اس حدیث کو صحابی رسول حضرت سیدنا عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

محدثین کے حدیث مذکور پر احکام

محدث علامہ حیات سندی رحمہ اللہ تعالیٰ اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں:

روی الإمام أحمد فی مسنده بسند لا بأس به

''امام احمد نے اپنی مسند میں اس حدیث کو ایسی سند سے روایت کیا ہے جس میں کوئی حرج نہیں''۔ (أحادیث في فضائل معاویۃ رضي اللہ تعالیٰ عنہ) ص١ ق)

اعلیٰ حضرت امام اہلسنت رحمہ اللہ تعالیٰ نے العلل المتناہیہ پر اپنی تعلیقات میں اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔

حضرت علامہ عبدالعزیز پرھاروی رحمہ اللہ تعالیٰ کے کلام کا تقاضہ بھی اس حدیث کے کم از کم حسن ہونے کا ہے۔ (الناھیة عن طعن أمیر المؤمنین معاویة) ص ١٠٥)

حافظ ابن خزیمہ اور حافظ ابن حبان رحمہما اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کو اپنی صحیح میں روایت کیا ہے، جس کا واضح معنی ہے کہ یہ حدیث ان دونوں حضرات کے نزدیک صحیح ہے۔

حافظ ابن عساکر، حافظ سیوطی، حافظ طاہر پٹنی گجراتی اور حافظ ابن عراق الکنانی رحمہم اللہ تعالیٰ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل میں وارد اصح احادیث میں اس کو شمار کیا ہے۔ کما تقدم!

اس سند کے ساتھ اس حدیث کی تحقیق آپ نے ملاحظہ فرمالی، اور احکام محدثین بھی ملاحظہ فرمائے۔
حدیث عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعدد شواہد کتب احادیث میں مذکور ہیں، یہاں ہم اس میں سے دو شاہد ذکر کرتے ہیں۔

شاہد اول: حضرت مسلمہ بن مخلد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث:

امام طبرانی رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں:

حدثنا محمد بن علی بن شعیب السمسار، ثنا خالد بن خداش، ثنا سلیمان بن حرب، عن أبی هلال الراسبی، عن جبلة بن عطیة عن مسلمة بن مخلد: أن النبی صلی الله تعالی علیه وآله وسلم قال لمعاویة: ((اللهم علمه الکتاب والحساب ومکن له فی البلاد)) (المعجم الکبیر) ج١٩ ص٤٣٩ رقم١٠٦٦)

اس کے پہلے راوی محمد بن علی بن شعیب السمسار ہیں۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

قال الدارقطنی: وکان ثقة. (تاریخ الاسلام) ج٢١ ص٢٨١)

دوسرے راوی خالد بن خداش ہیں۔ ان کی یحیی بن معین، ابو حاتم رازی، صالح بن محمد بغدادی، ابن سعد، یعقوب بن شیبہ، سلیمان بن حرب، ابن قانع اور ابن حبان نے تعدیل کی ہے۔

(الجرح والتعدیل) ج٣ ص٣٢٣ رقم١٤٦٨) (الثقات) ج٨ ص٢٢٥ رقم١٣١٣٥) (تہذیب التہذیب) ج٣ ص٥٠٥)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

الإمام الحافظ الصدوق، قال أبو حاتم وغیره: هو صدوق، وقال زکریا الساجی: فیه ضعف، قلت: أبلغ ما نقموا علیه أنه ینفرد بأحادیث عن حماد بن زید، وهذا لا یدل علی لینه، فإنه لازمه مدة.

''یہ امام حافظ صدوق راوی ہیں، ابو حاتم وغیرہ نے ان کے بارے میں فرمایا: یہ صدوق ہیں، زکریا ساجی کہتے ہیں: ان کچھ ضعف ہے، میں (حافظ ذہبی) کہتا ہوں: ان پر زیادہ سے زیادہ محدثین نے جو جرح کی ہے وہ ان کا حماد بن زید کی احادیث کے ساتھ منفرد ہونا ہے، اور یہ بات ان کے ضعف پر دلالت نہیں کرتی کیونکہ یہ ان کے ساتھ ایک مدت تک رہے ہیں''۔

(سیر أعلام النبلاء) ج١٠ ص٤٨٩ رقم١٦٢)

تیسرے راوی سلیمان بن حرب ہیں، یہ ثقہ امام ہیں، اور ان ائمہ سے ہیں جو صرف ثقہ سے روایت کرتے ہیں،

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

قاضی مكة، ثقة، إمام، حافظ. (تقریب التہذیب) ص ۲۸۴ رقم ۲۰۴۰)

ابو حاتم رازی رحمہ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

كان سليمان بن حرب قل من يرضى من المشايخ، فإذا رأيته قد روى عن شيخ، فاعلم أنه ثقة.

"سلیمان بن حرب بہت کم ہی مشائخ سے راضی ہوتے تھے، جب تم دیکھو یہ کسی شیخ سے روایت کررہے ہیں تو جان لو کہ وہ ثقہ راوی ہے"۔ (الجرح والتعدیل) ج ۷ ص رقم ۱۳۹۹)

چوتھے راوی محمد بن سلیم ابو هلال الراسبی ہیں۔ یہ مختلف فیہ راوی ہیں، امام یحیٰی بن معین، امام ابوداود، سلیمان بن حرب وغیرہ نے ان کی توثیق کی ہے، بعض دیگر نے ان پر جرح کی ہے۔

(تہذیب التہذیب) ج ۷ ص ۱۸۲-۱۸۳ رقم ۶۱۵۵)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وهو صدوق فيه لين. (تقریب التہذیب) ص ۵۱۱ رقم ۵۹۲۳)

پانچویں راوی اس کے جبلہ بن عطیہ ہیں، یہ بھی ثقہ راوی ہیں، حافظ ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

جبلة بن عطية، عن بن محيريز وغيره، وعنه هشام بن حسان وحماد بن سلمة، ثقة.

(الکاشف) ج ۲ ص ۲۰۰ رقم ۷۵۶)

حافظ نور الدین الھیثمی رحمہ اللہ تعالیٰ اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں:

وجبلة لم يسمع من مسلمة فهو مرسل، ورجاله وثقوا وفيهم خلاف

"جبلہ نے حضرت مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سے نہیں سنا، پس یہ حدیث مرسل ہے اور اس کے رجال کی توثیق کی گئی ہے، اور ان میں سے بعض کے بارے میں اختلاف ہے"۔

(مجمع الزوائد) ج ۱۹ ص ۲۹۹ رقم ۱۵۸۹۲)

بیان کردہ تفصیل کے مطابق اس میں علت فقط ارسال کی ہے۔ اور یہ علت ایسی نہیں جو شاہد بننے سے مانع ہو۔

حدیث عبد الرحمن بن ابی عمیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اس حدیث کا دوسرا شاہد حضرت سیدنا عبد الرحمن بن ابی عمیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے۔ جسے امام طبرانی نے مسند الشامیین میں اور ان ہی کے طریق سے حافظ ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں روایت کیا ہے۔

عن عبد الرحمن بن أبي عميرة المزني، وكان من أصحاب النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم أن النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم، قال لمعاوية: اللهم علمه الكتاب والحساب وقه العذاب. (مسند الشامیین) ج١ ص١٩٠ رقم ٣٣٣)

اس حدیث کے راویوں کے بارے میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ تاریخ الاسلام میں فرماتے ہیں:

هذا الحديث رواته ثقات، لكن اختلفوا في صحبة عبد الرحمن، والأظهر أنه صحابي

''اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں، لیکن عبد الرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحابیت کے بارے میں اختلاف ہے، اور زیادہ ظاہر یہی ہے کہ یہ صحابی ہیں''۔ (تاریخ الاسلام) ج٤ ص٣٠٩)

جبکہ سیر اعلام النبلاء میں اس حدیث کو حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کے لیے شاھد قوی قرار دیا ہے۔ (سیر أعلام النبلاء) ج٣ ص١٢٤)

ائمہ حدیث کی تصریحات اور بیان کردہ تفصیلات سے واضح ہوگیا کہ یہ حدیث حسن ہے۔

محقق جدید کی تحقیقات جدیدہ

اب آئیں محقق جدید کی تحقیقات جدیدہ کا جائزہ لیتے ہیں۔

موصوف ظہور فیضی پہلے تو لکھتے ہیں: ''یاد رکھنا چاہیے کہ سابقین صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی شان میں فردا فردا جس قدر احادیث آئی ہیں، ایسی ہر ہر حدیث کے مقابلہ میں امیر شام کی شان میں ان کی بادشاہی کی بدولت احادیث گھڑی گئیں، اور آج تک وہ حدیثیں کتب میں موجود ہیں۔ یہ حدیث سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی شان میں واردشدہ حدیث کے مقابلہ میں گھڑی گئی ہے۔

(الاحادیث الموضوعہ ص٧٦)

اقول وباللہ التوفیق! اوّلاً: تو اس پر آپ کو وہ تمام احادیث پیش کرنا ہوں گی جو سابقین اولین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی فضیلت میں آئی ہیں، اور ان تمام کے مقابل سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں گھڑی ہوئی احادیث کو بیان کرنا ہوگا، ورنہ آپ جھوٹے قرار پائیں گے۔ صرف سیدنا صدیق اکبر اور سیدنا مولا مشکل کشا رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی شان میں احادیث طیبہ سینکڑوں کی تعداد میں ہیں، آپ وہ تمام جمع کر سکتے ہیں اور ان کے مقابل حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں کون سی احادیث گھڑی گئی ہیں یہ بیان کر سکتے ہیں؟

ثانیاً: یہ تمام ائمہ جو اس حدیث کو روایت کر رہے ہیں جن میں خود امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ بھی شامل ہیں وہ فضیلت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں اسے ذکر کر رہے ہیں، ان کو معلوم ہی نہیں کہ یہ حدیث تو سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مقابل گھڑی گئی ہے، آپ کو کہاں سے معلوم ہوا؟ عالم رؤیا میں بطریق منام؟

اس کے راوی معاویہ بن صالح کے بارے میں موصوف لکھتے ہیں: ''اس کی سند میں ایک شخص معاویہ بن صالح ہے اس کے بارے میں اگرچہ تعدیل کے اقوال بھی ملتے ہیں مگر اہل شام کے بارے میں اس کی روایت کے بارے میں تحفظات کا اظہار کیا گیا ہے۔ (٧٦)

اقول: اوّلاً: معاویہ بن صالح جمہور کے نزدیک ثقہ راوی ہیں جس کی تفصیل ماقبل میں گزر چکی، اور موصوف ایسے لکھ رہے ہیں جیسے جمہور کے نزدیک ضعیف ہوں اور بعض نے ایسے ہی چلتے پھرتے ان کی تعدیل کردی ہو، موصوف یحییٰ بن سعید القطان کے جرح کے قول کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے، حالانکہ یہاں یحییٰ بن سعید القطان کے قول کا محدثین نے رد کیا ہے۔

امام دارقطنی رحمہ اللہ تعالیٰ نے معاویہ بن صالح کے طریق سے ایک حدیث روایت کرنے کے بعد فرمایا:

إسنادہ حسن صحیح، اس کی سند حسن صحیح ہے۔ (سنن الدارقطني) ج ٣ ص ٩٨ رقم ٢١٤٩)

اس پر ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب التحقیق میں لکھا:

وهذه عصبية من الدارقطني، كان يحيى بن سعيد لا يرضى معاوية بن صالح، وقال أبو حاتم: لا يحتج به.

''یہ دارقطنی کی طرف سے تعصب ہے، یحیی بن سعید، معاویہ بن صالح سے مطمئن نہ تھے، اور حافظ ابو حاتم رازی نے کہا: اس سے احتجاج نہیں کیا جاسکتا''۔

(التحقیق في أحادیث الخلاف) ج ۲ ص ۷۵ رقم ۱۰۶٤)

امام زیلعی رحمہ اللہ تعالیٰ حافظ ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

قال فی "التنقیح": لیست العصبیة من الدارقطنی، وإنما العصبیة منه، فإن معاویة بن صالح ثقة صدوق، وثقه أحمد بن حنبل، وعبد الرحمن بن مهدی، وأبو زرعة، وقال ابن أبی حاتم: سألت عنه، فقال: حسن الحدیث، صالح الحدیث، واحتج به مسلم فی صحیحه، ولم یرو شیئا خالف فیه الثقات، وکون یحیی بن سعید کان لا یرضاه، غیر قادح فیه، فإن یحیی شرطه شدید فی الرجال، وکذلک قال: لو لم أرو إلا عمن أرضی ما رویت إلا عن خمسة، وقول أبی حاتم: لا یحتج به، غیر قادح أیضا، فإنه لم یذکر السبب، وقد تکررت هذه اللفظة منه فی رجال کثیرین من أصحاب الثقات الأثبات من غیر بیان السبب، کخالد الحذاء، وغیره، والله أعلم.

''(ابن عبد الهادی نے) تنقیح میں کہا: عصبیت دارقطنی کی طرف سے نہیں بلکہ عصبیت ابن جوزی کی طرف سے ہے، کیونکہ معاویہ بن صالح ثقہ صالح ہیں، امام احمد بن حنبل، عبد الرحمن بن مہدی، ابو زرعہ نے ان کی توثیق کی ہے، اور ابن ابی حاتم کہتے ہیں: میں نے ان کے بارے میں سوال کیا تو کہا: حسن الحدیث، صالح الحدیث ہیں، اور ان سے امام مسلم نے اپنی صحیح میں استدلال کیا ہے، انہوں نے کوئی ایسی بات روایت نہیں کی جس میں انہوں نے ثقات کی مخالفت کی ہو، اور یحییٰ بن سعید کا ان سے راضی نہ ہونا ان کے بارے میں کوئی عیب ڈالنے والا نہیں ہے، کیونکہ ان کی رجال کے بارے میں شرط سخت ہے، یونہی انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ میں اگر ان سے روایت کروں جن سے میں راضی ہوں تو پانچ سے زیادہ سے روایت ہی نہیں کروں گا، اور ابو حاتم کا قول: لا یحتج بہ بھی عیب پیدا کرنے والا نہیں، کیونکہ انہوں نے سبب ذکر نہیں کیا، ان کی طرف سے یہ کلمات کثیر ثقہ ثبت راویوں مثلا خالد الحذاء کے بارے میں بھی آئے ہیں۔ (نصب الرایۃ) ج ۲ ص ٤۳۹، الرقم المسلسل ۳۷۲٤)

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

معاوية بن صالح ثقة عند أهل الحديث، ولا نعلم أحدا تكلم فيه غير يحيى بن سعيد القطان

''معاویہ بن صالح محدثین کے نزدیک ثقہ ہیں، ہم کسی کو بھی نہیں جانتے جس نے ان کے بارے میں کلام کیا ہو سوائے یحییٰ بن سعید القطان کے''۔

(جامع الترمذي) ج ٤ ص ٤٥٧ رقم ٢٦٥٣، باب ما جاء في ذهاب العلم)

ابن عبد الہادی کا کلام بحوالہ امام زیلعی گزر چکا ہے۔ امام ذہبی، حافظ ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

قلتُ: وهذه منك عصبيةٌ، فإنَّ معاويةَ احتجَّ به مُسلمٌ

''میں کہتا ہوں یہ عصبیت آپ کی طرف سے ہے، کیونکہ معاویہ ان سے تو امام مسلم نے استدلال کیا ہے''۔ (تنقیح التحقیق) ج ۱ ص ۳۶۹)

یحییٰ القطان رحمہ اللہ تعالیٰ یہ متشددین میں سے ہیں جیسا کہ امام ذہبی وغیرہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس کی صراحت کی ہے انہوں نے تو امام ہمام سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق یہ کہہ دیا تھا: في نفسي منه شيء۔ (میزان الاعتدال) ج ۲ ص ۱٤٤ رقم ۱۵۲۱)

اور جمہور کی توثیق کے مقابل ان کی جرح کا تو کوئی اعتبار ہی نہیں، ابو اسحاق فزاری اور ابن عمار موصلی رحمہا اللہ تعالیٰ کی جرح بھی مبہم غیر مبین السبب ہے۔ جمہور کی تصریحات کے معارض نہیں ہو سکتی۔

ثقہ راوی کا کسی حدیث میں متفرد ہونا

حافظ ابن الصلاح رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

إذا انفرد الراوي بشيء نظر فيه: فإن كان ما انفرد به مخالفا لما رواه من هو أولى منه بالحفظ لذلك وأضبط، كان ما انفرد به شاذا مردودا، وإن لم تكن فيه مخالفة لما رواه غيره، وإنما هو أمر رواه هو ولم يروه غيره، فينظر في هذا الراوي المنفرد: فإن كان عدلا حافظا موثوقا بإتقانه وضبطه قبل ما انفرد به، ولم يقدح الانفراد فيه. كما فيما سبق من الأمثلة. وإن لم يكن ممن يوثق بحفظه وإتقانه لذلك الذي انفرد

به كان انفراده به خارماله، مزحزحاله عن حيز الصحيح.

ثم هو بعد ذلك دائر بين مراتب متفاوتة بحسب الحال فيه، فإن كان المنفرد به غير بعيد من درجة الحافظ الضابط المقبول تفرده استحسنا حديثه ذلك، ولم نحطه إلى قبيل الحديث الضعيف، وإن كان بعيدا من ذلك رددنا ما انفرد به، وكان من قبيل الشاذ المنكر

''جب راوی کسی روایت میں منفرد ہو تو دیکھا جائے گا کہ جس روایت میں یہ منفرد ہے اگر اس کی یہ روایت اس سے حفظ اور ضبط میں زیادتی رکھنے والے کی روایت کے مخالف ہے تو اس کی روایت ایسی شاذ روایت ہے جو رد کی جائے گی، اگر اس میں اصلا کسی دوسرے کی روایت کی مخالفت نہ ہو، تو یہ محض ایک ایسی روایت ہے جسے اسی نے روایت کیا ہے، کسی اور نے روایت نہیں کیا، اب اسی راویِ منفرد کو دیکھا جائے گا، اگر یہ راوی عادل حافظ ہے، ضبط واتقان کے ساتھ اس کی توثیق کی گئی ہے، تو اس کی منفرد روایت کو قبول کیا جائے گا اور اس کا اس روایت میں منفرد ہونا اس میں کوئی عیب پیدا نہ کرے گا جیسا کہ اس کی مثالیں گزر چکی ہیں، اور اگر راوی ان رواۃ میں سے ہو جس کے حفظ واتقان کی اس کے منفرد ہونے کی صورت میں توثیق نہ کی گئی ہو تو اس کا منفرد ہونا اس روایت کے لیے کمزوری کا سبب ہوگا اور اس کو صحیح کے درجے سے نکالنے والا ہوگا، پھر یہ راوی اپنے حال کے اعتبار سے مختلف درجات میں ہیں، پس وہ راوی جو اس حدیث کے ساتھ منفرد ہے اگر حافظ ضابط مقبول کے درجے سے زیادہ دور نہیں تو اس کے تفرد کو ہم حسن کے درجے میں رکھیں گے، اور وہ حدیث ضعیف کے درجے تک نہیں پہنچے گی، اور اگر وہ راوی حافظ ضابط مقبول کے درجے سے بعید ہے تو اس کی اس روایت کو جس میں وہ منفرد ہے ہم رد کر دیں گے، اور اس کی حدیث شاذ منکر کے درجے میں آئے گی''۔

(مقدمۃ ابن الصلاح) ص ۷۹)

امام ابن الصلاح کی اس تحقیق سے واضح ہوگیا کہ تفرد ثقہ اصلا مضر نہیں، اور معاویہ بن صالح ثقہ راوی ہیں جیسا کہ گزر چکا، دوسری بات اگر راوی صدوق ہو تو بھی اس کے تفرد سے حدیث کم از کم حسن ہوگی۔

علامہ عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

وقال الحافظ ابن حجر في مقدمة فتح الباري عند ذكر محمد بن إبراهيم التيمي وتوثيقه مع قول أحمد فيه: يروي أحاديث مناكير. قلت: المنكر أطلقه أحمد بن حنبل وجماعة على الحديث الفرد الذي لا متابع له. فيحمل هذا على ذلك، وقد احتج به الجماعة. انتهى

وقال أيضا عند ذكر ترجمة بريد بن عبد الله: أحمد وغيره يطلقون المناكير على الأفراد المطلقة. انتهى

''حافظ ابن حجر فتح الباری کے مقدمہ میں محمد بن ابراہیم التیمی کا ذکر اور ان کی توثیق کے ساتھ امام احمد کا ان کے بارے میں یہ قول ذکر کرتے ہیں: یہ منکر احادیث روایت کرتے ہیں، پھر فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: امام احمد بن حنبل اور ایک جماعت نے اس حدیثِ مفرد پر جس کا کوئی متابع نہ ہو منکر کا اطلاق کیا ہے، تو محمد بن ابراہیم التیمی کے بارے میں ان کے اس قول کو اسی پر محمول کیا جائے گا، اور ان سے ایک جماعت نے استدلال کیا ہے۔ حافظ ابن حجر، برید بن عبد اللہ کے حالات میں فرماتے ہیں: امام احمد وغیرہ مطلق مفرد روایات پر مناکیر کا اطلاق کر دیتے ہیں۔ (الرفع والتکمیل) ص۲۰۱-۲۰۲)

لہٰذا راوی ثقہ کسی روایت میں متفرد ہو تو منکر کا اطلاق کر دینے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ حدیث ضعیف ہو۔

معاویہ بن صالح کے حوالے سے تحقیق گزر چکی کہ ثقہ راوی ہیں، اگر بالفرض ان کی کسی روایت پر منکر کا اطلاق ہوتا تو بھی اس کا معنی یہی ہوتا کہ یہ اس روایت میں منفرد ہیں۔ جب تک یہ اپنے سے کسی اوثق کی مخالفت نہ کرتے، مانحن فیہ میں تو اصلا کسی نے اس حدیث کو منکر نہیں کہا۔

ثانیاً: یہاں معاویہ بن صالح اس حدیث کو روایات کرنے میں تنہا کہاں ہے؟ اس حدیث کے شواہد موجود ہیں جن میں سے دو ہم ذکر کر آئے ہیں۔

ان کے بارے میں حافظ ابن عدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا: عندي صدوق إلا أنه يقع في أحاديث إفرادات یعنی میرے نزدیک یہ صدوق راوی ہیں، ہاں ان کی احادیث میں مفردات واقع ہوئی ہیں۔

اس قول سے اتنا معلوم ہوا کہ معاویہ بن صالح اپنی میں بعض احادیث میں متفرد ہوتے ہیں، لیکن اس

سے کوئی فرق نہیں پڑتا ماقبل میں ابن الصلاح رحمہ اللہ تعالیٰ کی تفصیل آپ پڑھ چکے ہیں، اسی طرح ابن ابی خیثمہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اہل شام کی احادیث میں بہت ہی غریب روایات لے کر آتے ہیں، یہ بھی مضر نہیں کیونکہ غرابت صحت کے منافی نہیں، دوسری بات یہ ہے کہ ہماری بیان کردہ حدیث میں تو غرابت ہے ہی نہیں اس لیے کہ معاویہ بن صالح یہاں متفرد نہیں، ان کے شواہد موجود ہیں۔

بھان متی کا کنبہ

موصوف فیضی امام ابن عدی رحمہ اللہ تعالیٰ کے حوالے سے لکھتے ہیں: عندی صدوق إلا أنه يقع في أحاديث إفرادات. اس کا ترجمہ کرتے ہیں: میرے نزدیک وہ سچا ہے مگر اس کی احادیث میں تفرادات ہوتے ہیں۔ (ص ۷۷)

مزید لکھتے ہیں:

''دکتور سعود نے کہا انہیں اس کے طرق اور شواہد بھی نہیں ملے، اس کا مطلب یہ ہے کہ معاویہ بن صالح اس حدیث کی روایت میں تنہا ہے، وہ اگر چہ بعض کے نزدیک صدوق بھی ہے، تاہم اس کا اس روایت میں تفرد اس حدیث کو منکر بنا رہا ہے''۔ (ص ۸۱)

آگے چل کر اس کے ایک طریق پر بحث کرنے کے بعد موصوف لکھتے ہیں: محدثین کی اصطلاح میں ''منکر حدیث'' کے بارے میں متعدد اقوال ہیں، لیکن نتیجہ سب کا یکساں ہے، امام ذہبی لکھتے ہیں:

وهو ما انفرد الراوي الضعيف به وقد يعد مفرد الصدوق منكرا

''منکر حدیث وہ جس کی روایت میں ضعیف راوی تنہا ہو اور کبھی سچے راوی کا تنہا ہونا بھی منکر شمار کیا جاتا ہے''۔ (الموقظۃ فی علم مصطلح الحدیث ص ۴۲)

اس تعریف میں جملہ وقد يعد مفرد الصدوق منكرا (اور کبھی سچے راوی کا تنہا ہونا بھی منکر شمار کیا جاتا ہے) کا جملہ انتہائی قابل غور ہے، آپ کو یاد ہوگا معاویہ بن صالح کے بارے میں امام ابن عدی نے صدوق کا قول کرنے باوجود کہا تھا کہ وہ بعض روایات لانے میں مفرد (تنہا) ہوتا ہے۔ (۸۳)

پھر کچھ آگے لکھتے ہیں:

''خیال رہے بعض محدثین کے نزدیک حدیث منکر کا شمار ضعیف احادیث میں ہوتا ہے، لیکن اکثر اسے موضوع ومردود کے مترادف مانتے ہیں، چنانچہ مشہور محقق شیخ عبد الفتاح ابوغدہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

ولفظ منكر كثيرا ما يطلقونه على الموضوع يشيرون بذلك إلى نكارة معناه مع ضعف إسناده وبطلان ثبوته

''محدثین لفظ منکر کا اطلاق اکثر موضوع پر کرتے ہیں، وہ اس لفظ سے متن کے ناپسندیدہ ہونے کی طرف اشارہ کرتے ہیں، اس کی سند کا ضعف اور ثبوت کا بطلان اس کے علاوہ ہوتا ہے''۔ (ص ۸۳)

پھر لکھتے ہیں:

''اس سے پہلی حدیث کے بارے میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ اسے بھی محدثین نے منکر کہا ہے، اور یہ بھی ہے، تو معلوم ہوا کہ یہ دونوں حدیثیں موضوع جعلی ہیں''۔ (۸۴)

واہ فیضی کمال کردیا آپ نے! یہ عجب مذاق ہے، کہ مفرد پر منکر کا اطلاق ہوتا اور اکثر محدثین کے نزدیک موضوع پر منکر کا اطلاق ہوتا ہے، اس حدیث پر محدثین نے منکر کا اطلاق کیا ہے لہٰذا یہ حدیث بھی موضوع ہے۔ اسے کہتے ہیں کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا۔۔۔ بھان متی نے کنبہ جوڑا۔

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی حدیث کو کس نے منکر کہا؟ صرف عصر حاضر کے سعود الساعدی نے اور اس نے بھی غلط لکھا کہ اس حصے کے شواہد نہیں، حالانکہ اس کے شواہد موجود ہیں، اور خود موصوف ظہور احمد فیضی نے آگے اس کے شواہد ذکر کیے ہیں۔

محدثین میں سے امام الائمہ حافظ ابن خزیمہ، حافظ ابن حبان رحمہما اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے، یہ ان کے نزدیک اس کے صحیح ہونے کی دلیل ہے، علامہ محدث حیات سندھی نے اس کی سند کے بارے میں کہا لا باس بہ، امام اہلسنت اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے، اسی طرح علامہ عبد العزیز پرہاروی کا کلام ہے، محدث ابن عساکر، حافظ محدث سیوطی، محدث ابن عراق، محدث طاہر گجراتی پٹنی رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کو فضائل معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں وارد ہونے والی اصح احادیث میں سے ایک قرار دیا۔

اب بتائیں محدثین کی محقق بات کون مان رہا ہے اور حدیثِ ثابت کو اپنی خواہشِ نفس سے کون باطل کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

منکر پر موضوع کا اطلاق

شیخ عبد الفتاح ابو غدہ کے الفاظ ہیں: ولفظ منکر کثیرا ما یطلقونہ جس کا ترجمہ موصوف یہ کرتے ہیں: ''محدثین لفظ منکر کا اطلاق اکثر موضوع پر کرتے ہیں۔''

اگرچہ ''کثیرا ما'' اور ''اکثر'' میں ہی فرق بین ہے، کثیرا ما کا معنی بنتا ہے بہت بار، اور اکثر کا معنی زیادہ تر ہوتا ہے، لیکن اس کا نتیجہ یہ نکالنا ''خیال رہے بعض محدثین کے نزدیک حدیث منکر کا شمار ضعیف احادیث میں ہوتا ہے، لیکن اکثر اسے موضوع ومردود کے مترادف مانتے ہیں'' جہالت یا خیانت ہے۔ عند الاکثر اور کثیرا ما کا فرق کسی اچھے استاد سے سمجھ لیجئے گا۔

شیخ عبدالفتاح نے آگے یہ لکھا ہے:

یشیرون بذلك إلى نكارة معناه مع ضعف إسناده وبطلان ثبوته

موصوف اس کا ترجمہ کرتے ہیں: ''وہ اس لفظ سے متن کے ناپسندیدہ ہونے کی طرف اشارہ کرتے ہیں، اس کی سند کا ضعف اور ثبوت کا بطلان اس کے علاوہ ہوتا ہے۔''

ترجمہ بھی زبردستی اپنی مرضی کا کیا ہے، معنی یہ ہے کہ ضعف سند اور بطلان ثبوت کے ساتھ اس کے نکارت معنی کی طرف اشارہ ہوگا تو جناب والا مجوث فی حدیث میں بطلان ثبوت کہاں؟ اور اس میں نکارتِ معنی کہاں؟ کیا آپ کے نزدیک محدثین اتنے کم فہم ہیں کہ ایک حدیث جس میں نکارت معنی پایا جا رہا تھا اور ضعف سند بھی تھا، پھر اس کے بطلان کا ثبوت بھی تھا پھر بھی وہ اس حدیث کو فضائل میں نہ صرف ذکر کر رہے ہیں، بلکہ اپنی ملتزم بالصحیح کتب میں ذکر کر رہے ہیں۔ ان احادیث کا مطالعہ کریں جن کا شیخ عبد الفتاح ابو غدہ نے اشارہ دیا ہے، واضح ہو جائے گا کہ وہاں بطلان معنی کس قدر واضح ہے۔

اب ذرا ان کے یہ الفاظ یاد کریں کہ انہوں نے کیا لکھا تھا:

''محض کلام کے حسن کی طرف نہیں جانا چاہیئے بلکہ محدثین کرام کی تحقیق پر اعتماد کرنا کیونکہ لکل فن رجال (ہر فن کے لیے مخصوص لوگ ہوتے ہیں)''۔

موصوف نے الحارث بن زیاد پر جرح کی ہے، جس کی تفصیل ہم نقل کر چکے ہیں، ان کی توثیق کی گئی ہے، ان پر زیادہ سے زیادہ اتنا اعتراض ہے کہ یہ مجہول العین ہیں، اور مجہول العین کی روایت شواہد کے ساتھ حسن لغیرہ ہو جاتی ہے۔

ان کے حوالے سے بیان کی گئی باحوالہ تفصیل کے مطابق واضح ہے کہ ابو حاتم رازی نے الجرح والتعدیل میں جس روای کو مجہول کہا ہے وہ حارث بن زیاد شامی نہیں کوئی اور ہے جس سے ابونعیم راوی نے روایت کیا ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تہذیب التہذیب میں اس کو واضح بھی کر دیا پھر بھی موصوف اس راوی کو مجھول قرار دینے کے لیے میزان الاعتدال کے ساتھ الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم رازی کا حوالہ بھی دے رہے ہیں! کیا شان تحقیق ہے

اصل ان کو مجہول کہنے والے حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تہذیب التہذیب میں صراحت کی اور ابن عبد البر نے الاستیعاب میں ان کو مجہول قرار دیا ہے، استیعاب میں فقط مجھول لا یعرف کے الفاظ ہیں، حدیثه منکر کے الفاظ نہیں، ائمہ مثلاً حافظ ابن رسلان اور حافظ عراقی نے حافظ ابن عبد البر رحمہم اللہ تعالیٰ سے فقط مجھول کے الفاظ نقل کیے ہیں۔ کما تقدم بلکہ خود موصوف ظہور احمد فیضی نے بھی استیعاب سے اتنے ہی الفاظ نقل کیے ہیں۔

قتیبہ نے کیا کہا؟

حسن بن عرفہ نے اپنے جزء میں اس حدیث کو قتیبہ کے طریق سے حارث بن زیاد سے روایت کیا، قتیبہ نے اس حدیث میں ابو رہم السماعی اور حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر نہیں کیا، اور حسن بن عرفہ کے اس طریق میں حارث بن زیاد کو صاحب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ذکر کیا گیا یعنی صحابی، یہیں سے علما میں اختلاف ہوا حافظ ابو مندہ، ابونعیم اور ابوالقاسم البغوی رحمہم اللہ تعالیٰ نے ان کو صحابہ میں شمار کیا ہے، حالانکہ صحیح یہ ہے کہ یہ صحابی نہیں، حافظ علاء الدین المغلطائی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

مختلَف في صحبته. ذكره ابن مندةَ، وأبو نعيم، وزعَما أنَّ الحسن بن سُفيان روى عَن قتيبة، عَن الليث، عَن معاويةَ بن صالح، عَن يونس بن سيف، عن الحارث بن زياد أن رسول الله - صلى الله تعالى عليه وآله وسلم - قال: ((اللهم علم معاوية الكتاب)).ورَواه الحَسن بن عرفة، عن قتيبة، وقال فيه: الحارث بن زياد صاحب رسول الله - صلى الله تعالى عليه وآله وسلم -. وهذه الزيادة وَهم. ورَواه أسد بن موسى، وآدم، وأبو صَالح، عَن الليث، عن مُعاوية، فقالوا: عن الحارث، عن أبي رُهم،

عن العِرباض، وَهو الصواب. (الانابۃ) ج۱ ص۱۳۸ رقم۱۳۷)

بحث اس حوالے سے اس حدیث پر یہ ہے کہ قتیبہ نے چونکہ پے درپے دو راوی ساقط کر دیئے اس لیے اصطلاح کے اعتبار سے یہ حدیث معضل قرار پاتی ہے، لیکن خادم حدیث پر مخفی نہیں کہ دیگر طرق سے جو قتیبہ کے علاوہ ہیں معلوم ہے کہ یہاں دونوں ساقط راوی کون ہیں، وہ ابو رہم السماعی اور صحابی حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، لہٰذا جب واضح ہوگیا کہ ساقط راوی کون ہیں تو اب اس طریق کا معضل ہونا بھی مضر نہ رہا، اور معضل ہے بھی تو صرف قتیبہ کے طریق سے ورنہ دیگر طرق میں تو دونوں راوی مذکور ہیں، اس حدیث کی جو تخریج ہم نے پیچھے ذکر کی ہے ان تمام میں یہ دونوں راوی موجود ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا:

وأعضل قتيبة هذا الحديث

''یعنی قتیبہ نے اس حدیث کو معضلا روایت کیا ہے''۔ (تہذیب التہذیب) ج۲ ص۱۱۲ رقم ۱۰۶۹)

اب آئیں محقق جدید ظہور احمد فیضی صاحب کی شاندار تحقیق ملاحظہ فرمائیں. لکھتے ہیں: یہاں حافظ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث پر ایک اور حوالے سے بھی جرح کی ہے، پہلے وہ سن لیجئے وہ لکھتے ہیں: وأعضل قتيبة هذا الحديث قتیبہ نے اس حدیث کو معضل قرار دیا ہے۔''

سبحان اللہ ! کیا خوبصورت معنی بیان کیا ہے: قتیبہ نے اس کو معضل قرار دیا ہے،! قتیبہ نے اس کو معضل قرار نہیں دیا بلکہ راویوں کو ساقط کرنے کی وجہ سے معضلا روایت کیا ہے۔

حافظ ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

وقد وهم فيه قتيبة، وأسقط منه أبارهم والعرباض

''اس روایت میں قتیبہ کو وہم ہوا اور انہوں نے ابو رہم اور عرباض رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر نہیں کیا''۔ (تاریخ الاسلام) ج۲ ص۵۴۰)

اگر موصوف حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ کی اس سے پہلے والی بالکل متصل عبارت پر نظر کرتے اور سمجھنے کی صلاحیت ہوتی تو کبھی ایسی بات نہ کرتے، البتہ تعصب کچھ بھی کروا سکتا ہے۔

نیز حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث پر نہیں خاص قتیبہ کے طریق کے بارے میں یہ بات بیان کی ہے۔ موصوف کی ذکر کردہ عبارت کے فوراً بعد حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

فقد رواه آدم بن أبي اياس، وأسد بن موسى، وأبو صالح وغيرهم، عن الليث، عن معاوية، عن يونس، عن الحارث، عن أبي رهم، عن العرباض بن سارية، وهو الصواب بينه أبو نعيم وغيره.

''اس حدیث کو آدم بن ابی ایاس، اسد بن موسیٰ، اور ابوصالح وغیرہ نے لیث از معاویہ از یونس از حارث از ابورہم از عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کیا ہے، یہی درست ہے جیسا کہ ابونعیم وغیرہ نے بیان کیا ہے''۔ (تہذیب التہذیب) ج ۲ ص ۱۱۲)

حدیث مسلمہ بن مخلد رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر فیضی صاحب کے طعن

دکتور ساعدی کی پیروی میں موصوف ایسے بہکے کہ شاہد ذکر کرنے کے باوجود لکھتے ہیں کہ اس کے شواہد نہیں اور معاویہ بن صالح اس حدیث میں تنہا ہیں۔

موصوف نے خود مسلمہ بن مخلد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث نقل کی ہے۔

پیچھے آپ اس حدیث کی تحقیق پڑھ چکے ہیں کہ ان کی اس حدیث میں سوائے انقطاع کے کوئی علت نہیں، اور انقطاع کی علت ایسی نہیں کے شاہد نہ بن سکے۔

کوئی بتا سکتا ہے؟

حافظ نورالدین الھیثمی رحمہ اللہ تعالیٰ اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں:

وجبلة لم يسمع من مسلمة فهو مرسل، ورجاله وثقوا وفيهم خلاف

فیضی صاحب اس کا ترجمہ کرتے ہیں:

''اس کے بعض راویوں کی توثیق کی گئی اور بعض میں اختلاف ہے۔''

کوئی بتا سکتا ہے کہ یہ ''بعض راویوں کی توثیق اور بعض میں اختلاف'' کس جملے کا ترجمہ ہے؟

موصوف لکھتے ہیں:

''جب جبلہ نے مسلمہ بن مخلد سے نہیں سنا تو اس نے کسی اور شخص سے سنا ہوگا، وہ شخص کون ہے؟ کچھ معلوم نہیں، اسی لیے امام ذہبی نے ایک مقام پر اس حدیث کو عن رجل (کسی شخص) سے روایت کیا ہے، اور جب سند میں کوئی گمنام شخص ہو تو محدثین اسے مجہول قرار دیتے ہیں۔''

سوال یہ ہے کہ راوی کے مجہول ہونے کی وجہ سے حدیث میں کس طرح کا ضعف پیدا ہوتا ہے؟ کیا

وہ موضوع ہو جاتی ہے؟ کیا وہ شاہد بننے کے لائق نہیں رہتی؟ کیا آپ کو یہ باتیں معلوم ہیں؟

موصوف لکھتے ہیں: امام ذہبی ایک اور مقام پر اسی سند کے ساتھ یہ حدیث لائے ہیں اور وہاں اس کا حکم بھی بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں: لا یعرف والخبر منکر بمرۃ وہ شخص جانا نہیں گیا، اور یہ حدیث منکر ہے۔ (۸۲)

اس کے بعد موصوف نے وہی عبارات نقل کی ہیں جو ہم ان کے حوالے سے ہم پیچھے ذکر کر آئے کہ شیخ عبد الفتاح کے مطابق بارہا ایسا ہوتا ہے کہ منکر پر موضوع کا اطلاق کر دیتے ہیں، پھر موصوف لکھتے ہیں: ''اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ امام ذہبی نے اس حدیث کو منکر قرار دیا، اور چونکہ اکثر یہ لفظ حدیث موضوع کے لیے استعمال ہوتا ہے، اس لیے حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کو موضوع ہی سمجھا ہے، چنانچہ وہ امام ذہبی کے حکم کو برقرار رکھتے ہوئے مزید لکھتے ہیں: ولعل الآفۃ فی الحدیث من الرجل المجہول شاید اس حدیث میں آفت مجہول شخص سے ہے۔ اس عبارت میں لفظ آفۃ کا استعمال ضعف حدیث کے لیے نہیں بلکہ اظہارِ وضع کے لیے ہے، چنانچہ برھان الدین حلبی اور علامہ ابن عراق الکنانی لفظ آفۃ کی اصطلاحی توضیح میں لکھتے ہیں: فھذہ کنایۃ عن الوضع یہ حدیث گھڑنے سے کنایہ ہے۔

(الکشف الحثیث عمن رمي بوضع الحدیث ص ۹۰ تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ ج۱ ص ۳٤) (الاحادیث الموضوعات ص ۸۳)

قارئین! قبل اس کے کہ ہم موصوف کی ایک اور خیانت آپ کے سامنے ظاہر کریں، اولاً تو حافظ ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ کا اس حدیث کے حوالے سے کیا مؤقف ہے، وہ پہلے ہی ہم بیان کر چکے ہیں، سیر اعلام النبلاء میں مذکورہ حدیث اور بعض دیگر احادیث ذکر کرنے کے بعد حافظ ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں: فھذہ أحادیث مقاربۃ یہ احادیث صحت کے قریب قریب ہیں۔ (سیر أعلام النبلاء) ج ۳ ص ۱۲۷)

ایک اور خیانت

موصوف نے الکشف الحثیث اور تنزیہ الشریعہ کی عبارت میں بدترین خیانت کا مظاہرہ کیا ہے: الکشف الحثیث کی مکمل عبارت یہ ہے:

فھذہ کنایۃ عن الوضع، ویحتمل أن یرید آفتہ فی نکارتہ، أو غیر ذلك. واللہ أعلم

''یعنی آفۃ کا کلمہ یہ وضع سے کنایہ ہے، اور اس بات کا بھی احتمال رکھتا ہے کہ اس کی آفت اس کی نکارت کے سبب ہو، اور اس کے علاوہ اور بھی احتمالات ہیں۔ واللہ اعلم'' (الکشف الحثیث) ص ۹۰)

جبکہ تنزیہ الشریعہ میں الکشف الحثیث کی عبارت نقل کرنے کے بعد یہ لکھا ہے:

إن قالوا: موضوع أو باطل آفته فلان، فهو كناية عن الوضع، وإن قالوا: منكر آفته فلان، فمرادهم آفته في نكارته، وإن قالوا: آفته فلان فقط، فهذا محل التردد. والله أعلم.

''اگر محدثین موضوع یا باطل کہیں (اور اس پر) کہیں اس کی آفت فلاں ہے تو یہ وضع سے کنایہ ہوگا، اور کہیں کہ یہ منکر ہے اس کی آفت فلاں ہے، تو ان کی مراد اس کی نکارت میں آفت کا ہونا ہے، اور اگر فقط اس کی آفت فلاں کہے تو یہ محل تردد ہے۔ واللہ اعلم''

(تنزيه الشريعة المرفوعة) ج١ ص ٣٤)

ملاحظ فرمائیں کہ حافظ ابن عراق الکنانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں: محدثین نے اگر اس حدیث کو موضوع یا باطل کہا اور راوی کے بارے میں کہا کہ اس کی آفت یہ راوی ہے تو وضع سے کنایہ ہوگا یعنی اس پر اس حدیث کے وضع تہمت ہوگی، اور اگر اس حدیث کے بارے میں یہ فرمایا: یہ منکر ہے اور راوی کے بارے میں کہا کہ یہ اس کی آفت ہے تو اب ان کی مراد اس میں نکارت ہوگی، لہٰذا اگر یہاں مجہول راوی کے سبب جو ضعف آیا بھی ہے تو وہ ہرگز موضوع نہیں، لیکن موصوف نے کیسی خیانت کی صرف ابتدائی جملہ ذکر کر دیا حالانکہ اگلے جملے سے خود ان کی تحقیق کے مطابق اس حدیث سے موضوع ہونے کی نفی ہو رہی ہے۔ واقعی۔ ت۔۔م۔۔ کی اصطلاح میں اس کو تحقیق کہتے ہیں۔

جبلہ بن عطیہ ثقہ راوی ہیں، خود حافظ ذہبی نے ان کو الکاشف میں ثقہ قرار دیا اور تذہیب تہذیب الکمال میں یحییٰ بن معین سے ان کی توثیق نقل کی ہے۔ (تذهيب تهذيب الكمال) ج ٢ ص ١١٨ رقم ٩٠١)

حافظ ذہبی نے یہاں میزان میں جبلہ کو غیر معروف قرار دیا ہے اور خبر کو منکر کہا ہے، حالانکہ جبلہ معروف ہیں اسی لیے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے امام ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ کے کلام پر یہ لکھا:

ولعل الآفة في الحديث من الرجل المجهول، فأما جبلة فنقل ابن أبي حاتم توثيقه عن ابن معين

''شاید حدیث میں علت مجہول راوی کی طرف سے ہے، بہرحال جبلہ تو ابن ابی حاتم نے یحیی بن معین سے ان کی توثیق نقل کی ہے''۔ (لسان الميزان) ج ٢ ص ٤٢٠ رقم ١٧٦٥)

اصل نکارت جہالت راوی کی وجہ سے ہے، اور جہالت راوی یا انقطاع کے سبب زیادہ سے زیادہ یہ روایت اس سند سے ضعیف قرار پائے گی۔

ناصبیت کے الزام کی انتہاء

بعدہ موصوف نے حریز بن عثمان الرحبی کی سند سے مرسل حدیث ذکر کی ہے، اور حریز بن عثمان الرحبی پر ناصبی کی جرح نقل کی ہے، اس کے بعد موصوف لکھتے ہیں: خلاصہ یہ ہے کہ حدیث ''اللھم علم معاویۃ الکتاب الخ'' کی کوئی کل بھی سیدھی نہیں، اس کی ہر سند میں کوئی نہ کوئی ایسا راوی ضرور ہے جس کو سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عداوت تھی''۔

لعنت اللہ علی الکذابین: ذرا بیان کریں حضرت عرباض بن ساریہ، حضرت مسلمہ بن مخلد اور عبد الرحمن بن ابی عمیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی حدیث میں کون سا راوی حضرت سیدنا مولا مشکل کشا مولا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عداوت رکھتا ہے؟

کہاں لکھا ہے کہ ہر شامی اور ہر حمصی نعوذ باللہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عداوت رکھنے والا تھا؟ جب ان میں سے کسی بھی راوی پر کسی امام محدث نے ناصبیت کی جرح نہیں کی تو پھر آپ کو کہاں سے معلوم ہوا کہ یہ عداوتِ مشکل کشا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مرض میں مبتلا تھے؟ کچھ تو روز محشر خدائے قہار کے سامنے کھڑے ہونے کا خوف کریں۔

الحمد للہ! اس حدیث کی تحقیق جو اوپر ہم نے ذکر کی ہے اور محدثین کرام کا اس حدیث کو اصح، صحیح، اور حسن کہنا ذکر کیا ہے، اسے پڑھ کر ہر منصف جان لے گا کہ یہ حدیث ہرگز موضوع نہیں، باقی رہا تعصب تو اس کا علاج نہیں ہوسکتا۔ البتہ موصوف کی خیانتیں اس حدیث کے حوالے سے بھی آپ کے سامنے ظاہر ہوگئیں، موصوف نے الکشف الحثیث اور تنزیہ الشریعہ کی ادھوری عبارت نقل کرکے قارئین کو دھوکہ دیا۔

قتیبہ کے طریق کے معضل ہونے کے اعتبار سے اس پر جرح کردی حالانکہ تہذیب میں متصلا اس کی وضاحت موجود تھی۔

پھر منکر کے اطلاق میں کثیرا ما کا معنی اکثر محدثین کے نزدیک کرڈالا۔ فیصلہ قارئین خود کرلیں کیا حق کی جستجو رکھنے والا شخص اس طرح کرسکتا ہے؟ یہ صرف اور صرف وہ شخص کرے گا جس کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سخت بغض ہوگا۔

پھر موصوف نے اپنے نامۂ اعمال کو مزید سیاہ کرنے کے ۔لیے اور ایک ثابت حدیث کو موضوع بنانے کے لیے دو آیات سے غلط استدلال کیا ایک سورۃ التوبہ کی آیت ۱۱۰:

وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ۔

اس کی تفسیر ہم ذکر کر چکے کہ اس میں ایک تفسیری قول کے مطابق تمام صحابۂ کرام علیہم الرضوان شامل ہیں، اور سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آسمان ہدایت کے چمکتے ستارے ہیں جنہیں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دعائیں دیں، حاسدین کے حسد سے وہ اس آیت سے خارج نہیں ہو سکتے۔

دوسری آیت یہ ہے:

وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ

اس کے تحت موصوف لکھتے ہیں: غور فرمائیے! آیت میں مطلقا صحابہ کے بعد آنے والوں کا ذکر نہیں بلکہ مہاجرین وانصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بعد آنے والوں کا ذکر ہے، لہٰذا کوئی صحابہ کے دور میں مہاجرین وانصار کے ساتھ بغض رکھے اور انہیں دھمکائے تو غل کینے کا مرتکب ہوگا۔(صفحہ ۸۶)

اوّلاً تو اس آیت کی تفسیر میں اقوال مفسرین ملاحظہ فرمائیں کہ مفسرین اس سے یہ مراد لے رہے ہیں کہ تمام صحابہ کرام علیہم الرضوان سے محبت رکھنا لازم، ان پر طعن وتشنیع کرنا حرام، اور جو ان میں سے کسی سے بغض رکھے، تو اس کے لیے مسلمانوں کو حاصل ہونے والے مال فیئ سے حصہ ہی نہیں ملے گا، اور موصوف فیضی اسی آیت کو حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر طعن کرنے کے لیے مستدل بنا رہے ہیں۔یعنی ''خود بدلتے نہیں بدل دیتے ہیں قرآن''۔

علامہ ماوردی رحمہ اللہ تعالیٰ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: بعد میں آنے والوں کی تعیین میں مفسرین کے دو قول ہیں:

أحدهما: أنهم الذين هاجروا بعد ذلك، قاله السدي والكلبي .الثاني: أنهم التابعون الذين جاءوا بعد الصحابة ثم من بعدهم إلى قيام الدنيا هم الذين

جاءوا من بعدهم. قاله مقاتل

''اس سے مراد سدی اور کلبی کے قول میں وہ مسلمان مراد ہیں جنہوں نے مہاجرین کے بعد ہجرت کی، جبکہ مقاتل کے قول میں اس سے مراد وہ تمام تابعین مراد ہیں جو صحابہ کرام کے بعد آئے، اور پھر ان تابعین کے بعد قیامت تک آتے رہیں گے''۔ (النکت والعیون) ج ۵ ص ۵۰۷)

فقیہ ابو اللیث سمرقندی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

يعني التابعين ويقال يعني الذين هاجروا من بعد الأولين ..... وفي الآية دليل أن من ترحم على الصحابة واستغفر لهم، ولم يكن في قلبه غل لهم، فله حظ في المسلمين وله أجر مثل أجر الصحابة، ومن شتمهم أو لم يترحم عليهم أو كان في قلبه غل لهم ليس له حظ في المسلمين، لأنه ذكر للمهاجرين فيه حظ، ثم ذكر الأنصار، ثم ذكر الذين جاؤوا من بعدهم، وقد وصفهم الله بصفة الأولين إذ دعا لهم۔

''یعنی والذین جاووا سے مراد تابعین ہیں (لہٰذا پہلی دو آیتوں میں تمام صحابہ مراد ہیں) اور کہا گیا ہے کہ اس سے مراد وہ ہیں جو پہلے ہجرت کرنے والوں کے بعد ہجرت کرنے والے ہیں، اور اس آیت میں دلیل ہے جو صحابہ پر رحمت کی دعا کرتا ہے، ان کے لیے استغفار کرتا ہے، اور ان میں کسی کے لیے اس کے دل میں کینہ نہ ہو تو اس کے لیے مسلمان کے مالِ فیئ میں سے حصہ ہے، اور اس کے لیے صحابہ کے اجر کی طرح اجر ہے، اور جو ان کو گالیاں دے یا ان کے لیے رحمت کی دعا نہ کرے، یا اس کے دل میں ان کے لیے بغض ہو تو اس کا مسلمانوں میں کوئی حصہ نہیں، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے مہاجرین کا مال فیئ میں سے حصہ ذکر کیا، پھر انصار کے لیے مال فیئ میں سے حصہ ذکر کیا، پھر ان لوگوں کے لیے جو ان کے بعد آئے اور ان کے لیے پہلوں کی طرح ہی حصہ ذکر کیا جب کہ وہ ان کے لیے استغفار کریں''۔

(تفسیر بحر العلوم) ج ۳ ص ۴۰۶)

حافظ ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

فمن ترحّم على أصحاب رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم، ولم يكن في قلبه

غِلٌّ لھم. فله حَظٌّ من فيء المسلمين، ومن شتمهم ولم يترحّم عليهم، وكان في قلبه غِلٌّ لهم، فما جعل الله له حقاً في شيء من فيء المسلمين بنص الكتاب، وكذلك روى عن مالك بن أنس رضي الله تعالى عنه أنه قال: من تنقص أصحاب رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم، أو كان في قلبه عليهم غِلٌّ، فليس له حق في فيء المسلمين، ثم تلا هذه الآيات

''جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کے لیے رحم کی دعا کرے، اور اس کے دل میں ان کا کینہ نہ ہو، تو اس کے لیے مسلمانوں کے مال فیئ میں سے حصہ ہے، اور جو انہیں گالیاں دے اور ان پر رحم کی دعا نہ کرے، اور اس کے دل میں ان کے لیے کینہ ہو تو قرآن کی نص سے ثابت ہے کہ اس کے لیے مسلمانوں کے مال فیئ میں کوئی حصہ نہیں، اسی طرح امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے مروی ہے آپ نے فرمایا: جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کی تنقیص کرے، یا اس کے دل میں ان کے لیے کینہ ہو اس کا مسلمانوں کے مال فیئ میں کوئی حصہ نہیں، پھر انہوں نے یہی آیت پڑھی''۔ (تفسیر زاد المسیر) ج ۸ ص ۲۱٦)

امام قرطبی فرماتے ہیں:

هذه الآية دليل على وجوب محبة الصحابة. لأنه جعل لمن بعدهم حظا في الفيء ما أقاموا على محبتهم وموالاتهم والاستغفار لهم. وأن من سبهم أو واحدا منهم أو اعتقد فيه شرا أنه لا حق له في الفيء، روى ذلك عن مالك وغيره. قال مالك: من كان يبغض أحدا من أصحاب محمد صلى الله تعالى عليه وآله وسلم. أو كان في قلبه عليهم غل، فليس له حق في فيء المسلمين، ثم قرأ والذين جاؤ من بعدهم الآية.

''اس آیت میں صحابہ سے محبت کے واجب ہونے پر دلیل ہے، اس لیے کہ ان کے بعد والوں کے لیے مال فئی میں حصہ اس وقت رکھا گیا ہے جب وہ ان سے محبت وموالاۃ اور ان کے لیے استغفار پر قائم رہیں، اور یہ کہ جو ان کو یا ان میں سے کسی ایک کو سب وشتم کرے یا ان کے بارے میں برا اعتقاد رکھے اس کے لیے مالِ فیئ میں سے کوئی حصہ نہیں، یہ بات امام مالک وغیرہ سے مروی ہے امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ

وسلم کے اصحاب میں سے کسی ایک سے بغض رکھے یا اس کے دل میں ان کا کینہ ہو تو مسلمانوں کے مال فیئ میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہے''۔ (تفسیر أحکام القران للقرطبي) ج ۱۸ ص ۳۲)

علامہ ابن عادل رحمہ اللہ تعالیٰ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

وقال العوام بن حوشب: أدركت هذه الأمة يقولون: اذكروا محاسن أصحاب رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم حتى تتألف عليهم القلوب، ولا تذكروا ما شجر بينهم فتجاسر الناس عليهم.

''حضرت عوام بن حوشب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میں نے اس امت کو یہی کہتے ہوئے پایا ہے: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے صحابہ کی خوبیاں ذکر کرو حتی کہ لوگوں کے دل ان سے محبت کرتے رہیں، ان کے آپس کے جھگڑوں کو ذکر نہ کرو کہ لوگ ان پر جرأت کریں''۔

(اللباب في علوم الكتاب) ج ۱۸ ص ۵۹۸)

یہ مفسرین کی تفسیر تھی اور ایک تفسیر فیضی صاحب کی ہے کہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مہاجرین اور انصار کے ساتھ بغض رکھنے والا، انہیں دھمکانے والا بنا کر اس آیت سے خارج کر دیا۔ اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت دے، باقی انصار سے حسن سلوک پر انہوں نے چونکہ علیحدہ سے اعتراض کیے ہیں وہیں ان کا تفصیلی جواب کریں گے۔ البتہ اتنا واضح ہے کہ ان کی یہ تفسیر مفسرین کی بیان کردہ وضاحت کے صریح خلاف ہے۔

حدیث: ''اللّٰهم املاه علما وحلما''

ایک اور حدیث جس میں نبی محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو علم کی دعا دی اسے بھی ملاحظہ فرمائیں: امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب التاریخ الکبیر میں فرماتے ہیں:

قال لي إسحاق بن يزيد: نا محمد بن مبارك الصوري، قال: نا صدقة بن خالد، قال: حدثني وحشي بن حرب بن وحشي، عن أبيه، عن جده، قال: كان معاوية ردف النبي -صلى الله تعالى عليه وآله وسلم- فقال: ((يا معاوية ما يليني منك؟)) قال: بطني، قال: ((اللهم املاه علما وحلما)) (التاریخ الکبیر ج ۸ ص ۶۸ رقم المسلسل ۱۱۹۲۶)

''امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: مجھ سے اسحاق بن یزید نے کہا، وہ محمد بن مبارک الصوری سے، وہ صدقہ بن خالد سے، وہ وحشی بن حرب بن وحشی سے، وہ اپنے والد اور وہ ان

کے دادا حضرت وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے سواری پر بیٹھے تھے، حضورا رم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اے معاویہ تیرا کونسا حصہ مجھ سے ملا ہوا ہے؟'' انہوں نے عرض کی: پیٹ، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دعا کی: ''اے اللہ اس کو علم اور حلم سے بھر دے۔''

اس حدیث کے پہلے راوی اسحاق بن ابراہیم بن یزید بعض اوقات ان کو ان کے دادا کی طرف منسوب کرتے ہوئے ان کو اسحاق بن یزید بھی کہا جاتا ہے)۔

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی صحیح میں تقریباً پچاس احادیث ان سے روایت کی ہیں، امام ابن حبان نے ان کو ثقات میں ذکر کیا ہے، ابو مسھر، ابو علی الجیانی امام ابو زرعہ رازی، امام نسائی، امام دارقطنی وغیرہ نے ان کی توثیق کی ہے۔ (تہذیب التہذیب ج ص ۲۳۹ رم ۳۶)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں.

إسحاق بن إبراهيم بن يزيد أبو النضر الفراديسي، عن إسماعيل بن عياش وابن أبي حازم، وعنه البخاري، وأبو داود، وأحمد البسري، وعدة، ثقة بكاء۔

''اسحاق بن ابراہیم بن یزید ابوالنضر الفرادیسی: اسمٰئیل بن عیاش اور ابن ابی حازم سے روایت کرتے ہیں، اور ان سے امام بخاری، امام ابو داود، احمد البسری اور ایک جماعت نے روایت کیا ہے، یہ ثقہ راوی اور بہت زیادہ گریہ وزاری کرنے والے تھے''۔

(الکاشف ج۱ ص ۹۳ رقم ۲۷۹)

دوسرے راوی محمد بن مبارک الصوری ہیں: امام عجلی، ابو حاتم، ابن شاہین۔ امام ابن حبان، حافظ خلیلی نے ان کو ثقہ کہا ہے، ابن حبان لکھتے ہیں: ''کان من العباد، بہت زیادہ عبادت کرنے والوں میں سے تھے''، امام ذہلی فرماتے ہیں: '' کان أفضل من رأیت بالشام میں نے ملک شام میں سب سے افضل ان کو ہی دیکھا ہے''۔ (الجرح والتعديل ج ۸ ص ۱۰٤) (الثقات لابن حبان ج ۹ ص ۷۱ رقم ۱۵۲۳۹) (الثقات للعجلي ج ۲ ص ۲۵۱ رقم ۱٦٤۳) (تهذيب التهذيب ج ۷ ص ۳۹۹-٤۰۰ رقم ۱۵۱۳)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

محمد بن المبارك الصوری نزيل دمشق القلانسی القرشی ثقة محمد بن المبارک الصوری نزیل دمشق، القلانسی القرشی، ثقہ راوی ہیں۔ (تقریب التہذیب ص ٥٠٣ رقم ٦٢٦٢)

تیسرے راوی ہیں صدقہ بن خالد: امام احمد بن حنبل، یحیٰی بن معین، دحیم، ابن نمیر، عجلی، محمد بن سعد، ابوزرعۃ، ابوحاتم رازی، امام ابوداود، امام ابن حبان، امام نسائی، اور ابن عمار نے ان کو ثقہ کہا ہے۔

(کتاب العلل ومعرفة الرجال ج١ ص ٣٠٠ رقم ٤٩٢) (تاریخ یحییٰ بن معین روایة الدارمي ص ١٣٣ رقم ٤٢٩) (الجرح والتعدیل ج ٤ رقم ١٨٩١) (تاریخ أسماء الثقات ص ١٦٩ رقم ٦١٠) (تہذیب التہذیب ج ٤ ص ٣٩-٤٠ رقم ٢٩٩)

ان کے بارے میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

صدقة بن خالد الأموی مولاهم، أبو العباس الدمشقی، ثقة.

''ابو العباس صدقہ بن خالد الاموی امویوں کے آزاد کردہ غلام ہیں، دمشقی ہیں، اور ثقہ راوی ہیں''۔ (تقریب التہذیب ص ٣٠٩ رقم ٢٩١١)

چوتھے راوی وحشی بن حرب بن وحشی ہیں: یہ صحابی رسول حضرت وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے ہیں، امام عجلی اور ابن حبان نے ان کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔

(کتاب الثقات للعجلي ج ٢ ص ٣٤٠ رقم ١٩٣٦) (کتاب الثقات لابن حبان ج ٧ ص ٥٦٤ رقم ١١٤٨٩)

ان کے بارے میں اور ان کے والد کی توثیق وتحسین میں مزید کلام آگے آرہا ہے۔

چھٹے راوی حرب بن وحشی ہیں۔ ان کو ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

وذكره ابن حبان فی الثقات وقال البزار: مجهول فی الرواية، معروف فی النسب.

''ان کو ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے، اور بزار نے کہا کہ یہ روایت میں مجہول اور نسب میں معروف ہیں''۔ (تہذیب التہذیب ج ٢ ص ٢٠٩ رقم ١٢٢٤)

حافظ ذہبی ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

حرب بن وحشی بن حرب عن أبيه ما روى سوى ابنه وحشی الحمصی

''ان سے ان کے بیٹے وحشی الحمصی کے علاوہ کسی نے روایت نہیں کیا''۔

(میزان الاعتدال ج ٢ ص ٢١٣ رقم ١٧٧٨)

حافظ مغلطائی لکھتے ہیں:

وذکرہ الحاکم فی کتابه الصحیح، وکذلك الدارمی، وذکرہ أبو حاتم بن حبان فی جملة الثقات، وذکرہ بعض المتأخرین من المصنفین فی جملة الضعفاء بغیر مستند۔ واللہ أعلم۔

''ان کو امام حاکم نے اپنی صحیح میں ذکر کیا، اسی طرح دارمی نے، اور ابو حاتم ابن حبان نے ان کو ثقات کے زمرہ میں ذکر کیا ہے، بعض متاخرین نے بغیر کسی دلیل کے ان کو زمرۂ ضعفاء میں ذکر کر دیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم''۔ (إکمال تهذیب الکمال ج ٤ ص ٢٨ رقم ١٢٣١)

ساتویں راوی حضرت وحشی بن حرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی رسول ہیں۔

امام احمد، امام ابو داود، امام ابن ماجہ، امام طبرانی اور کثیر ائمہ نے اپنی کتب میں ایک حدیث مبارک روایت کی ہے:

عن وحشی بن حرب، عن أبیه، عن جدہ، أن رجلا قال للنبی صلی الله تعالی علیه وآله وسلم: إنا نأکل وما نشبع، قال: ((فلعلکم تأکلون مفترقین، اجتمعوا علی طعامکم، واذکروا اسم الله تعالی علیه، یبارك لکم فیه))

''وحشی بن حرب اپنے والد حرب سے وہ ان کے دادا حضرت وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کی: یا رسول اللہ ہم کھانا کھاتے ہیں لیکن سیر نہیں ہوتے، ارشاد فرمایا: شاید تم متفرق ہو کر کھاتے ہو گے، مل کر کھایا کرو، اور اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا کرو، تمہارے لیے اس میں برکت دی جائے گی''۔

(سنن أبي داؤد ج ٤ ص ٢٨٥ رقم ٣٧٥٨) (سنن ابن ماجة ج ٤ ص ٢١ رقم ٣٢٨٦) (المعجم الکبیر ج ٢٢ رقم ٣٦٨) (شعب الایمان ج ٥ ص ٧٥ رقم ٥٨٣٥) (الاحاد والمثانی ج ١ ص ٣٥٩ رقم ٤٨٢)

حافظ عراقی اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں:

أخرجه أبو داود، وابن ماجه من حدیث وحشی بن حرب بإسناد حسن

''اس حدیث کو امام ابو دواد اور امام ابن ماجہ نے وحشی بن حرب سے سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے''۔ (المغني عن حمل الأسفار ج ١ ص ٣٤٩ رقم ١٣١٠)

حافظ عجلونی نے بھی کشف الخفا میں لکھا ہے: **وسنده حسن كما في التخريج للعراقي** اس کی سند حسن ہے جیسا حافظ عراقی کی تخریج (حیاء العلوم) میں ہے۔ (کشف الخفاء ج۱ ص ۵۷ رقم ۱۰۵)

امام حاکم اور امام ضیاء المقدسی نے نیز امام احمد اور امام طبرانی نے وحشی بن حرب عن ابیہ عن جدہ کی سند سے اپنی کتب میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سیف اللہ ہونے کی حدیث ذکر کی ہے۔

(المستدرک علی الصحیحین ج ۵ ص ۱۹۶۰ رقم ۵۲۹٤) (الأحاديث المختارة ج ۱ ص ۱۳۱ رقم ٤٤) (مسند أحمد ج۱ ص ۱۸٤ رقم ٤٣) (المعجم الكبير ج ٤ رقم ۳۷۹۱)

حافظ ہیثمی رحمہ اللہ تعالیٰ مسند احمد اور طبرانی میں اس سند سے مروی اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں: **ورجالهما ثقات** امام احمد اور امام طبرانی کے رجال ثقہ ہیں۔

(مجمع الزوائد ج ۱۹ ص ۲۷۲ رقم ۱۵۸۵۰)

اسی طرح امام صالحی شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے سبل الهدی والرشاد میں یہی حدیث روایت کی اور فرمایا: **وروى الإمام أحمد والطبراني برجال ثقات** امام احمد اور طبرانی نے ثقہ رجال کے ساتھ اس حدیث کو روایت کیا۔ (سبل الهدى والرشاد ج ۱۱ ص ۳٤۲)

بالجملة، تاریخ کبیر کی مذکورہ حدیث ان ائمہ کی تحقیق کے مطابق اقل درجہ حسن قرار پائے گی، اور اگر امام ابن حبان کی توثیق کا اعتبار نہ کیا جائے نہ ہی حافظ ہیثمی وشامی کی توثیق سند کا اعتبار کیا جائے تو بھی زیادہ سے زیادہ اس حدیث کا سندا معمولی ضعیف ہونا لازم آئے گا،

وحشی بن حرب سے اس حدیث کی روایت میں صدقہ بن خالد کی متابعت وحشی بن اسحاق نے بھی کی ہے۔ (الشريعة للآجري ج ٥ رقم ۱۹۲۰) (أمالي ابن بشران ص ۲۸۹ رقم ۱۵۳۲)

نیز صدقہ بن خالد سے محمد بن مبارک صوری کے علاوہ محمد بن عائذ الدمشقی، ابو مسہر، ابو بشر سلمہ بن بشر وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ (معرفة أسامي أرداف النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم لابن منده ص ۳٤-۳۵) (الشريعة للآجري ج ٥ رقم ۱۹۲۰) (أمالي ابن بشران ص ۲۸۹ رقم ۱۵۳۲)

حافظ ابو حاتم رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے علل الحدیث میں ہارون البکاء کے طریق سے روایت کیا ہے، وہ صدقہ بن خالد سے وہ وحشی بن حرب سے وہ اپنے والد حرب سے مرسلا اس کو روایت کرتے ہیں۔

(علل الحديث ج ۲ ص ۳٦۸ رقم ۲۵۹٤)

حدیث جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی ھذا الباب۔

حافظ ابن مندہ رحمہ اللہ تعالیٰ بسند ضعیف حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں آپ رماتے ہیں:

کان معاویة رضی الله تعالی عنه ردیفا للنبی -صلی الله تعالی علیه وآله وسلم-

قال: ((ما یلینی منك؟)) قال: بطنی قال: ((ملأ الله بطنك حلما))

''حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے پیچھے سواری پر بیٹھے ہوئے تھے، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے استفسار فرمایا کہ تمہارے جسم کا کون سا حصہ مجھ سے ملا ہوا ہے؟ انہوں نے عرض کی، میرا پیٹ، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے یوں دعا کی: اللہ تیرے پیٹ کو حلم سے بھر دے''۔

(معرفة أسامي أرداف النبي صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ص ۳٦)

علامہ صالحی شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی سبل الھدی والرشاد میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث کو ذکر کیا ہے۔ (سبل الھدی والرشاد ج ۷ ص ۳۸۱)

محقق جدید کی تحقیقِ عجیب

محترم قارئین آپ نے اس حدیث کی تحقیق ملاحظہ فرمائی کہ یہ حدیث ہرگز موضوع نہیں، اب آئیں ظہور فیضی کی تحقیق ملاحظہ فرمائیں، پہلے تو موصوف نے علامہ ڈاکٹر اشرف آصف جلالی صاحب دامت برکاتہم العالیہ پر یہ اعتراض کیا انہوں نے بہت بڑے دعوے کرنے کے بعد یہ موضوع حدیث پیش کی۔''

ان شاء اللہ عزوجل یہ تو ابھی ظاہر ہوجائے گا کہ فقط دعوی کرنے والے کون ہیں، اور مدعیٰ کے لیے خیانت اور جہالت کا مظاہرہ کرنے والا کون ہے۔

موصوف لکھتے ہیں:

''یہ موضوع حدیث مؤلفین ''فیضان امیر معاویہ'' نے بھی بحوالہ ''الخصائص الکبری'' اور امام آجری کی ''الشریعہ'' سے نقل کی ہے ان دونوں کتابوں میں یہ روایت بلا سند ذکر کی گئی ہے۔''

(الاحادیث الموضوعات ص ۹۴۔۹۵)

یہاں فیضی صاحب نے متعدد جھوٹ بولے ہیں:

(۱): فیضان امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں صرف الخصائص الکبری اور الشریعہ کا حوالہ نہیں بلکہ التاریخ الکبیر للبخاری کا حوالہ بھی دیا گیا ہے۔

(۲): الشریعہ میں یہ حدیث بلا سند نہیں بلکہ دو سندوں کے ساتھ مروی ہے۔ تخریج گزر چکی ہے۔

(۳): الخصائص الکبری میں امام سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کو التاریخ الکبیر کے حوالے سے نقل کیا ہے، اور تاریخ کبیر میں اس کی سند مذکور ہے۔

اب ذرا موصوف سے پوچھا جائے اس کذب بیانی کی وجہ کیا ہے؟

اس حدیث کے بارے میں حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا: اس کی سند میں نظر ہے۔

کیا نظر ہے اوپر سند کی تحقیق ہو چکی ہے، اس سے واضح ہوتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ حرب بن وحشی کے بارے میں امام بزار کا کلام ہے، لیکن ان کے مقابل اجلہ ائمہ نے ان کی سند کے رجال کو ثقہ، اور سند کو حسن کہا ہے۔

موصوف ظہور فیضی ''سند میں نظر'' کی وجہ لکھتے ہیں: اس سند میں جس شخص کو التاریخ الکبیر للبخاری میں وحشی سے سماعت کرنے والا بتایا گیا ہے وہ صدقہ بن خالد الاموی ہے یہ معاویہ کی بہن کا غلام تھا، اس کی پیدائش ۱۱۸ھ میں ہوئی۔ تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۳۵ جبکہ حافظ ابن حجر عسقلانی کے مطابق وحشی سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت تک حیات رہا، جس کا اختتام ۳۵ھ میں ہوا اور صلاح الدین خلیل بن ایبک صفدی نے وحشی کی موت ۵۰ھ میں لکھی ہے۔ الوافی بالوفیات للصفدی ج ۱۷ ص ۲۵۳ خود سوچئے! صدقہ بن خالد نے یہ روایت بقول حافظ عسقلانی ۸۳ برس اور بقول صفدی ۶۸ سال اپنی پیدائش سے قبل وحشی سے کیسے سن لی تھی؟ (الاحادیث الموضوعات ۹۵)

ہوش میں جو نہ ہو، کیا نہ کرے۔

واہ! کیا شاندار تحقیق ہے! جناب یہ حضرت وحشی بن حرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے ہیں ان کا نام بھی وحشی بن حرب ہے جیسا کہ تفصیل کے ساتھ اوپر گزر چکا ہے۔ موصوف نے پوتے کو دادا بنا دیا، حالانکہ امام بخاری نے واضح طور وحشی بن حرب عن ابیہ عن جدہ لکھا ہے۔

موصوف کی تحریف بنام تحقیق کے مطابق حضرت وحشی بن حرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو صحابی ہیں نے

اگر یہ حدیث اپنے والد حرب سے روایت کی ہے جس کے بارے میں ظاہر یہ ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں ہی مر گیا ہوگا، اور اس نے حضرت وحشی کے دادا سے روایت کی ہے جو شاید نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے بھی پہلے مر گیا ہوگا، اور وہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے حدیث روایت کر رہا ہے، کیا بات ہے پھر تو حدیث کے موضوع ہونے میں کیا شک رہا۔ اسے کہتے ہیں تحقیق!

موصوف لکھتے ہیں: اس سند میں دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اس کے تمام راوی یا تو شامی اور اموی ہیں یا پھر امویوں کے غلام ہیں۔

سبحان اللہ! کیا شاندار اعتراض ہے! کیا محدثین نے کسی کتاب میں یہ اصول لکھا ہے کہ شامی اور اموی راوی اگرچہ عادل وضابط ہو، ناصبیت کی تہمت سے بری ہو اس کی روایت فضائل امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں قبول نہیں کی جائے گی؟

اوپر ہم تمام راویوں پر محدثین کے اقوال ذکر کر چکے ہیں۔

حضرت وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

موصوف لکھتے ہیں:

''خود وحشی بھی اموی غلام تھا، یہ وہی ہے جس نے سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل کیا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اسے منہ نہیں لگاتے تھے، یہ اکثر نشہ میں دھت رہتا تھا، حتی کہ اس کی موت بھی حالت نشہ میں ہوئی تھی''۔ (الاحادیث الموضوعات ۹۶)

نعوذ باللہ من ذلك! حضرت وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو گناہ ہوا، اللہ تعالیٰ نے اسے معاف فرمادیا، کثیر مفسرین نے سورۂ زمر کی آیت ۵۳ کا ایک شان نزول یہی لکھا ہے کہ یہ آیت انہی حضرت وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں نازل ہوئی تھی، آیت یہ ہے:

((قُلْ يَاعِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَى أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللهِ إِنَّ اللهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ)) (سورۃ الزمر آیت ۵۳)

(ترجمۂ کنز الایمان:) ''تم فرماؤ اے میرے وہ بندو، جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو بے شک اللہ سب گناہ بخش دیتا ہے بے شک وہی بخشنے والا مہربان ہے''۔ (اللباب فی علوم الکتاب ج ۱۰ ص ۵۲۸) (تفسیر القرطبی ج ۱۵ ص ۲۶۸) (النکت والعیون

ج۵ ص ۱۳۱) (تفسیر البغوي ج ۴ ص ۹۴) (الهداية إلى بلوغ النهاية للإمام أبي طالب المكي ج ۱۰ ص ۶۲۹۳) (تفسير النسفي ج ۳ ص ۱۸۷) (درج الدرر في تفسير الآي والسور لعبد القاهر الجرجاني ج ۲ ص ۵۳۳)

جب اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کر دیا، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے اسلام کو قبول کرلیا، تو آپ کون ہوتے ہیں ان کے بارے میں اس طرح کے الفاظ استعمال کرنے والے؟

صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی رحمہ اللہ تعالیٰ مختلف صحابہ کرام علیہم الرضوان کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: حتی کہ حضرت وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنہوں نے قبل اسلام حضرت سیدنا سید الشہداء حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کیا اور بعد اسلام اخبث الناس خبیث مسیلمہ کذاب ملعون کو واصل جہنم کیا، وہ خود فرمایا کرتے تھے کہ میں نے خیر الناس و شر الناس کو قتل، ان میں کسی کی شان میں گستاخی، تبرا ہے، اور اس کا قائل رافضی، اگرچہ حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی توہین کی مثل نہیں ہو سکتی۔

(بہار شریعت حصہ ۱ ص ۲۵۴)

امام ابن امیر الحاج رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وقال السبكي: والقول الفصل أنا نقطع بعدالتهم من غير التفات إلى هذيان الهاذين وزيغ المبطلين، وقد سلف اكتفاؤنا في العدالة بتزكية الواحد منا فكيف بمن زكاهم علام الغيوب الذي لا يعزب عن علمه مثقال ذرة في الأرض ولا في السماء في غير آية، وأفضل خلق الله الذي عصمه الله عن الخطأ في الحركات والسكنات محمد صلى الله تعالى عليه وآله وسلم في غير حديث، ونحن نسلم أمرهم فيما جرى بينهم إلى ربهم جل وعلا، ونبرأ إلى الملك سبحانه ممن يطعن فيهم ونعتقد أن الطاعن على ضلال مهين وخسران مبين.

''امام سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: قول فیصل یہ ہے کہ ہم صحابہ کی عدالت کو قطعاً مانتے ہیں' اور بکنے والوں کی بکواس، باطل لوگوں کے ٹیڑھ کی طرف کوئی التفات نہیں کرتے، باب عدالت میں ہمارا کسی ایک تعدیل پر کفایت کرنا گزر چکا ہے، تو ان کا کیا کہنا جن کی تعدیل' اس علام الغیوب نے متعدد آیات میں کی ہے، جس کے علم سے زمین وآسمان کا کوئی ایک ذرہ بھی چھپا نہیں، اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب افضل ہستی نے اپنی متعدد احادیث میں ان کی

تعدیل کی ہے، جن کی تمام حرکات وسکنات کو اللہ تعالیٰ نے خطا سے محفوظ رکھا یعنی سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، اور ہم ان کے آپس کے معاملات کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے لیے ان تمام لوگوں سے برات اختیار کرتے ہیں جو ان پر طعن کرتے ہیں، اور ہم یہ اعتقاد رکھتے ہیں، کہ طعن کرنے والا، ذلت آمیز گمراہی پر اور کھلے خسارے میں ہے"۔

(التقریر والتحبیر ج۲ ص۳۴۷)

نشئی کی طرف سے نشے کے الزام کی تحقیق

ان کے نشے کے بارے موصوف فیضی نے دو روایت ذکر کی ہیں اور دونوں ہی سندا مجروح ہیں، ان پر تو سندِ صحیح سے الزام ثابت کر نہیں کر سکے، البتہ خود نجانے کون سے نشے میں تھے، کہ پوتے اور دادا میں ہی فرق نہ کر سکے۔

پہلا قول موصوف نے لکھا:

"سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

ما زالت لوحشي في نفسي حتى أخذ قد شرب الخمر بالشام فجلد الحد فحططت عطاءه إلى ثلاث مائة وكان فرض له عمر في ألفين

"ہمیشہ میرے دل میں وحشی کے لیے کھٹکا سا رہا، یہاں تک کہ وہ پکڑا گیا، اس نے شام میں شراب پی تو اس پر حد لگائی گئی، پھر میں نے اس کا وظیفہ تین سو تک محدود کر دیا، راوی کہتے ہیں اس سے قبل سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے دو ہزار وظیفہ والوں میں شامل کر رکھا تھا"۔

(تہذیب الکمال ج۳۰ ص۴۳۰) (تہذیب التہذیب ج۶ ص۱۰۷) (الاحادیث الموضوعات ۹۶)

اقول و باللہ التوفیق! تہذیب الکمال میں یہ قول یونس بن ابو اسحق سے مروی ہے اور وہ اپنے والد یعنی عمرو بن عبد اللہ بن عبید الھمد انی کوفی، سے نقل کرتے ہیں اور عمرو بن عبد اللہ کی ولادت ہی حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے آخری دور میں ہوئی۔ (تہذیب التہذیب ج۶ ص۱۷۲ رقم ۵۲۳۶) تو انہوں نے کہاں سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فرمان سن لیا؟

نیز یہ قول بالسند تاریخ دمشق میں مذکور ہے۔ (تاریخ دمشق ج۶۲ ص۴۱۹)

اور وہاں اس میں ایک راوی احمد بن عبد الجبار العطاردی ہیں جو ضعیف راوی ہیں۔

(تقریب التہذیب ص۱۱۹ رقم ۶۴)

لہٰذا اس قول کی تو سند ابھی کوئی حیثیت نہ رہی۔

دوسرا قول موصوف ذکر کرتے ہیں:

''امام علاؤ الدین مغلطائی حنفی لکھتے ہیں: قال ابن شهاب: مات غرقا في الخمر زعموا ابن شہاب فرماتے ہیں: لوگوں نے کہا: وہ شراب میں غرق ہونے کی حالت میں مرا تھا۔''

(الاحادیث الموضوعات ص ۹۶)

ابن شہاب زہری رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ تعالیٰ نے الاستیعاب میں نقل کیا ہے اور موسیٰ بن عقبہ سے روایت کیا ہے۔ (الاستیعاب في معرفة الأصحاب ج ۴ ص ۱۵٦۵)

حافظ ابن عبد البر اور موسیٰ بن عقبہ کے مابین تقریباً دو سو سال سے زیادہ کا وقفہ ہے، (موسیٰ بن عقبہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا وصال ۱۴۱ھ میں ہوا، اور حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ تعالیٰ کی ولادت ۳٦۸ھ میں ہوئی) درمیان سے سند موجود ہی نہیں، پھر ابن شہاب زہری رحمہ اللہ تعالیٰ بھی لوگوں کا گمان بتا رہے ہیں، پھر امام زہری رحمہ اللہ تعالیٰ کی ولادت بھی سن ۵۱ھ میں حضرت وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتقال کے بعد ہوئی۔ یہ سند کا حال ہے، اور موصوف ایسی مردود بات لے کر ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر طعن کر رہے ہیں۔

قارئین! آپ نے ملاحظہ فرمالیا کہ جہاں بات فضائل کی آتی ہے موصوف ثابت احادیث کو بھی اپنی ہوس سے باطل ثابت کرنے کی کوشش کرنے لگتے ہیں، لیکن جہاں صحابہ پر طعن کرنے کی بات آتی ہے تو منقطع ضعیف اقوال بھی ان کو محبوب و قبول ہوتے ہیں۔

حالتِ تحقیق دیکھیں اور تعلیاں ملاحظہ فرمائیں امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتب کی اہمیت کو کم کرنے کی کوشش کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''لہٰذا خود سوچیے کہ التاریخ الکبیر میں درج شدہ ایک ایسی روایت کیونکر قبول ہوسکتی ہے جس میں دو راویوں کے درمیان ٦۸ یا ۸۳ سال کا فرق ہے؟ قارئین کرام! مقامِ غور ہے کہ آسمانی کتابیں یکساں معتبر نہیں ہیں، لیکن کنز العلماء صاحب کا کمال دیکھئے کہ وہ امام بخاری کی تمام کتابوں کو یکساں معتبر قرار دے رہیں! کیا علماء حق سے ایسی مغالطہ آفرینی کی توقع کی جاسکتی ہے؟'' (الاحادیث الموضوعات ص ۹۸)

کچھ سوالات ہمارے بھی ہیں۔

جی قارئین کرام! انہی کے انداز میں آپ سے التماس ہے کہ مقامِ غور ہے کہ پوتے کو دادا بنا کر پیش کرنا اور راوی کو بدل دینا کیا ان سے اس کی توقع کی جاسکتی ہے؟ جی ہاں کی جاسکتی ہے، کیونکہ بغیر خیانت کے یہ اپنا مقصود کبھی ثابت ہی نہیں کر سکتے۔

کتاب ''فیضان امیر معاویہ'' میں التاریخ الکبیر کا حوالہ موجود تھا، پھر اس کا تذکرہ نہ کرنا کس وجہ سے؟ تاکہ لوگوں کو فریب دے سکیں کہ جن کتب سے فیضان امیر معاویہ میں حدیث ذکر کی گئی ہے وہاں بلا سند حدیث ہے۔ کیا علمائے حق سے اس کی توقع کی جاسکتی ہے؟

پھر یہ کہنا کہ الشریعہ میں یہ حدیث بلا سند ہے، حالانکہ وہاں دو سندوں کے ساتھ یہ حدیث موجود ہے ایسا کیوں؟ کیا اس کی ان سے توقع کی جاسکتی ہے۔

موصوف لکھتے ہیں:

> ''یاد رہے کہ وحشی بھی فتح مکہ کے مسلمانوں میں سے تھا، لہٰذا اس کا شمار طلقاء میں ہوتا ہے، جبکہ عند المحدثین اسے صحابی سمجھا جاتا ہے اور بلاشبہ ہے صحابیت ایک رتبۂ عظمیٰ تو لیکن ایسا لائسنس نہیں کہ آدمی جو چاہے کرتا رہے اس سے کوئی مؤاخذہ ہوگا اور نہ ہی کوئی حساب۔''

(الاحادیث الموضوعات ص۹۶)

اقول و باللہ التوفیق! اوّلاً: کیا یہ اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ بالفرض اگر صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کوئی گناہ ثابت ہو تو اس وجہ سے ان پر طعن و تشنیع کی جائے گی؟ یہاں تو آپ نے صرف تہمتیں ہی لگائی ہیں ضعیف اور منقطع اسانید سے اقوال ضعیفہ مردودہ ذکر کیے ہیں۔

ثانیاً: اگر مؤاخذہ ہوگا تو یہ مؤاخذہ کیا آپ کریں گا؟ یا ان کا رب عزوجل؟ اگر فیصلہ ان کا رب کرے گا تو سنیں ان کا رب کیا ارشاد فرماتا ہے:

لَا يَسْتَوِي مِنكُم مَّنْ أَنفَقَ مِن قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِينَ أَنفَقُوا مِن بَعْدُ وَقَاتَلُوا وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ (سورۃ الحدید 10)

(ترجمۂ کنز الایمان:) ''تم میں برابر نہیں جنہوں نے فتح مکہ سے قبل خرچ اور جہاد کیا وہ مرتبہ میں ان سے بڑے جنہوں نے بعد فتح کے خرچ اور جہاد کیا اور ان سب سے اللہ جنت کا وعدہ فرما چکا اور اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے''۔

اعلیٰ حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''مشاجرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں مداخلت حرام ہے، حدیث میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

إذا ذكر أصحابي فأمسكوا جب میرے صحابہ کا ذکر آئے تو زبان کو روکو، دوسری حدیث میں ہے، فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم: ستكون لأصحابي بعدي زلة يغفرها الله لهم لسابقهم. ثم يأتي من بعدهم قوم يكبهم الله على مناخرهم في النار

''قریب ہے کہ میرے اصحاب سے کچھ لغزش ہوگی جسے اللہ بخش دے گا اس سابقہ کے سبب جو ان کو میری سرکار میں ہے، پھر ان کے بعد کچھ لوگ آئیں گے جن کو اللہ تعالیٰ ناک کے بل جہنم میں اوندھا کردے گا''۔

یہ وہ ہیں جو ان لغزشوں کے سبب صحابہ پر طعن کریں گے، اللہ عزوجل نے تمام صحابۂ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قرآنِ عظیم میں دو قسم کیا: مؤمنین قبل فتح مکہ ومؤمنین بعد فتح، اول کو دوم پر تفضیل دی اور صاف فرمادیا۔ سب سے اللہ نے بھلائی کا وعدہ فرمالیا۔ اور ساتھ ہی ان کے افعال کی تفتیش کرنے والوں کا منہ بند فرمادیا۔ اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ تم کرنے والے ہو، بایں ہمہ وہ تم سب سے بھلائی کا وعدہ فرماچکا پھر دوسرا کون ہے کہ ان میں سے کسی کی بات پر طعن کرے، واللہ الہادی، واللہ تعالیٰ اعلم!

(فتاویٰ رضویہ ج ۲۹ ص ۳۳۶)

'تو جناب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنے مؤاخذے کی سوچیں، جان بوجھ کر، خیانت کرتے ہوئے، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ پر تہمتیں لگارہے ہیں۔ کیا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آپ کا مؤاخذہ نہیں ہوگا؟

موصوف لکھتے ہیں:

''امام ذہبی اس موضوع روایت کو نقل کرنے کے بعد صالح جزرہ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: وحشی اور اس کے باپ میں مت مشغول ہو۔ (تاریخ الاسلام للذہبی ج ۴ ص ۳۱۰) راقم الحروف کا خیال ہے کہ بعض کذاب قسم کے لوگوں نے اس حدیث کو وضع کرکے اسے وحشی کی طرف منسوب کردیا ہوگا، ورنہ نشہ میں دھت رہنے والے شخص کو ایسے دھندے

سے کیا سروکار۔" (الاحادیث الموضوعات ص ۹۸)

معیار ایک ہی ہے۔

لعنۃ اللہ علی شر کم! موصوف کو اصل تکلیف حضرت وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نہیں ہے، اصل مسئلہ یہ ہے کہ حضرت وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فضیلت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں حدیث روایت کی ہے، ورنہ یہی موصوف اپنی کتاب مناقب الزہراء (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) میں ابن قیم کی کتاب تحفۃ المودود سے نام کی تاثیر میں ایک طویل اقتباس نقل کرتے ہیں، اس میں ابن قیم نے حضرت وحشی کا نام صرف وحشی لکھا تھا جس کا ترجمہ موصوف کرتے ہیں: حضرت وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ (مناقب الزہراء ص ۲۲)

پھر اسی کتاب میں موصوف نے حضرت سیدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت اور حضرت وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فعل کو بارگاہ مصطفوی علیہ الصلاۃ والسلام میں ناپسند ہونے کا تذکرہ کیا اور یہاں پانچ مقام پر حضرت وحشی کے نام کے ساتھ حضرت لکھا اور دو مقام پر ان کے نام کے ساتھ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی لکھا۔

(مناقب الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا ص ۲۰۲۔۲۰۳)

اُس مقام پر یہ وحشی حضرت وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیسے ہو گئے؟ اس لیے کہ وہاں فضیلت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر کوئی بات نہیں ہے۔ فتدبر!

امام ذہبی کے نزدیک حدیث مذکور کا حکم

امام ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ اس حدیث کو دیگر احادیث فضائل حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ذکر کرنے کے بعد ارشاد فرماتے ہیں:

فهذه أحاديث مقاربة (سیر أعلام النبلاء ج ۳ ص ۱۲۷)

اس سے امام ذہبی کے نزدیک تو اس حدیث کا حکم ظاہر ہو گیا، ثانیاً صالح جزرہ کی اس بات کا کوئی اعتبار ہی نہیں، امام احمد، امام طبرانی، امام ابوداود اور امام ابن ماجہ نے ان کی حدیث کو روایت کیا جس کے رواۃ کو امام ہیثمی اور امام شامی صالحی نے ثقات قرار دیا، امام حاکم، ضیاء المقدسی، امام حبان، نے ان کی حدیث کو روایت کیا جس کی سند کو حافظ عراقی اور حافظ عجلونی رحمہم اللہ تعالیٰ نے حسن کہا ہے۔

خود امام ذہبی میزان الاعتدال میں صالح جزرہ کا قول نقل کرنے کے بعد اس پر استدراک فرماتے ہیں:

قلت: خرج له أبو داود. مزید لکھتے ہیں: وقال العجلي: لا بأس به. (میزان الاعتدال ج ۷ ص ۱۲۱ رقم ۹۳۴۷)

لطف کی بات یہ ہے کہ موصوف ابھی تک وحشی بن حرب بن وحشی بن حرب کو حضرت وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی سمجھے ہوئے ہیں، یعنی پوتے کو دادا، پھر اس کے بعد صالح جزرہ کا قول نقل کر رہے ہیں کہ وہ حضرت وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے باپ کے ساتھ مشغول ہونے سے منع کر رہے ہیں، جبکہ وہ حرب جو حضرت وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا باپ تھا ظاہر یہی ہے کہ وہ تو اسلام میں داخل ہی نہ ہوا تھا اس کے ساتھ اشتغال بالروایۃ چہ معنی دارد۔ کیا کہنے اس تحقیق دلپذیر کے۔

باری آتی ہے عقل فیضی کی

موصوف لکھتے ہیں:

''اس روایت کو بیان کرنے والوں سے ہمارا سوال ہے کہ اگر یہ روایت ان کے نزدیک صحیح ہے اور اس میں مذکور دعائے نبوی اللّٰھم املاہ علما وحلما (اے اللہ اس کے پیٹ کو علم وحلم سے بھر دے) جنابِ معاویہ کے حق میں مقبول ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ موصوف دوسرے مسائل تو کیا ارکان حج کی ادائیگی میں بھی اکابر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے محتاج ہوتے تھے؟ محدثینِ کرام نے لکھا ہے ایک مرتبہ انہوں نے سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا: اے ابو اسحاق ہم ایسی قوم ہیں جنہیں اس جنگ نے حج سے دور رکھا، حتی کہ ہم اس کی بعض سنتیں بھولنے لگے، لہٰذا آپ طواف شروع کریں، تو ہم آپ کے ساتھ طواف کرتے جائیں گے۔ تاریخ دمشق، مختصر تاریخ دمشق، البدایہ والنہایۃ۔۔ ایمان سے بتلائیے! دعائے نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بدولت جس شخص کا پیٹ علم سے بھر چکا ہو کیا وہ دوسروں کا محتاج ہوتا ہے؟ کیا کبھی باب مدینۃ العلم سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی کسی مسئلہ میں دوسرے کے محتاج ہوئے؟''۔ (الاحادیث الموضوعہ ص ۹۸-۹۹)

اقول وباللہ التوفیق! اگر روایت کے اس حصے کو تسلیم کر بھی لیا جائے، تو اس سے آپ کا مدعیٰ کسی صورت ثابت نہیں ہوتا، کہ ان امور میں نسیان انبیاء علیہم السلام کے علاوہ کسی کو بھی لاحق ہوسکتا ہے،

ثانیاً: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علم کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو دعا دی، اور یہ حدیث حسن سے ثابت ہے، جیسا کہ ہم اس حدیث کو بھی اور اس سے پہلے والی حدیث کو بھی ثابت کر آئے ہیں۔

ثالثاً: سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان اجلہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں سے ہیں جنہوں نے ڈیڑھ سو سے زیادہ احادیث حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اس امت تک پہنچائیں اور علم کو عام کیا۔

رابعاً: اجلہ صحابہ کرام علیہم الرضوان اور تابعین نے آپ سے احادیث طیبہ روایت کیں۔

خامساً: اپنی باری یعنی طعن کرنے میں آپ سند کی تحقیق کہاں بھول جاتے ہیں۔

عبداللہ بن ابو نجیح کے والد یسار المکی جو اس واقعے کو نقل کر رہے ہیں ان کا حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سماع ثابت ہی نہیں، حافظ علائی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

يسار المكي أبو نجيح والد عبدالله قال أبو زرعة: روايته عن عمر رضي الله تعالى عنه مرسلة، و كذلك عن سعد وغيره قاله في التهذيب

''یسار المکی ابو نجیح جو عبداللہ کے والد ہیں، ابو زرعہ کہتے ہیں: ان کی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت مرسل ہے، اسی طرح حضرت سعد وغیرہ سے بھی، (حافظ مزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے) یہ بات تہذیب الکمال میں بیان فرمائی ہے''۔ (جامع التحصیل ص ۳۰۳ رقم ۹۰۹)

تہذیب التہذیب میں ہے:

يسار أبو نجيح الثقفي مولى الاخنس بن شريق المكي، روى عن معاوية، وأبي هريرة، وأبي سعيد، وابن عباس وابن عمر، وعبيد بن عمير، وغيرهم وأرسل عن عمر، وسعد، وقيس بن سعد بن عبادة، ومخرمة بن نوفل

''یسار ابو نجیح ثقفی جو اخنس بن شریق مکی کے آزاد کردہ غلام ہیں، حضرت معاویہ، حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابو سعید، حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور عبید بن عمیر وغیرہ سے روایت کرتے ہیں، اور حضرت عمر، حضرت سعد، حضرت قیس بن سعد بن عبادہ اور حضرت مخرمہ بن نوفل رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مرسلا روایت کرتے ہیں''۔

(تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۳۹۳ رقم ۸۰۸٤)

قارئین محترم! موصوف کا علمی مقام آپ دیکھ چکے ہیں کہ بغیر جھوٹ بولے اُن کا کام نہیں چلتا، واضح لکھی باتیں ان کو نظر نہیں آتیں، اور جہاں اپنی بات ثابت کرنی ہو تو کیسی ہی سند ہو چلے گی، یہ تمام باتیں

آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

موصوف نے یہاں مولائے کائنات مولا مشکل کشا سیدنا علی المرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابل حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی علمیت کے مقابل پیش کیا ہے، یہ کتنی بڑی نادانی ہے، مولا علی مولا مشکل باب مدینۃ العلم فداہ روحی وقلبی، کا علم کہاں، ان کے مقابل حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علم کو تو کوئی نسبت ہی نہیں دی جاسکتی، حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو مسائل میں مولا مشکل کشا سیدنا علی المرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے محتاج رہتے ان سے سوالات کیا کرتے تھے، لوگوں کو ان سے جوابات حاصل کرنے بھیجتے تھے، موصوف فیضی کے حوالے سے ہم پیچھے لکھ آئے ہیں کہ ان کے نزدیک حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو علمی اعتبار سے سیدنا علی المرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابل لانا ادب کے خلاف ہے، اب ان سے پوچھا جائے پھر آپ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو یقینا حضرت سیدنا علی المرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے علمی لحاظ سے بھی بہت کم ہیں، ان کے مقابل لاکر بے ادبی کا ارتکاب کیوں کررہے ہیں۔؟ اصل یہ ہے کہ ان کو کسی سے محبت نہیں، صرف بغض سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے اور یہ محبت اہل بیت کی آڑ لے کر ان پر طعن کرنا چاہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں صحابہ کرام علیہم الرضوان بشمول حضرت سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بغض سے محفوظ رکھے۔ آمین!

جھانسہ کسی اور کو دیں

موصوف لکھتے ہیں:

> ''خیال رہے کہ امام ابن عساکر نے فضائل معاویہ میں زیادہ سے زیادہ جن تین روایات کو کسی کھاتے میں رکھا ہے یہ روایت ان کے علاوہ ہے، لہٰذا یہ روایت ان کے نزدیک بھی قابل اعتبار نہیں۔'' (الاحادیث الموضوعات ص ۹۹)

ایسے دھوکے آپ عامۃ الناس کو تو دے سکتے ہیں، اہل علم آپ کے ان جھانسوں میں آنے والے نہیں، صرف آپ کی تقلید جامد کرتے ہوئے جہل مرکب کا ارتکاب کرنے والے ایسی تحقیق سے خوش ہوں گے۔

امام ابن عساکر رحمہ اللہ تعالیٰ کے الفاظ یہ ہیں: أصح ما روی فی فضل معاویة. موصوف کبھی اس کا

ترجمہ کرتے ہیں: معاویہ کی شان میں کسی حد تک تین احادیث قابل قبول ہوسکتی ہیں (ص ۴۱) کبھی اس کا معنی بیان کرتے ہیں: دو تین احادیث کو کسی نہ کسی کھاتے میں ڈالنے پر مجبور ہو گئے (۵۵) اور یہاں بھی ترجمہ آپ نے ملاحظہ فرمایا۔

اصح کا ترجمہ اولی ثانیہ کے طلبا سے سیکھ لیں، امید ہے اسم تفضیل کا مفہوم اور اصح کا معنی وہ آپ کو بہتر سمجھا دیں گے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ محبوب خدا اور رسول عز وجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان خوش بخت صحابہ میں شامل ہیں جن کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اس سے محبت کرتے ہیں، اب یہ مصطفی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کرم کی بات ہے وہ جس کو چاہیں نواز دیں، دوسرا کوئی کون ہوتا ہے اس پر اعتراض کرنے والا؟ یہ بات اظہر من الشمس بات ہے کہ محبوبیت کے درجات ہوتے ہیں، بارگاہ رسالت میں جو درجہ محبوبیت کا حضرت سیدنا مولا مشکل کشا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حاصل تھا ظاہر ہے کہ اس کا عشر عشیر بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے نہیں، لیکن ان کے دربار میں کوئی کسی بھی درجے میں محبوب ہو جائے تو کیا یہ بڑی بات نہیں؟

اس حوالے سے ایک حدیث مبارک اور اس پر موصوف کے اعتراض کے جوابات ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں:

دخل النبی -صلی الله تعالی علیه وآله و سلم- علی أم حبیبة. ورأس معاویة فی حجرها وهی تفلیه. فقال: لها: ((أتحبینه؟)) فقالت: وما لی لا أحب أخی: فقال رسول الله صلی الله تعالی علیه وآله وسلم: ((فإن الله ورسوله یحبانه))

”نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر ان کی گود میں تھا اور وہ ان کے سر سے جوئیں نکال رہی تھیں، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا تم ان سے محبت کرتی ہو؟ عرض کی: میں ان سے کیوں محبت نہ کروں یہ میرے بھائی ہیں، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ اور اس کا رسول بھی اس سے محبت رکھتے ہیں“۔

امام ہیثمی حدیث کو ذکر کرنے کے بعد ارشاد فرماتے ہیں:

رواه الطبراني وفيه من لم أعرفهم

''اسے طبرانی نے روایت کیا اور اس کی سند میں ایسے راوی ہیں جن کو میں نہیں جانتا''۔

(مجمع الزوائد ج ۱۹ ص ۳۰۱ رقم الحدیث ۵۸۹۶)

حافظ عقیلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے الضعفاء الکبیر میں اس حدیث کو عبد اللہ بن بکار الاشعری کے ترجمہ میں ذکر کیا، اور انہی کے طریق سے حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ تعالیٰ نے تاریخ دمشق میں روایت کیا ہے۔

عبد اللہ بن بکار الاشعری کے بارے میں حافظ عقیلی نے لکھا ہے:

مجهول في النسب والرواية حديثه غير محفوظ.

''نسب و روایت میں مجہول ہے اور اس کی حدیث غیر محفوظ ہے''۔

(كتاب الضعفاء للعقيلي ج ۳ ص ۱۸۶ رقم الترجمۃ ۷۹۳)

مجہول راوی کی حدیث کا حکم

جب سند میں میں مجہول راوی ہوں تو حدیث ضعیف قرار پاتی ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسباب طعن دس ذکر کیے، جس میں پہلا کذب فی الحدیث بیان کیا، جس کی بنیاد پر ان کے نزدیک حدیث موضوع قرار پاتی ہے اور آٹھویں نمبر پر جہالت کو بیان کیا اور خود اس بات کی صراحت فرمائی ہے کہ ہر پہلا، دوسرے کے مقابلے میں سخت تر ہے۔

(نزہۃ النظر شرح نخبۃ الفکر ص ۸۸)

اب اندازہ لگالیں! کہاں کذب فی الحدیث اور کہاں فقط جہالتِ راوی!!!

حافظ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ولو ثبتت جهالته لم يلزم أن يكون الحديث موضوعا، ما لم يكن في إسناده من يتهم بالوضع

''یعنی: اگر راوی کی جہالت ثابت بھی ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حدیث ہی موضوع ہو، جب تک کہ اس کی سند میں کوئی راوی متہم بالوضع نہ ہو''۔ (اللآلي المصنوعة ج ۲ ص ۳۷)

اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ محدثین سے اس کی مثالیں نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: خلاصہ یہ کہ سند

میں متعدد مجہولوں کا ہونا حدیث میں صرف ضعف کا مورث ہے، اور صرف ضعیف کا مرتبہ حدیث منکر سے احسن واعلیٰ ہے جسے ضعیف راوی نے ثقہ راویوں کے خلاف روایت کیا ہو، پھر وہ بھی موضوع نہیں، تو فقط ضعیف کو موضوعیت سے کیا علاقہ؟ امام جلیل جلال الدین سیوطی نے ان مطالب کی تصریح فرمائی۔ واللہ تعالیٰ اعلم! (فتاوی رضویہ ج ۵ ص ۴۴۵۔۴۴۸)

موصوف ظہور فیضی فن حدیث میں اپنی قابلیت کیا ہی زبردست انداز میں ظاہر فرماتے ہیں، حافظ ہیثمی رحمہ اللہ تعالیٰ کا کلام ''اس کی سند میں ایسے راوی ہیں جن کو میں نہیں جانتا''، نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''خدا جانے وہ کیسے کیسے آفت کے پرکالے ہوں گے''۔ (الاحادیث الموضوعات ص ۸۸)

راوی غیر معروف ہوں تو کیا وہ آفت کے پرکالے ہوتے ہیں؟ یا یہ قاعدہ صرف حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت میں وارد حدیث کے لیے ہے؟

راوی مجہول ہو تو زیادہ سے زیادہ حکم اتنا ہوتا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے، اوپر ائمہ محدثین کا کلام گزر چکا ہے، اعلیٰ حضرت عظیم البرکت رحمہ اللہ تعالیٰ نے منیر العین میں اس پر تفصیل سے کلام فرمایا ہے، مختلف ائمہ کے اقوال نقل کرنے کے بعد امام اہلسنت رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''بہر حال نزاع اس میں ہے کہ جہالت سرے سے وجوہ طعن سے بھی ہے یا نہیں، یہ کوئی نہیں کہتا کہ جس حدیث کا راوی مجہول ہو خواہی نخواہی باطل ومجعول ہو، بعض متشددین نے اگر دعوے سے قاصر دلیل ذکر بھی کی علما نے فوراً رد وابطال فرمادیا کہ جہالت کو وضع سے کیا علاقہ۔''

غیر صحیح کا معنی

حافظ ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے عبد اللہ بن بکار کے ترجمہ میں اس حدیث کے بعد لکھا ہے: فھذا غیر صحیح۔ (میزان الاعتدال ج ٤ ص ٦٩ رقم الترجمۃ ٤٢٣٤)

اس پر تفصیل گزر چکی ہے کہ لا یصح وغیرہ کے الفاظ سے حدیث کا موضوع ہونا تو درکنار حسن نہ ہونا بھی لازم نہیں آتا۔

اس پر موصوف نے شیخ عبد الفتاح ابو غدہ کا سہارا لیا جنہوں نے اپنے شیخ زاھد الکوثری رحمہ اللہ تعالیٰ سے اور انہوں نے علامہ ابن ہمات الدمشقی رحمہ اللہ تعالیٰ سے یہ بحث نقل کی ہے کہ کتب احکام میں جب یہ الفاظ استعمال ہوں گے اس وقت تو یہ ضابطہ درست ہوگا، لیکن جب کتب موضوعات وضعفا میں استعمال

ہوں گے تو اس سے مراد حدیث موضوع ہوگی۔

اس کا مفصل جواب بھی دعوتِ اسلامی کے مفتی حسان صاحب اپنی ایک تحریر میں دے چکے ہیں، ہم یہاں ان کا کلام مزید اضافہ کے ساتھ پیش کرتے ہیں، ''امام اہلسنت رحمہ اللہ تعالیٰ نے فتاوی رضویہ میں کتب موضوعات کی دو قسمیں بیان کی ہیں، ایک وہ کتب جس میں محدث کا مقصود ہی موضوع احادیث کا جمع کرنا ہوتا ہے، جیسے حافظ ابن الجوزی کی کتاب الموضوعات اور ملا علی قاری رحمہما اللہ تعالیٰ کی المصنوع فی معرفۃ الموضوع اس کتاب میں جب حدیث آئے گی تو چاہے صاحب کتاب اس پر لایصح نہ بھی لکھیں وہ ان کے نزدیک موضوع ہوگی، کیونکہ ان کا مقصود ہی موضوع احادیث کو جمع کرنا ہے، جیسے وہ ائمہ جنہوں نے صحیح احادیث کا التزام کیا، ان کی کتب میں جو حدیث ہوگی وہ ان کے نزدیک صحیح قرار پائے گی۔ لیکن دوسرا ان کے نزدیک اس حدیث کا صحیح یا موضوع ہونا ضروری نہیں ہے۔

دوسری وہ کتب جن کا مقصود احادیث موضوعہ کو جمع کرنا نہیں، بلکہ تحقیق احادیث مقصود ہوتی ہے، ان میں حدیث صحیح بھی ہوسکتی ہے، حسن بھی ضعیف اور موضوع بھی۔

اور یہ بات واضح ہے میزان الاعتدال ان کتب میں سے نہیں جو مختص بالموضوعات ہو، بلکہ یہ بنیادی اعتبار سے اسماء الرجال کی کتاب ہے، اس میں احادیث راویوں کے حالات کے تحت ذکر کی جاتی ہیں، جو صحیح سے لے کر موضوع تک تمام اصناف پر مشتمل ہوتی ہیں۔

پھر اوّلاً تو یہ جان لیں کہ یہ ضابطہ ''لا یصح سے حدیث کا موضوع ہونا لازم نہیں آتا'' کس کس نے بیان کیا، امام محدث زرکشی، حافظ ابن حجر عسقلانی، امام ابن امیر الحاج حلبی، حافظ نور الدین السمہودی، امام ابن حجر مکی، علامہ طاہر گجراتی پٹنی، حافظ ابن عراق الکنانی، ملا علی قاری، حافظ زرقانی، علامہ عبد الحی لکھنوی، امام اہلسنت امام احمد رضا خان، علامہ سید ظفر الدین بہاری رحمہم اللہ تعالیٰ، ان سب نے اس قاعدے کی صراحت کی ہے، اور اس میں کوئی تفریق نہیں کی کہ یہ قاعدہ کتب احکام کے ساتھ خاص ہے، بلکہ ان میں بیشتر نے کتب الضعفاء میں لکھے گئے ان الفاظ پر ہی یہ لکھا ہے کہ اس سے حدیث کا موضوع ہونا لازم نہیں آتا۔ شیخ عبد الفتاح ابو غدہ نے ان میں بیشتر ائمہ کا رد کیا کہ یہ اس قاعدے کو سمجھ ہی نہیں پائے اور بلا تفریق یہ حکم نقل کر دیا۔

(مفتی حسان عطاری صاحب لکھتے ہیں:) الحمد للہ عزوجل! آج سے سات برس قبل جامع الرضوی

المعروف صحیح البھاری کی تحقیق کرتے ہوئے اس کا جواب عربی میں میں دے چکا ہوں کہ یہاں شیخ عبدالفتاح ابوغدہ سے خود غلطی ہوئی ہے، ان ائمہ کا کلام اپنی جگہ بالکل درست ہے، اس لیے کہ انہوں نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ جب لم یصح یا لا یصح کہا جائے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حدیث موضوع ہو، چاہے کتب احکام ہوں یا کتب الضعفاء ان ائمہ نے یہ کب کہا ہے کہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ جب بھی لا یصح کہا جائے گا اس سے موضوع ہونے کی نفی ہی کی جائے گی، ان ائمہ نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ لا یصح کہنے سے موضوع ہونا لازم نہیں آتا، اب دلیل کو دیکھا جائے گا کہ یہاں کیا علت پائی جاتی ہے، اگر علت ضعف کی ہے تو حدیث ضعیف ہوگی اگر فقط خفت ضبط پایا گیا تو حدیث حسن ہوگی۔ یہ بات بالکل بین واضح ہے۔

ثانیاً: امام ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ کے یہاں غیر صحیح کہنے کی وجہ بالکل واضح ہے اور وہ عبد اللہ بن بکار الاشعری کا مجہول ہونا ہے۔ اس سے بڑھ کر عبد اللہ بن بکار الاشعری پر کوئی جرح نہ حافظ عقیلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کی ہے نہ حافظ ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے، اور مجہول راوی کی روایت پر کلام تفصیل کے ساتھ گزر چکا، تو لا یصح موضوع کے معنی میں کیسے ہوسکتا ہے؟

حافظ ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ حدیث اپنی تصنیف العلل المتناہیۃ میں نقل کی ہے، جس کا واضح مطلب ہے کہ یہ حدیث ان کے نزدیک موضوع نہیں اور نہ وہ اس بات کے مدعی ہیں کہ یہ حدیث موضوع ہے، کیونکہ ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے العلل المتناہیہ لکھی ہی ان احادیث کے لیے ہے جو ان کے دعوی کے مطابق موضوع نہیں ہیں۔

حدیث مبارک ہے:

كل بني آدم ينتمون إلى عصبة أبيهم غير ولد فاطمة فإني أنا أبوهم وأنا عصبتهم.

''یعنی: تمام بنی آدم اپنے والد کی طرف منسوب ہوتے ہیں، سوائے اولاد فاطمہ کے، کیونکہ میں ان کا والد ہوں اور میں ان کا عصبہ ہوں''۔

اس حدیث پر ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا:

هذا حديث لا يصح عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم.

یعنی: ''یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے صحیح نہیں ہے''۔

(العلل المتناهية جلد ١ ص ٢٦٠ رقم ٤١٨)

اس پر اعتراض کرتے ہوئے ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ویرد علیه أنه رواه الطبرانی فی الکبیر عن فاطمة. و کذا أخرجه أبو یعلی، وسنده ضعیف والحدیث مرسل وله شاهد عند الطبرانی. وغایته أنه حدیث ضعیف لا موضوع

یعنی: ''اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اس حدیث کو طبرانی نے کبیر میں حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے، اور اسی طرح ابو یعلی نے اس کی تخریج کی ہے، اس کی سند ضعیف ہے، اور حدیث مرسل ہے۔ طبرانی میں اس کا شاہد بھی موجود ہے، غایت یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے نہ کہ موضوع''۔ (الأسرار المرفوعۃ ص ۲۶۹)

اس پر امام اہل سنت رحمہ اللہ تعالیٰ موضوعات کبیر پر اپنی تعلیقات میں فرماتے ہیں:

ومتی ادعی ابن الجوزی وضعه؛ إنما قال: لا یصح. ولم یورده فی کتاب الموضوعات بل الصفات۔

یعنی: ''ابن جوزی نے کب اس کے موضوع ہونے کا دعویٰ کیا ہے؟ انہوں نے تو محض لا یصح کہا ہے، اور اس حدیث کو موضوعات میں وارد بھی نہیں کیا بلکہ صفات (الواہیات) میں وارد کیا ہے''۔ (تعلیقات إمام أهل السنة علی الأسرار المرفوعة ص ۱ ق)

امام اہل سنت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اس کلام سے واضح ہو گیا کہ ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ رحمہ اللہ تعالیٰ نے العلل المتناہیہ میں اس حدیث کو وارد کیا ہے اور اس کو لا یصح فرمایا ہے، تو کہاں سے وہ اس حدیث کو موضوع کہنے کے مدعی ہو گئے،؟! ان کے نزدیک یہ حدیث ضعیف قرار پائے گی۔

خود امام ابن جوزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

وجمعت الموضوعات المستبشعة فی کتاب سمیته کتاب الموضوعات من الأحادیث المرفوعات. وقد جمعت فی هذا الکتاب الأحادیث الشدیدة التزلزل الکثیرة العلل

یعنی: ''میں نے قبیح موضوع احادیث کو ایک کتاب میں جمع کیا، جس کا نام میں نے الموضوعات من الاحادیث المرفوعات رکھا ہے، اور میں نے اس کتاب میں شدید متزلزل اور کثیر علت

والی احادیث کو جمع کیا ہے"۔ (العلل المتناهية ج١ ص١٧)

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

ألفه ابن الجوزی بعد کتاب الموضوعات، فأتی فیه بموضوعات وقلیل حسان، کما أنه أتی فی کتاب الموضوعات بیسیر حسان ولینة

یعنی: "ابن جوزی نے کتاب الموضوعات کے بعد ایک کتاب لکھی جس میں موضوع حدیثیں اور کچھ حسن حدیثیں بھی لائے، جیسا کہ کتاب الموضوعات میں کچھ حسن اور ضعیف حدیثیں بھی لے آئے"۔ (تلخیص العلل المتناهية ص٢١)

واضح ہوگیا کہ ابن جوزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک بھی یہ حدیث موضوع نہیں، اگر ہوتی تو اس کتاب میں وارد نہ کرتے اور حافظ ذہبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک بھی موضوع نہیں کہ اگر موضوع ہوتی تو اس پر تنبیہ فرماتے ورنہ تلخیص کا فائدہ؟

ان دلائل کا تو موصوف فیضی کے پاس کوئی جواب نہیں تھا لیکن اب موصوف نے لکھا ہے: "خیال رہے کہ امام ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب العلل المتناهية فی الاحادیث الواهیه کا شمار کتب ضعفا میں ہوتا ہے، اور اوپر جو اصول بیان کیا گیا اس میں فقط موضوعات کا نہیں بلکہ کتب ضعفا کا ذکر ہے، لہٰذا امام ابن الجوزی کا العلل میں اس حدیث کے بارے میں لا یصح کہنا اس کے اظہار موضوعیت کے لیے ہے۔۔۔الخ۔ (الاحادیث الموضوعات ص٩٠)

اقول وباللہ التوفیق! اوّلاً حق کی جستجو ہے تو غور کیجئے ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب العلل المتناهیه کا اسلوب امام اہل سنت رحمہ اللہ تعالیٰ کے حوالے سے بلکہ خود ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ کے حوالے سے اوپر بیان کیا گیا ہے کہ اس کا مقصود ہی وہ احادیث جمع کرنا ہے جو موضوع نہیں، بلکہ ضعیف ہیں، اب ایک بار العلل المتناهیه اٹھا کر دیکھ لیں کہ اس میں کل ١٧٠٠ سے کچھ زائد احادیث ہیں اور ان میں سے تقریباً گیارہ سو پر ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہی ارشاد فرمایا: "لا یصح، لم یصح" اگر لا یصح سے مقصود موضوع ہونا ہے تو کتاب لکھنے کا مقصد ہی ختم ہوگیا، ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ کتاب ضعیف احادیث پر مشتمل کتاب تو نہ رہے گی بلکہ موضوع احادیث پر مشتمل کتاب بن جائے گی۔ فافہم! ذرا توجہ سے دیکھ لیں۔

ثانیاً: یہاں تو ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کے بعد لا یصح لکھا ہی نہیں ہے۔ صرف اتنا لکھا ہے: قال العقیلی: عبداللہ بن بکار مجھول حدیثه غیر محفوظ
لٰہذا آپ کی ساری گفتگو اس اعتبار سے بھی فضول ہوگئی۔

اس کے بعد موصوف اپنے ہی کلام کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''باقی رہا ان کا لکھنا کہ وہ کتاب میں فقط شدید ترین ضعیف احادیث درج کریں گے موضوع نہیں۔ اس پر میری گزارش ہے کہ ایسے ضابطے محدثین قائم کیا کرتے ہیں اور حتی الامکان پورا اترنے کی کوشش بھی کرتے ہیں لیکن مکمل پورے نہیں اترتے اور نہ ہی یہ ممکن ہے۔ اگر ایسا ممکن ہوتا پھر مخلوق کی کتابوں اور خالق کی کتاب میں کیا فرق ہوتا؟''

(الاحادیث الموضوعات ص۹۱)

کون اس بات کا دعوی کرتا ہے کہ ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ معصوم تھے، یہاں یہ بحث ہی نہیں، مقصود منہج کتاب پر بحث کرنا ہے اور وہ احادیث ضعیفہ غیر موضوع کو جمع کرنا ہے، اب یہ تو دیگر ادلہ سے دیکھا جائے گا کہ حدیث موضوع ہے یا نہیں، اور یہاں ایسا نہیں ہے، جیسا کہ مفصلاً گزر چکا۔ باقی رہا جامع صغیر کی حدیث کی مثال تو اس کو بھی آپ نے غلط سمجھا ہے ان شاء اللہ عزوجل اس پر گفتگو اسی مقام پر آرہی ہے جہاں آپ نے اس پر کلامِ غیر صحیح لکھا ہے۔

حدیث زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ

یہ حدیث حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، جس پر بحث گزری، ایک اور سند کے ساتھ یہ حدیث حافظ ابن بطہ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے، اور انہیں کے طریق سے حافظ ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے العلل المتناھیہ میں اس حدیث کو روایت کیا۔ اس حدیث میں الفاظ کچھ تبدیل بھی ہیں اور آخر میں زیادتی بھی ہے، اس کی سند پر ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تو فقط اتنا اعتراض کیا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں کیونکہ اس میں عبد الرحمن بن ابی الزناد راوی ہے، جس کے بارے میں امام احمد نے فرمایا کہ یہ مضطرب الحدیث ہے، اور امام یحییٰ بن معین اور ابو حاتم رازی نے فرمایا کہ اس سے استدلال نہیں کیا جا سکتا۔

اس کا حاصل فقط اتنا نکلا کہ کتاب کے اسلوب کے مطابق یہ حدیث ضعیف قرار پائی، لیکن حافظ ذہبی

رحمہ اللہ تعالیٰ جن کا مقصود اس کتاب پر تنبیہ کرنا تھا، انہوں نے لکھا: ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس میں فقط ابن ابی الزناد پر ہی کلام کیا ہے، (جس سے یہ حدیث صرف ضعیف ثابت ہوتی ہے لیکن) یہ حدیث جھوٹ ہے، اس کے راوی ثقہ ہیں، سوائے ابن رجاء کے، اور وہی اس کی آفت ہے۔

امام ذہبی نے یہ کلام حضرت سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی حدیث پر کیا ہے، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی حدیث پر نہیں، اُس حدیث پر آپ نے فقط اتنا لکھا ہے: اس میں عبد اللہ بن بکار ہے جس کے بارے میں معلوم نہیں وہ کون ہیں، عقیلی نے ان کو ضعفاء میں ذکر کیا ہے۔

لہٰذا جو حدیث حافظ ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک موضوع ہے وہ حضرت سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے۔ اور ایسا ہوتا ہے کہ حدیث ایک سند سے موضوع ہوتی ہے دوسری سند سے غیر موضوع۔

امام اہلسنت اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام احمد رضا خان رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''بارہا موضوع یا ضعیف کہنا صرف ایک سند خاص کے اعتبار سے ہوتا ہے نہ کہ اصل حدیث کے، جو حدیث فی نفسہ ان پندرہ دلائل سے منزہ ہو محدث اگر اس پر حکم وضع کرے تو اس سے نفس حدیث پر حکم لازم نہیں، بلکہ صرف اس سند پر جو اس وقت اس کے پیش نظر ہے، بلکہ بارہا اسانید عدیدہ حاضرہ سے فقط ایک سند پر حکم مراد ہوتا ہے، یعنی حدیث اگرچہ فی نفسہ ثابت ہے، مگر اس سند سے موضوع و باطل، اور نہ صرف موضوع بلکہ انصافا ضعیف کہنے میں بھی یہ حاصل حاصل، ائمہ حدیث ان مطالب کی تصریحیں فرمائیں تو کسی عالم کا حکم وضع یا ضعف دیکھ کر خواہی نخواہی یہ سمجھ لینا کہ اصل حدیث باطل یا ضعیف ہے ناواقفوں کی فہم سخیف ہے''۔

(فتاویٰ رضویہ جلد ۵ صفحہ ۴۶۸)

فیضی کی پھر دھوکے بازی

موصوف ظہور احمد فیضی لکھتے ہیں:

''امام ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں یہ عنوان قائم کیا: فمن الأباطيل المختلقة گھڑی ہوئی باطل حدیثیں، پھر اس حدیث کو بھی اسی عنوان کے تحت نقل کر کے اس کا بطلان

ظاہر کیا ہے، اور ایسی چند مزید باطل احادیث درج کرنے کے بعد لکھا ہے: فهذه الأحاديث ظاهرة الوضع والله أعلم پس یہ تمام احادیث واضح طور موضوع ہیں واللہ اعلم"۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۳ ص ۱۲۸، ۱۲۹) (الاحادیث الموضوعات ۹۱۔۹۲)

اقول وباللہ التوفیق! ذرا آنکھیں کھول کر دیکھیں امام ذہبی نے حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کو موضوع کہا ہے؟ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے حدیث زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو موضوع کہا ہے:

عن زيد بن ثابت: دخل النبي عليه السلام على أم حبيبة، ومعاوية نائم على فخذها، فقال: أتحبينه؟ قالت: نعم. قال: لله أشد حبا له منك له، كأني أراه على رفارف الجنة.

جی فیضی صاحب کیوں دھوکے سے کام لیا؟

دوسری بات امام ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ اگر اس کو موضوع کہہ بھی دیں تو اصل اعتبار سند کا ہے اور سند ایہ ضعیف ہے نہ کہ موضوع اور معنی اس میں کوئی ایسا نہیں کہ جو اس کے بطلان پر دلالت کرے۔

اس کے بعد موصوف نے خیانت کی انتہا کرتے ہوئے لکھا کہ امام ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

وهذا حديث كذب ورواته ثقات سوى ابن رجاء فهو الآفة...

"یہ جھوٹی حدیث ہے، اس کے راوی ثقہ ہیں، سوا ابن رجا کے پس وہی آفت ہے۔"

(الاحادیث الموضوعات ص ۹۲)

معلوم نہیں موصوف حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بغض میں کیا کیا اور گل کھلائیں گے، امام ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ الفاظ بھی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث پر لکھے ہیں نہ کہ حضرت سیدنا ابوموسی اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث پر جیسا کہ پیچھے گزر چکا۔

اللہ تعالیٰ کی پناہ ایسے خائنوں سے، صحیح بات یہی ہے کہ جھوٹ بولے بغیر یہ اپنا جھوٹا نظریہ ثابت کر ہی نہیں سکتے۔

ہیرا پھیری کس نے کی

موصوف لکھتے ہیں:

''بعض لوگ مغالطہ آفرینی سے کام لیتے ہوئے کہتے ہیں، کہ امام ذہبی نے اس حدیث کو موضوع تو لکھا ہے، پر انہوں نے کوئی ماخذ درج نہیں کیا، ایسے لوگ اپنی کمال ہیرا پھیری پر شاباش کے مستحق ہیں، گویا ان لوگوں کے نزدیک امام ذہبی کی کتب ماخذ کا درجہ نہیں رکھتیں! خدا کے بندو جب انہوں نے رجال پر بحث کرنے کے بعد یہ حکم لگا ہے تو پھر اس کے سوا اور کون ماخذ درکار ہے؟ اگر کسی سے ہوسکتا ہے تو وہ ان سے اختلاف کرے، اور ان کی کتب سے زیادہ معتمد ماخذ سے اس حدیث کا حسن یا کم از کم ضعیف ہونا ہی ثابت کردے''۔

(الاحادیث الموضوعات ص ۹۲)

اسے کہتے ہیں الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے، موصوف مسلسل مغالطہ دیتے چلے آرہے ہیں، امام ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تلخیص میں جس حدیث پر موضوع ہونے کا حکم لگایا ہے وہ حضرت سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی حدیث ہے، جبکہ حضرت سیدنا ابوموسی اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی حدیث کے بارے میں تو انہوں نے فقط عبداللہ بن بکار کے مجہول ہونے کا ذکر کیا ہے۔

موصوف ظہور فیضی اپنی ایک کتاب شرح خصائص علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں حبۃ العرنی سے مروی ایک حدیث جس کو حافظ ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے موضوع قرار دیا تھا اس پر کلام کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''بہر حال کچھ ائمہ حدیث کی یہ جرح صرف اس حدیث کی سند پر ہے، اس کے متن کی صحت پر کسی کو کوئی کلام نہیں ہے، اور یہ متن دوسری صحیح اسناد (سندوں) سے بھی ثابت ہے، لہٰذا ابن جوزی وغیرہ کا مطلقا اس حدیث کو موضوع قرار دینا بے احتیاطی بلکہ خطا پر مبنی ہے، انہیں کہنا چاہیے تھا کہ خاص اس سند کے ساتھ یہ حدیث ضعیف یا موضوع ہے''۔

(شرح خصائص علی ص ۷۶)

جی ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تو خطا کی، لیکن آپ یہاں اس قاعدے کو قصدا ملحوظ نہ رکھ کر کس بات کے مرتکب ہوئے ہیں؟

پانی میں مدھانی

اس کے بعد موصوف نے کمال علمی داد دیتے ہوئے یہ لکھا ''کہا جاسکتا ہے کہ خواہ مخواہ پانی میں مدھانی چلائی گئی، امام ابن عساکر کی نقل کردہ روایت پر تو بات کی ہی نہیں، آیئے امام ابن عساکر سے ہی معلوم کر لیتے ہیں کہ ان کے نزدیک زیر بحث حدیث کا حکم کیا ہے سو جاننا چاہیے کہ تاریخ مدینۃ دمشق لابن عساکر ج ۵۹ دار الفکر بیروت الطبعۃ الاولی ۱۴۱۸ھ میں امیر شام کا ترجمہ (تذکرہ) صفحہ ۵۵ سے شروع ہوکر ۲۴۱ پر ختم ہوتا ہے۔ امام ابن عساکر نے صفحہ ۵۵ سے ۶۷ تک ابتدائی اور تمہیدی گفتگو کی ہے، پھر صفحہ ۶۸ سے ۱۰۶ تک وہ احادیث چلائی ہیں جن کو لوگوں نے امیر شام کی شان میں خود حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب کردیا ہے، پھر صفحہ ۱۰۶ پر پہنچ کر انہوں نے امام اسحاق بن راھویہ کا یہ مشہور ترین قول نقل کیا ہے:

لا یصح عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فی فضل معاویۃ شیء۔

''نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زبان اقدس سے فضیلت معاویہ میں کوئی چیز ثابت نہیں''۔ (تاریخ دمشق ج ۵۹ ص ۱۰۶)

یوں انہوں نے زیر بحث حدیث کے ساتھ ساتھ گذشتہ سطور کی تمام احادیثِ موضوعہ پر پانی پھیر دیا ہے، اور آخر میں انہوں نے اپنا فیصلہ یوں دیا ہے: اور معاویہ کی فضیلت میں جو کچھ روایت کیا گیا ہے اس میں زیادہ سے زیادہ صحیح روایت وہ ہے جو ابوحمزہ نے ابن عباس سے روایت کی کہ وہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کاتب تھے، اس کو مسلم نے اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے، اس کے بعد حضرت عرباض کی یہ حدیث اللھم علمہ الکتاب اور اس کے بعد ابن ابی عمیرہ کی یہ حدیث اللھم اجعلہ ھادیا مھدیا۔ (تاریخ دمشق ج ۵۹ ص ۱۰۶) امام سیوطی نے بھی ابن عساکر کا یہ کلام نقل کیا ہے۔ (الزیادات علی الموضوعات ص ۳۰۱۔ ۳۰۲) جب امام ابن عساکر کے مطابق امیر شام کی شان میں زیادہ سے زیادہ سے لائق قبول یہ تین روایات ہیں تو پھر مؤلفین فیضان امیر معاویہ کی بیان کردہ زیر بحث حدیث اور باقی روایات کس کھاتے میں جائیں گی؟'' (الاحادیث الموضوعات ص ۹۲۔ ۹۳)

اقول: واقعی جب بندے کو حیا نہ ہو تو جو چاہے کرے کا صحیح مصداق موصوف فیضی کی ذات ہے۔

اوّلاً: اصح کا معنی کسی سے سیکھ لیں کہ اس کا معنی زیادہ سے زیادہ تین احادیث قابل قبول ہیں کہاں

سے بنے گا؟ ایسا معنی اخذ کرنا آپ ہی کا خاصہ ہے۔

ثانیاً: امام اسحاق بن راھویہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کا مفصل معنی گزر چکا، اور اس سے خوامخواہ یہ ثابت کرنا کہ ابن عساکر رحمہ اللہ تعالیٰ نے ماقبل بحث پر پانی پھیر دیا پانی میں مدھانی ہی چلانا ہے، آپ خود اس بات کے قائل ہیں کہ لایصح کتب الضعاء اور موضوعات کے علاوہ جب استعمال ہوگا تو اس سے حسن کی نفی بھی لازم نہیں آئے گی (اگر چہ کہ ہم اس تفریق کا بھی جواب دے چکے ہیں،) اور حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ تعالیٰ کی یہ کتاب تو مخص بالموضوعات یا بالضعفاء بھی نہیں پھر آپ نے کیسے یہاں لایصح کا معنی موضوع کرلیا؟ کسی اور ابوغدہ کو ڈھونڈیں شاید کوئی اور قاعدہ مل جائے۔

ثالثاً: امام ابن عساکر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اگر نعوذ باللہ موضوع احادیث چلائیں تو ان پر لازم تھا کہ یا تو وہ اس بات کو بیان کرتے جیسا کا حدیثِ موضوع کا حکم ہے نہ یہ کہ صرف امام اسحاق بن راھویہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا ایسا قول ذکر کرتے، یا پھر آپ احادیث کی سند ذکر کرتے جن کی تحقیق کرکے حدیث کا حکم بیان کیا جاتا، اور ابن عساکر رحمہ اللہ تعالیٰ تمام احادیث کی اسانید ذکر کرتے ہی ہیں جن کی تحقیق کی جاسکتی ہے اور یہاں تحقیق یہی ہے اس سند میں علت صرف راوی کا مجہول ہونا ہے۔

رابعاً: اب کا وہ رجال سند پر کلام کا دعوی کہاں گیا، سند کے اعتبار سے تو یہ حدیث ضعیف ہی قرار پاتی ہے نہ کہ موضوع۔

الحمدللہ! واضح ہوگیا کہ یہ حدیث ہرگز موضوع نہیں، حد درجہ جہالت رواۃ کی وجہ سے معمولی ضعیف ہے۔

یامعاویۃ أنت مني وأنا منك

شفیع امت نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جو سراپا شفقت ومحبت ہیں، اپنے کئی صحابہ کرام علیہم الرضوان بالخصوص اہل بیت اطہار رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے محبت کا اظہار عرب کے ایک معروف جملے سے فرماتے ہیں:

یامعاویۃ أنت مني وأنا منك

حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی یہ سعادت حاصل ہوئی، اور یہ ان غریب نواز کی نوازش ہے کہ جس کو چاہیں نواز دیں۔

امام ابوبکر الخلال رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں:

أخبرني حرب، قال: ثنا محمد بن مصفى، عن عبد العزيز بن عمر، قال: حدثني إسماعيل بن عياش، عن عبد الرحمن بن عبد الله بن دينار، عن أبيه، عن ابن عمر، قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم: يا معاوية، أنت مني وأنا منك، لتزاحمني على باب الجنة كهاتين (السنة ج۲ ص۴۵۴ رقم ۷۰۴)

حضرت سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے معاویہ تم مجھ سے اور میں تم سے ہوں، تم جنت کے دروازے پر میرے ساتھ اس طرح ہوگے (جیسے دونوں انگلیاں قریب ہوتی ہیں)۔

اس کے پہلے راوی حرب بن اسماعیل الکرمانی ہیں، آپ، امام احمد حنبل واسحاق بن راھویہ رحمہا اللہ تعالیٰ کے شاگرد، امام ابوبکر الخلال، حافظ ابوحاتم رازی وغیرہ کے شیوخ میں سے ہیں۔

امام ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ تذکرۃ الحفاظ میں لکھتے ہیں:

الفقيه الحافظ صاحب الإمام أحمد، سمع أبا الوليد الطيالسي، والحميدي، وسعيد بن منصور، وأبا عبيد، وطبقتهم. أخذ عنه أبو حاتم الرازي مع تقدمه، وعبد الله بن إسحاق النهاوندي، والقاسم بن محمد الكرماني، وأبو بكر الخلال وغيرهم. توفي سنة ثمانين ومائتين.

''آپ فقیہ، حافظ ہیں اور امام احمد کے شاگرد ہیں، ابو الولید طیالسی، حمیدی، سعید بن منصور، ابو عبید اور ان کے طبقے سے حدیث کی سماعت کی، اور ان سے امام ابو حاتم رازی نے اپنے تقدم کے باوجود روایت کی، نیز عبد اللہ بن اسحاق نہاوندی، قاسم بن محمد الکرمانی اور ابوبکر خلال وغیرہ نے بھی روایت کیا ہے، دوسو اسی ہجری میں ان کا وصال ہوا''۔

(تذکرۃ الحفاظ ج۲ ص۱۴۱ رقم ۶۳۸)

سیر اعلام النبلاء میں فرماتے ہیں:

وما علمت به بأسا میں ان میں کوئی حرج نہیں جانتا (سیر اعلام النبلاء ج۱۳ ص۲۴۴)

امام ابن ابی یعلی طبقات الحنابلۃ میں فرماتے ہیں:

ذکرہ أبو بکر الخلال فقال: رجل جلیل

''ان کو ابو بکر الخلال نے ذکر کیا ہے اور فرمایا کہ یہ رجل جلیل ہیں''۔ (طبقات الحنابلۃ ج۱ ص ۱٤٥)

باپ تو آپ کا بھی معلوم نہیں۔

موصوف ظہور احمد فیضی کی تحقیق انیق ملاحظہ فرمائیں لکھتے ہیں: اس سند میں پہلے راوی کا نام حرب ہے اور اس کے باپ کا نام مذکور نہیں ہے، لہٰذا جس کا باپ ہی معلوم نہ ہو اس کے بارے میں کیا کہا جاسکتا ہے؟

لاحول ولا قوۃ الا باللہ! اس برتے پر ان کو ناز تحقیق ہے، حالانکہ السنۃ میں اس مقام کے علاوہ کئی مقامات پر ان کی نسبت ونسب مذکور ہے، اور ان کے بارے میں ہم علما کے تعریفی کلمات ذکر کر چکے ہیں، صاحب موضوعات کو اتنی بھی توفیق نہ ہوئی کہ اور نہیں تو اسی السنہ کو دیکھ لیتے۔

ثانیاً: کیا کسی راوی کے ثقہ ہونے کے لیے اس کا معروف النسب ہونا شرط ہے؟ ذرا اصول حدیث کی کتب اٹھا کر دیکھتے کہ علما اس حوالے سے کیا لکھتے ہیں۔

ثالثاً: آپ کا نام ظہور احمد ہے یا صرف ظہور اور والد کا نام احمد ہے، یہ ہمیں معلوم نہیں ہے، اگر نام ظہور احمد ہے تو ہم نے آپ کی اس پوری کتاب میں آپ کے والد کا نام تلاش کیا لیکن کہیں لکھا ہوا نہیں پایا تو پھر آپ کے قاعدہ کے مطابق آپ کے بارے میں کیا کہا جاسکتا ہے؟ ویسے نام معلوم ہوتا تو بھی آپ کے ضعف بلکہ کذب پر فرق تو کوئی پڑنا نہیں تھا۔

دوسرے راوی محمد بن مصفی ہیں: یہ بھی ثقہ راوی ہیں، امام ابو حاتم، امام نسائی، حافظ ابن حبان، مسلمہ بن قاسم وغیرہ نے ان کی توثیق وتعدیل کی ہے۔ (تہذیب التہذیب ج۷ ص ٤٣٢ رقم ٦٥٥٧)

ان پر اعتراض یہ ہے کہ یہ تدلیس تسویہ کرتے ہیں، اور یہاں تو پہلے شیخ سے ہی سماع کی تصریح نہیں ہے۔

تیسرے راوی عبد العزیز بن عمر بن عبد العزیز ہیں، امام یحیی بن معین، امام ابو داود، امام نسائی، ابن عیاض، ابو نعیم، ابو زرعہ وغیرہ نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔ (تہذیب التہذیب ج٥ ص٢٥١ رقم ٤٢٣٧)

امام ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

عبد العزیز بن عمر بن عبد العزیز، عن أبیه، و مجاهد، وعنه القطان وأبو نعیم، ثقة.

(الکاشف ج٣ ص٣٠٧ رقم ٣٤٠٤)

چوتھے راوی اسماعیل بن عیاش ہیں: ان کو ایک جماعت نے ثقہ قرار دیا ہے، ان کے بارے میں یحییٰ بن معین وغیرہ کا قول یہ ہے کہ جب یہ شامیوں سے روایت کریں گے تو ان کی روایت میں کوئی حرج نہیں، البتہ اہل حجاز سے روایت میں خلط واقع ہوتا ہے، یعقوب بن شیبہ کہتے ہیں:

تکلم قوم فی إسماعیل، وإسماعیل ثقة، عدل، أعلم الناس بحدیث الشام، وأکثر ما قالوا یغرب عن ثقات المدنیین والمکیین.

''ایک قوم نے اسماعیل کے بارے میں کلام کیا ہے، اور اسماعیل ثقہ عادل راوی ہیں، شامیوں کی حدیث کو سب سے زیادہ جاننے والے ہیں، ان پر زیادہ سے زیادہ یہ کلام کیا گیا ہے کہ یہ مکی اور مدنی ثقات راویوں سے غریب روایات لے کر آتے ہیں''۔

یزید بن ھارون کہتے ہیں:

ما رأیت أحفظ من إسماعیل بن عیاش

''میں نے اسماعیل بن عیاش سے بڑھ کر حافظ نہیں دیکھا''۔

عثمان الدارمی یحیی بن معین سے روایت کرتے ہیں:

أرجو أن لا یکون به بأس

''میں امید کرتا ہوں ان میں کوئی حرج نہیں ہوگا''۔

جبکہ عثمان بن ابی شیبہ کی یحییٰ بن معین سے یہ الفاظ روایت کیے ہیں:

ثقة فیما روی عن الشامیین، وأما روایته عن أهل الحجاز فإن کتابه ضاع فخلط فی حفظه عنهم.

''یہ شامیوں سے راویت میں ثقہ ہیں، اور رہی ان کی اہل حجاز سے روایت تو ان کی کتاب ضائع ہوگئی تھی تو حجازیوں سے زبانی روایت میں ان سے خلط واقع ہوا''۔

(تہذیب التہذیب ج۱ ص۳۲۱-۳۲۵ رقم ۵۱۱)

معیار صرف ایک ہے۔

ہم یہ بتا آئے ہیں کہ موصوف ظہور احمد فیضی ہر اس شخص کے مخالف ہیں کہ جو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت بیان یا روایت کرے، یہی اسماعیل بن عیاش ہیں ان کا تذکرہ موصوف نے اسی کتاب

کے صفحہ ۱۳۴ پر کیا تو ان کو حضرت اسماعیل بن عیاش لکھا اور ان کی اہل حمص کی ناصبیت کو دور کرنے کی مساعی جمیلہ کا ذکر کیا۔ لیکن یہاں انداز دیکھیں لکھتے ہیں: اس میں چوتھا راوی اسماعیل بن عیاش ہے، (ص ۱۲۲) اب اسماعیل بن عیاش حضرت ہونے سے بھی محروم ہو گئے اور وہاں ان کے لیے ''ہوئے'' کا لفظ استعمال کیا تھا جو یہاں لفظ ''تھا'' میں تبدیل ہو گیا ہے،۔۔۔۔ سمجھ تو گئے ہوں گے آپ!

چوتھے راوی عبد الرحمن بن عبد اللہ بن دینار ہیں یہ مختلف فیہ راوی ہیں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں: صدوق یخطیء سچے ہیں اور خطا کرتے ہیں۔ (تقریب التہذیب ص ۳۷۶ رقم ۳۹۱۳)

پانچویں راوی عبد اللہ بن دینار ہیں یہ ثقہ راوی ہیں۔ (تقریب التہذیب ص ۳۳۶ رقم ۳۳۰۰)

حاصل کلام اس میں کوئی ایسی بات نہیں جس کے سبب اس کو موضوع کہا جا سکے، البتہ ضعیف ضرور ہے اور یہ مسلمہ اصول ہے کہ ضعیف حدیث فضائل میں مقبول ہے۔

عبد العزیز بن بحر کی سند

حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ تعالیٰ نے تاریخ دمشق میں اپنی سند کے ساتھ عبد العزیز بن بحر عن اسماعیل بن عیاش اس حدیث کو روایت کیا ہے اور اس کے بعد فرمایا:

قال الخطیب: عبد العزیز بن بحر ضعیف، ومن دونہ مجھولون

''خطیب بغدادی نے کہا ہے کہ عبد العزیز بن بحر ضعیف اور ان سے پہلے کے راوی مجہول ہیں''۔ (تاریخ دمشق ج ۵۹ ص ۹۹)

یہ صریح ہے کہ حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ حدیث زیادہ سے زیادہ ضعیف ہے۔

اس پر موصوف نے وہی راگ الاپا ہے کہ حافظ ابن عساکر کے نزدیک بھی یہ روایت موضوع ہے کیونکہ یہ ان تین روایات کے علاوہ ہے جو ابن عساکر کے خیال میں کسی حد تک قابل قبول ہیں۔

مخلصانہ مشورہ

جناب والا حدیث پر تحقیق آپ کا کام نہیں، آپ مسجد میں بیٹھ کر اللہ اللہ کریں، اپنے گناہوں سے توبہ کریں، عقیدہ درست کریں، البتہ خلوت نشینی سے قبل کسی پڑھے لکھے سے اصح ما روی کا معنی سمجھ لیجیے گا۔

موصوف کیا خوب داد تحقیق دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''نیز جب اس سند میں بقول ابن عساکر ایک راوی ضعیف اور باقی سب مجہول ہیں تو پھر اس

خاص باب یعنی (فضائل معاویہ) میں مجہول ہونے کے شبہ کا فائدہ وہ لوگ نہیں اٹھا سکتے جو فضائل معاویہ کو ثابت کرنے کے درپے ہیں، کیونکہ ایسے تمام مجہولین امام اسحاق بن راھویہ اور دوسرے تمام اہل تحقیق کے نزدیک جھوٹے ہیں، اسی لیے وہ صراحتا فرما چکے ہیں کہ فضائل معاویہ میں کوئی بھی صحیح حدیث نبوی نہیں آئی''۔ (الاحادیث الموضوعات ص ۱۲۳۔۱۲۴)

امام اسحاق بن راھویہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کا معنی ہم ائمہ کے کلام کی روشنی میں اور امام اہلسنت رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصریح صریح سے بیان کر چکے ہیں کہ اس کا معنی تو حسن کی نفی بھی نہیں۔

ثانیاً: لا یصح کے استعمال کی تفریق کے آپ قائل ہیں کہ جب یہ کتب موضوعات اور ضعفاء میں استعمال ہوگا تو حدیث موضوع ہوگی، اگرچہ اس تفریق کا بطلان بھی ہم بیان کر چکے ہیں، لیکن یہ بتائیں کیا حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب تاریخ دمشق کتب موضوعات یا ضعفاء میں شمار ہوتی ہے؟ جب نہیں ہوتی، یہ تو مطلقا تاریخ دمشق کی کتاب ہے تو اب آپ کے نزدیک بھی لا یصح موضوع کے معنی میں نہ رہا، اور لطف یہ ہے کہ آپ کے اپنے الفاظ بھی یہاں یہ ہیں'' فضائل معاویہ میں کوئی بھی صحیح حدیث نبوی نہیں آئی''۔

ثالثاً: یہ قاعدہ کہاں لکھا ہے کہ اس باب میں جتنے مجہول راوی آئیں گے وہ سب جھوٹے ہوں گے، کچھ اللہ تعالیٰ کا خوف کریں بغض معاویہ میں کس کس پر تہمتیں لگاتے جائیں گے۔

امام ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ کا کلام

امام ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے میزان اور مغنی میں اس حدیث کے بارے میں لکھا کہ عبد العزیز بن بحر، اسماعیل بن عیاش کے طریق سے خبر باطل لائے ہیں۔

اقول وباللہ التوفیق! امام ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ کا کلام میزان الاعتدال اور المغنی میں عبد العزیز بن بحر سے متعلق ہے، لہٰذا اولا تو یہ کلام اس کے ساتھ خاص ہوگا، عبد العزیز بن عمر کے طریق سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

ثانیاً: امام ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ کا اپنا کلام عبد العزیز بن بحر کے حوالے سے متناقض ہے، یہ تناقض میں نے یا مفتی حسان عطاری صاحب نے نہیں۔ (یہاں سے کلام مفتی حسان صاحب کی تحریر سے کچھ زیادتی کے ساتھ ماخوذ ہے۔)، بلکہ حافظ ابن عراق الکنانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ میزان الاعتدال

میں اس کے بارے میں لکھا کہ یہ اسماعیل بن عیاش سے خبر باطل لائے ہیں، جبکہ تلخیص العلل المتناہیہ میں فرمایا:

فيه عبد العزيز بن يحيى -مجهول- المؤدب عن إسماعيل بن عياش، عن عبد الرحمن بن عبد الله بن دينار، عن أبيه، عن ابن عمر. أخرجه ابن عدي.

"اس سند میں عبد العزیز بن یحیی المؤدب ہیں جو مجہول ہیں، یہ اسماعیل بن عیاش، سے وہ عبد الرحمن بن عبد اللہ بن دینار سے اور وہ اپنے والد عبد اللہ بن دینار سے اور وہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں، اس حدیث کی تخریج حافظ ابن عدی نے کی ہے"۔

یہ روایت عبد العزیز بن یحیی المؤدب کے طریق سے ہے جس پر فقط اتنی جرح کی ہے کہ یہ مجہول راوی ہیں، اس کے بعد امام ذہبی فرماتے ہیں:

وقال عباس الدوري: ثنا عبد العزيز بن بحر المروزي -مشهور- ثنا إسماعيل، فذكره وزاد فيه: (إلى أن قال) وما رأيت أحدا ضعف عبد العزيز، بل إسماعيل صاحب عجائب عن الحجازيين

"عباس الدوری کہتے ہیں: ہمیں حدیث بیان کی عبد العزیز بن بحر المروزی نے۔ یہ مشہور ہیں۔ اور وہ کہتے ہیں ہمیں حدیث بیان کی اسماعیل نے (امام ذہبی فرماتے ہیں:) اور میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ کسی نے عبد العزیز کو ضعیف قرار دیا ہو، بلکہ اسماعیل یہ حجازیین سے عجائب روایت کرتے ہیں"۔ (تلخیص العلل المتناہیۃ ص ۹۵-۹۶ رقم ۲۳۰)

محدث کنانی کی اصل عبارت اس کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں جس میں وہ امام ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس تناقض کو بیان فرماتے ہیں:

(مى) و (ابن الجوزي) في الواهيات وفيه عبد الرحمن بن عبد الله بن دينار لا يحتج به، وعنه إسماعيل بن عياش كثير الخطأ في حديثه وهو لا يعلم فخرج عن حد الاحتجاج به، وعنه عبد العزيز بن يحيى المروزي، قال الذهبي في الميزان: مجهول، فكأنه سرقه، فإنه ليس بصحيح (قلت:) وافق الذهبي في الواهيات على جهالة عبد العزيز، ووصفه بالمؤدب، ثم قال: إن عباسا الدوري رواه عن عبد العزيز بن بحر،

يعني الذي والده بالموحدة والراء في آخره. وقال: مشهور وما رأيت أحدا ضعفه بل إسماعيل صاحب عجائب عن الحجازيين انتهى، وناقض ذلك في الميزان. فقال: عبد العزيز بن بحر المروزي عن إسماعيل بن عياش بخبر باطل، وقد طعن فيه انتهى. والله أعلم.

"محدث ابو الحسن علی بن محمد الکنانی المعروف ابن عراق رحمہ اللہ تعالیٰ نے اولا اس حدیث کو دیلمی کا کے حوالے سے روایت کیا اور اس کے لیے (می) کا رمز دیا اور اس کو ابن جوزی کی الواہیات (اس سے مراد العلل المتناہیۃ ہے) سے روایت کیا۔ اور فرمایا: اس میں راوی ہے عبد الرحمن بن عبد اللہ بن دینار اس سے استدلال نہیں کیا جاتا، ان سے اسماعیل بن عیاش سے روایت کرتے ہیں جو اپنی حدیث میں کثیر الخطا ہیں اور وہ ان خطاؤں کو جان بھی نہیں پاتے، لہٰذا یہ بھی حد احتجاج سے نکل گئے، اور ان سے عبد العزیز بن یحیی المروزی روایت کرتے ہیں، جن کے بارے میں ذہبی نے میزان میں کہا کہ یہ مجہول ہیں گویا کہ اس نے حدیث کا سرقہ کیا کیونکہ یہ حدیث صحیح نہیں۔ (حافظ کنانی فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں: امام ذہبی نے واہیات میں عبد العزیز کی جہالت پر موافقت کی ہے، اور ان کو مؤدب کے وصف کے ساتھ موصوف کیا ہے۔ پھر یہ کہا ہے کہ عباس الدوری نے اس کو عبد العزیز بن بحر سے روایت کیا، اور یہ فرمایا کہ یہ مشہور ہیں، اور میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ کسی نے ان کو ضعیف قرار دیا ہو، بلکہ اسماعیل یہ حجازیین سے عجائب روایت کرتے ہیں۔ انتہی۔ پھر امام ذہبی نے میزان میں اس کے برعکس بات کہی اور فرمایا کہ عبد العزیز بن بحر المروزی نے اسماعیل بن عیاش سے خبر باطل روایت کی ہے اور اس پر طعن کیا گیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم"۔ (تنزیہ الشریعۃ ج ۲ ص ۲۰)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تاریخ الاسلام میں بھی یہ فرمایا کہ عبد العزیز بن بحر المروزی کو ضعیف نہیں کہا گیا، فرماتے ہیں:

(عبد العزيز بن بحر المروزي المؤدب.) نزيل بغداد. عن: سليمان بن أرقم، وعطاف بن خالد، وإسماعيل بن عياش. وعنه: عبد الله بن أبي سعد الوراق، وابن أبي الدنيا ومحمد بن سويد وآخرون. لم يضعف

''عبد العزیز بن بحر المروزی المؤدب، نزیل بغداد، سلیمان بن ارقم، عطاف بن خالد، اسماعیل بن عیاش سے روایت کرتے ہیں، اور ان سے عبد اللہ بن ابی سعد الوراق اور ابن ابی الدنیا، اور محمد بن سوید وغیرہ نے روایت کیا ہے، ان کو ضعیف نہیں کہا گیا''۔

(تاریخ الاسلام ج ٥ ص ٨٧٢ رقم ٢٥٧)

یہی وجہ ہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بعینہ میزان الاعتدال کی عبارت نقل کرنے پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ میزان کی عبارت کے بعد ابن عدی کی عبارت نقل کی ہے فرماتے ہیں:

وقال ابن عدی فی ترجمة عبد العزیز بن یحیی المدنی: عبد العزیز بن بحر مجهول.

وقال فی ترجمة عطاف بن خالد: عبد العزیز بن بحر لیس بمعروف.

''یعنی ابن عدی نے عبد العزیز بن یحیی المدنی کے ترجمہ میں فرمایا: عبد العزیز بن بحر مجہول ہے، اور عطاف بن خالد کے ترجمہ میں فرمایا: عبد العزیز بن بحر معروف نہیں ہے''۔

(لسان المیزان ج ٥ ص ١٩٤)

اس عبارت میں واضح اشارہ ہے کہ حافظ ابن حجر علیہ الرحمۃ بھی امام ذہبی علیہ الرحمۃ کے خبر باطل کہنے پر مطمئن نہیں، ورنہ ابن عدی کے قول کو نقل کرنے کی حاجت کیا ہے، بہر حال حافظ ذہبی کے اقوال میں یہاں تعارض ہے، اور حافظ ابن حجر علیہ الرحمہ نے راوی کا حال بیان کر دیا ہے کہ یہ غیر معروف و مجہول ہے۔ اور ایسے راوی کی حدیث کا حکم مخفی نہیں کہ فقط ضعیف ہونا ہی ہوتا ہے۔

نیز یہ حدیث عبد العزیز بن عمر بن عبد العزیز کے طریق سے بھی مروی ہے جس کی تحقیق ماقبل میں گزر چکی ہے۔

چور کون ہے؟

چند ماہ قبل اس حدیث پر موصوف کے ایک چاہنے والے نے کچھ اعتراضات کیے تھے، جس کے مسکت جوابات الحمد للہ! مفتی حسان عطاری صاحب نے دیئے تھے، اب یہاں موصوف نے بھی وہی اعتراضات کیے ہیں لیکن دونوں کی عبارات میں حیرت انگیز مماثلت ہے، اور لطف یہ ہے کہ دونوں کی غلطیاں بھی ایک جیسی ہیں، معلوم نہیں دونوں میں سے چور کون ہے؟ آئیں آپ کو موصوف کی قابلیت دکھاتے ہیں اور وہی عبارت یہاں نقل کرتے ہیں جو موصوف کے متعلق کے جواب میں مفتی صاحب نے لکھی تھی۔

معترض صاحب لکھتے ہیں: آیئے حافظ رحمۃ اللہ علیہ کے مکمل الفاظ ملاحظہ فرمایئے۔۔اس کے بعد معترض نے عربی عبارت اور اس کا ترجمہ نقل کیا اور لسان المیز ان کا حوالہ دیا ہے اور پھر لکھا ہے: دراصل یہ الفاظ امام ذہبی کے ہیں جو حافظ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بلا تردید نقل کیے ہیں۔

(میز ان الاعتدال ج ٤ ص ٣٥٩-٣٥٨)

اقول وباللہ التوفیق! معترض صاحب نے اولا یہ کہا کہ آیئے حافظ رحمۃ اللہ علیہ کے مکمل الفاظ ملاحظہ فرمائیں پھر اس کے بعد لکھا کہ یہ الفاظ حافظ ذہبی کے ہیں جو بعینہ حافظ ابن حجر نے نقل کر دیئے ہیں، محترم قارئین ہم نے اوپر لسان المیز ان کی عبارت نقل کی ہے جس میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے میزان الاعتدال کی عبارت نقل کرنے پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ ابن عدی کی عبارت نقل کی ہے جس سے راوی کا حکم واضح ہوتا ہے۔۔۔ معترض صاحب جراءت کی داد تو آپ کی دینی چاہیے۔ مکمل الفاظ کہہ کر بھی مکمل نقل نہیں کر رہے۔

ثانیاً: میزان الاعتدال کے الفاظ جو لسان المیز ان کا کہہ کر معترض نے نقل کیے وہ الفاظ ملاحظہ فرمائیں پھر اس کا درست ترجمہ اور اس کے بعد معترض کی غلطیاں:

عبد العزيز بن بحر المروزي عن إسماعيل بن عياش بخبر باطل، وقد طعن فيه عباس الدوري، واللفظ له وعبد الله بن أحمد وغيرهما، قالوا: حدثنا عبد العزيز بن بحر...إلخ

''یعنی عبد العزیز بن بحر المروزی نے اسماعیل بن عیاش سے خبر باطل روایت کی ہے، اور ان پر طعن کیا گیا ہے، عباس الدوری، عبد اللہ بن احمد وغیرہ نے کہا۔ اور لفظ عباس الدوری کے ہیں۔ہمیں حدیث بیان کی عبد العزیز بن بحر نے۔۔۔ الی آخرہ''۔

(میز ان الاعتدال ج ٤، ص ٣٥٨-٣٥٩، رقم ٥٠٩٠)

یہاں معترض صاحب نے عبارت سمجھنے میں ایسی غلطی کی ہے جو عام طور پر خامسہ سادسہ کا طالب علم بھی نہیں کرتا۔ انہوں نے اولا عباس الدوری عبد اللہ بن احمد وغیرہ کو طعن کا فاعل سمجھ لیا، اور لکھا: عباس الدوری نے اس پر اعتراض کیا ہے اور یہ الفاظ اسی کے ہیں اور عبد اللہ بن احمد اور دوسرے محدثین نے بھی اعتراض کیا، ان سب نے فرمایا۔

حالانکہ طعن یہاں فعل مجہول ہے، لکھتے ہیں: ''یہ الفاظ اس کے ہیں''، جناب والا کون سے الفاظ اس کے ہیں؟ امام ذہبی نے تو الفاظ طعن ذکر ہی نہیں کیے؟ یہ الفاظ آگے حدیث کے ہیں جو عباس الدوری، عبد اللہ بن احمد وغیرہ نے عبد العزیز بن بحر سے روایت کیے ہیں ان تمام میں سے امام ذہبی، عباس الدوری کے الفاظ ذکر کر رہے ہیں۔

لطف یہ ہے کہ موصوف عبارت نقل کر رہے ہیں میزان الاعتدال کی، اور حوالہ دے رہے ہیں لسان المیزان کا، ہم زمانہ طالب علمی سے مثال پڑھتے آ رہے ہیں المعترض کالاعمی لیکن یہاں لگتا ہے کاف فقط تاکید کے لیے ہے۔ کیونکہ لسان المیزان میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے وقد طعن فیہ کے بعد اور عباس الدوری سے پہلے قال کا اضافہ فرمایا ہے جس سے امام ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت ایسی واضح ہوجاتی ہے کہ۔۔۔۔۔۔ اب میں کیا کہوں۔ انتهى كلام المفتي حسان العطاري حفظه الله تعالى وبارك في علمه وعمله۔

متابعت کا باب ہی ختم کر دیں۔

محترم قارئین! ہم اوپر واضح کر آئے ہیں، کہ اسماعیل بن عیاش سے اس حدیث کو عبد العزیز بن عمر اور عبد العزیز بن بحر المروزی دونوں روایت کرتے ہیں، عبد العزیز بن عمر جمہور کے نزدیک ثقہ راوی ہیں، جب کہ عبد العزیز بن بحر مجہول راوی ہے۔ علم حدیث کے ادنی خادم پر بھی یہ بات مخفی نہیں کہ اس کو اصول حدیث میں متابعت کہا جاتا ہے، یعنی عبد العزیز بن عمر کی یہاں عبد العزیز بن بحر المروزی نے متابعت کی ہے۔ علمائے اسماء الرجال نے دونوں راویوں کی تعیین کی ہوئی ہے، لیکن بہر حال تعصب کچھ بھی کروا سکتا ہے، ملاحظہ فرمائیں موصوف علم حدیث میں نئے باب کا کس طرح اضافہ فرماتے ہیں: ''یہاں ایک بات یاد رکھیے کہ جس جس کتاب میں یہ باطل حدیث آئی ہے ان سب میں عبد العزیز نام تو برابر آیا ہے، مگر اس کی ولدیت بدلتی رہی ہے، کہیں عبد العزیز بن بحر، اور کہیں عبد العزیز بن یحیی وغیرہ، گویا حدیث گھڑنے والا شاطر شخص اپنی ولدیت بدلتا رہا ہے، اس لیے جہابذہ محدثین کرام اس شخص کی کامل شناخت میں تو مشکل سے دوچار ہوئے مگر روایت کے بطلان میں انہیں کوئی شک نہیں ہوا۔۔۔ الخ''۔

(الاحادیث الموضوعات ص ۱۲۵)

جناب! دونوں کی تعیین محدثین نے کی ہوئی ہے، ایک عبد العزیز بن عمر ہے یہ صحاح ستہ کے راوی

ہیں، دوسرے عبد العزیز بن بحر المروزی ہیں، اس سے روایت کرنے والے بھی معلوم ہیں، البتہ اس کی توثیق نہیں کی گئی، اس لیے اس کو مجہول غیر معروف کہا گیا ہے۔ اور امام برھان الدین الحلبی کے کلام سے تو بالکل واضح ہے کہ اس حدیث کو امام ذہبی نے باطل کہا بھی ہے تو اس عبد العزیز بن بحر کی وجہ سے کہا ہے، حافظ حلبی رحمہ اللہ تعالیٰ کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں:

عبد العزيز بن بحر المروزي عن إسماعيل بن عياش بخبر باطل وقد طعن فيه ثم ذكر الذهبي الحديث وفي قوة كلامه بخبر باطل مع قوله: وقد طعن فيه. أن يكون أتهم بوضعه. والله أعلم

''عبد العزیز بن بحر نے اسماعیل بن عیاش سے خبر باطل روایت کی ہے، اور ان پر طعن کیا گیا ہے، (یہاں تک امام ذہبی کے الفاظ ہیں، آگے امام حلبی فرماتے ہیں:) امام ذہبی کے کلام میں اس کو خبر باطل کہنے پر جزم ہے ساتھ ہی یہ بھی کہا ہے کہ اس (عبد العزیز بن بحر) پر طعن کیا گیا ہے، (اس سے واضح ہوتا ہے کہ) اس حدیث کو وضع کرنے پر یہی متہم ہیں''۔

(السنۃ ص ١٦٨ رقم ٤٤٣)

اور یہ بات ہم واضح کر آئے ہیں کہ عبد العزیز بن بحر کے بارے میں خود حافظ ذہبی کا کلام متضاد ہے، اس کو زیادہ سے زیادہ مجہول کہا گیا ہے۔ حافظ حلبی کے کلام سے یہ فائدہ بھی حاصل ہوا کہ خبر باطل پر جزم کرنا کسی اور علت کی وجہ سے نہیں بلکہ عبد العزیز بن بحر کو متہم کرنے کی وجہ سے ہے۔

پھر خیانت

حافظ کنانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسی وجہ سے امام ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو متناقض قرار دیا کہ یہاں میزان میں یہ فرما رہے ہیں، اور تلخیص العلل میں فقط اس کو مجہول کہا اور یہ فرمایا کہ کسی نے بھی عبد العزیز کو ضعیف قرار نہیں دیا۔ اور ہم اوپر امام ذہبی کی کتاب تاریخ الاسلام سے بھی نقل کر چکے ہیں کہ بقول امام ذہبی کسی نے بھی اس کو ضعیف قرار نہیں دیا، یہی تناقض ہے۔

لیکن فیضی صاحب خیانت کا ارتکاب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''امام ابو الحسن علی بن محمد الکنانی نے بھی اس حدیث کو باطل تسلیم کیا ہے، چنانچہ انہوں نے اس روایت کو درج کرنے کے بعد عبد العزیز کے تعین میں تو مختلف اقوال نقل کیے ہیں لیکن اس

حدیث کو باطل ہونے میں کوئی اختلاف نہیں کیا۔"

ہم اوپر حافظ کنانی کی مکمل عبارت اور اس کا ترجمہ نقل کر چکے ہیں قارئین اس کو پڑھ کر خود ہی فیصلہ کر سکتے ہیں۔

چوری اوپر سے سینہ زوری

موصوف کی خیانتیں آپ نے ملاحظہ فرمالیں، اب الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے کے مطابق لکھتے ہیں:

"بتلایئے: جن مقامات پر اس حدیث کو موضوع و باطل کہا گیا ہے، موصوف کا ان ہی مقامات سے اس روایت کو آنکھیں بند کر کے نقل کر دینا کتنی بڑی جسارت اور علمی خیانت ہے؟"

(الاحادیث الموضوعات ص ۱۲۶)

فیضان امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں اس کا پہلا حوالہ الشریعہ کا ہے اس کتاب میں اس کو ہرگز موضوع نہیں کہا گیا، اس کی اور السنۃ کی سند عبد العزیز بن بحر کے بعد سے ایک ہی ہے اور السنۃ کی سند کی تحقیق بھی ہم نے اوپر کر دی جس کے مطابق اس حدیث کو زیادہ سے زیادہ ضعیف کہا جا سکتا ہے، دوسرا حوالہ مسند الفردوس کا ہے اس میں اس حدیث پر اصلا کوئی کلام نہیں، تیسرا حوالہ لسان المیزان کا ہے اس کی تحقیق ہم نے اوپر ذکر کر دی، چوتھا حوالہ السنہ کا ہے اس میں بھی اصلا اس حدیث کو موضوع نہیں کہا گیا اور اس کی تحقیق بھی اوپر گزر چکی، پانچواں حوالہ تاریخ ابن عساکر کا ہے اور اس میں ابن عساکر کے الفاظ بھی اوپر ذکر ہوئے جس کا واضح صریح صاف معنی ہے کہ یہ حدیث زیادہ سے زیادہ ضعیف ہے۔ اب بتائیں ایک حدیث کو موضوع ثابت کرنے کے لیے جسارت کرنے والا کون؟ اور رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے صحابی کی شان گھٹانے کے لیے خیانت در خیانت کرنے والا کون؟

اللہ کریم ہمیں اپنے حبیب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے تمام صحابہ کرام علیہم الرضوان اور تمام اہل بیت عظام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا ادب واحترام اور ان کی الفت ومحبت عطا فرمائے۔ آمین۔

حلم معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حلم یعنی بردباری مشہور ومعروف ہے، اور آپ اس میں گویا کہ ضرب المثل کی حیثیت رکھتے ہیں، نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے نہ صرف ان کے حلم کے لیے دعا کی جیسا کہ تفصیلی تحقیق حضرت وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں گزر چکی، ساتھ ہی حضور

اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس امت کے بڑے بردباروں میں آپ کے شامل ہونے کی خبر بھی ارشاد فرمائی۔ اس حوالے سے ایک مرفوع حدیث اور ایک موقوف حدیث، اس کی تحقیق اور ساتھ موصوف ظہور احمد فیضی کے باطل اعتراضات کے جوابات ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''معاوية بن أبي سفيان أحلم أمتي وأجودها'' معاویہ بن ابی سفیان میری امت کے سب سے بڑھ کر بردبار اور سخی (لوگوں میں سے ایک) ہیں۔

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث حضرت ابو قلابہ اور حضرت مکحول شامی نے روایت کی ہے۔

حضرت ابو قلابہ کی روایت کے پہلے راوی حرب بن اسماعیل الکرمانی ہیں جن کے بارے میں تفصیل گزر چکی ہے، امام فقیہ رجل جلیل ہیں اور ان کی روایت میں کوئی حرج نہیں۔

یہ اس حدیث کو حماد بن المبارک سے روایت کرتے ہیں، حماد بن المبارک کی تعیین نہ ہو سکی کہ اس سے مراد کون ہیں، حافظ ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے میزان الاعتدال میں حماد بن المبارک سجستانی کا ذکر کیا ہے اور ان کو مجہول کہا ہے، اور حماد بن المبارک البغدادی کا ذکر کیا ہے اور ان کو لا یعرف کہا ہے۔ (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۳۶۹ رقم ۲۲۷۰، ۲۲۷۱-۲۲۷۱) (یعقوب بن الفرج سے روایت میں ان کی متابعت ثقہ امام عبد الرحمن بن عبد الرحیم القرشی المعروف دحیم نے کی ہے جس کا بیان آگے آرہا ہے)

حماد بن المبارک اس حدیث کو یعقوب بن الفرج سے روایت کرتے ہیں، ان سے حماد بن المبارک کے علاوہ امام دحیم بھی روایت کرتے ہیں، جیسا کہ تہذیب الکمال میں ہے۔

(تہذیب الکمال ج ۱۶ ص ۴۹۶ رقم ۳۷۴۷)

چوتھے راوی امام عبد اللہ بن المبارک ہیں، یہ مشہور ثقہ فقیہ امام مجتہد ہیں۔

پانچویں راوی خالد بن مہران ہیں، یہ بھی ثقہ راوی ہیں امام ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

خالد بن مهران البصري أبو المنازل الحذاء. الحافظ. عن أبي عثمان النهدي، ويزيد بن الشخير. وعنه شعبة، وابن علية. ثقة إمام

''ابو المنازل خالد بن مھران بصری الحذاء حافظ ہیں، یہ ابو عثمان النھدی اور یزید بن شخیر سے روایت کرتے ہیں، ان سے امام شعبہ اور ابن علیہ روایت کرتے ہیں، یہ ثقہ امام ہیں''۔

(الکاشف ج۲ ص۳۵۳ رقم۱۳۵۶)

چھٹے راوی عبد اللہ بن زید بن عمرو ابو قلابہ ہیں۔ یہ ائمہ اعلام میں سے اور ثقہ راوی ہیں، ابن سعد، ایوب سختیانی، ابن خلفون وغیرہ نے ان کو ثقہ کہا ہے۔ عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

لن تزالوا بخیر یا أھل الشام ما دام فیکم ھذا.

''اے اہل شام تم ہمیشہ خیر سے رہو گے، جب تک یہ تمہارے درمیان تشریف فرما ہیں''۔

(تھذیب الکمال ج۱٤ ص٥٤٦-٥٤٧ رقم ٣٢٨٣) (تھذیب التھذیب ج٤ ص٣٠٧-٣٠٨ رقم ٣٤٢١)

امام عجلی نے ان کو ثقہ کہنے کے ساتھ یہ لکھا ہے:

کان یحمل علی علی

''حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف گفتگو کرتے تھے''۔

(کتاب الثقات للعجلي ج٢ ص٣٠ رقم٨٨٨)

لیکن حافظ عجلی رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول کئی وجوہ سے درست نہیں۔

اوّلاً: اس لیے کہ ان سے نصب کی کوئی بات ثابت نہیں۔

ثانیاً: اس کے برعکس یہ مولا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مخالفین خوارج سے سخت نفرت کرتے تھے۔

غیلان بن جریر کہتے ہیں میں نے ابو قلابہ سے ان کے پاس آنے کی اجازت مانگی تو فرمایا:

ادخل إن لم تکن حروریا، وکان ینھی عن مجالسة أھل الأھواء

''اگر تو حروری (خارجی) نہیں تو داخل ہو جا، آپ اہل بدعت کے پاس بیٹھنے سے منع فرمایا کرتے تھے''۔ (إکمال تھذیب الکمال ج٧ ص٣٦٨ رقم ٢٩٤٤)

ثالثاً: حافظ ابو زرعہ فرماتے ہیں: یہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرسلا روایت کرتے ہیں۔

(کتاب المراسیل لابن أبي حاتم الرازي ص٩٦ رقم١٦٩)

نیز ان کو ابن خراش جیسے رافضی نے بھی ثقہ کہا ہے۔ (تھذیب التھذیب ج٤ ص٣٠٩ رقم٣٤٢٢)

لہٰذا ان کے بارے میں یہ کہنا کہ ان میں نصب پایا جاتا تھا بلا دلیل ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ سند حماد بن المبارک اور یعقوب بن الفرج کے مجہول ہونے کی وجہ سے ضعیف ہوگی لیکن یہ ضعف محتمل ہے۔

حافظ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اللالی المصنوعہ میں اس کا ایک متابع ذکر کیا، آپ نے اس حدیث کو ابن عدی کے حوالے نقل کیا جو اس حدیث کو اسحاق بن ابراہیم الغزی سے روایت کرتے ہیں اور یہ صدوق راوی ہیں۔ (میزان الاعتدال ج ۷ ص ۹۸ رقم ۹۲۷۶)

وہ اس حدیث کو امام ثقہ راوی دحیم سے روایت کرتے ہیں، امام دحیم اس کو یعقوب بن الفرج مجہول راوی سے روایت کرتے ہیں، وہ عبداللہ بن مبارک از خالد الحذاء از ابوقلابہ روایت کرتے ہیں۔

(اللالی المصنوعۃ ج ۱ ص ۳۹۲) (تاریخ دمشق ج ۵۹ ص ۱۸۸)

اس سند میں فقط یعقوب بن الفرج مجہول الحال راوی ہیں جن کی توثیق نہیں مل سکی۔

رواۃ پر تحقیق آپ نے ملاحظہ فرمالی، اس کے مطابق اس حدیث کو فقط ضعیف کہا جاسکتا ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

اس پر موصوف ظہور احمد فیضی نے فقط یہ اعتراض کیا کہ ''شداد بن اوس سے ابوقلابہ نے روایت کی ہے لیکن اس کا ان سے سماع ثابت۔ حافظ جمال الدین مزی اور حافظ عسقلانی نے جن صحابہ سے اس کا روایت کرنا ذکر کیا ہے ان میں شداد بن اوس کا نام نہیں ہے، علماء اسماء الرجال سے ابوقلابہ کی ثقاہت تو منقول ہے لیکن اس کے ساتھ یہ بھی منقول ہے:

بصری تابعی ثقة و کان یحمل علی علی

''بصری تابعی ثقہ تھا اور سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف بکواس کرتا تھا''۔

(الموضوعات ص ۱۰۴)

اقول: اوّلاً: یہ کوئی دلیل نہیں کہ نام ذکر نہیں کیا تو ان کا سماع حضرت شداد بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ثابت نہیں ہوگا، ائمہ اسماء الرجال نے کتب مراسیل میں ان تمام صحابہ کرام کی تعیین کردی ہے جن سے یہ مرسلا روایت کرتے ہیں، ان میں حضرت سیدنا شداد بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام نہیں ہے۔

ثانیاً: اگر تسلیم کر بھی لیا جائے تو زیادہ سے زیادہ اس کا مرسل ہونا ثابت ہوگا اور یہ عند الاحناف تو

ویسے ہی مضر نہیں اور محدثین کے نزدیک بھی زیادہ سے زیادہ ضعف کا سبب بنے گا۔

ناصبی کی تہمت

یہ تو آپ کا پسندیدہ مشغلہ ہے، کہ جہاں موقع ملے اہل سنت کو ناصبی بناتے جائیں، جس کے لیے نہ تحقیق کی ضرورت نہ کسی اصول کی پابندی کی حاجت، ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ یہ حضرت سیدنا مولا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرسلا روایت کرتے ہیں، اور خوارج جو مولا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دشمن تھے ان سے سخت نفرت کرتے تھے، بلکہ بدعتیوں کے پاس بیٹھنے تک سے منع کرتے تھے، ان پر یہ تہمت امام عجلی نے ذکر کی ہے باقی کسی نے نہیں، اور امام عجلی نے اس پر کوئی دلیل بھی ذکر نہیں کی، جب کہ ان میں ناصبیت نہ پائے جانے پر دلائل موجود ہیں۔

امام مکحول شامی کی روایت

اس کے پہلے راوی حرب بن اسماعیل ہیں جن کے حالات ماقبل میں گزر چکے۔

دوسرے راوی محمد بن مصفی ہیں، ان پر بھی کلام گزر چکا ہے کہ یہ ثقہ راوی ہیں البتہ مدلس ہیں۔

تیسرے راوی عبد الرحیم بن واقد ہیں یہ مختلف فیہ راوی ہیں، ابن حبان نے ان کو ثقات میں ذکر کیا ہے جبکہ خطیب بغدادی نے ان کو ضعیف کہا ہے۔ (الضعفاء والمتروکین ج ۲ ص ۱۰۳ رقم ۱۹۱۹)

السنہ کے مطبوعہ نسخہ میں ان کا نام عبد الرحمن بن واقد مذکور ہے جبکہ مسند الحارث اور تاریخ دمشق میں عبد الرحیم بن واقد ہے، یہی درست نام ہے، امام ذہبی لکھتے ہیں:

عبد الرحيم بن واقد شيخ للحارث بن أبي أسامة، ضعفه الخطيب

(المغني في الضعفاء ج ۱ ص ۶۲۲ رقم ۳۶۸۳)

حافظ ابن حبان لکھتے ہیں:

عبد الرحيم بن واقد شيخ، يروي عن عدي بن الفضل، روى عنه الحارث بن أبي أسامة. (الثقات لابن حبان ج ۸ ص ۴۱۳ رقم ۱۴۱۵۰)

چوتھے راوی بشیر بن زاذان ہیں، یہ بھی مختلف فیہ راوی ہیں ان پر حافظ ابن عدی، ابن حبان، ساجی، ابن جارود، عقیلی نے جرح کی ہے لیکن ان کی جرح ضعف شدید کی حد تک ہے، حافظ ابن جوزی واحد ہیں جو ان کو متہم بالوضع قرار دیتے ہیں۔ جب کہ ابو حاتم رازی جیسے متشدد ان کو صالح الحدیث قرار دے رہے

ہیں۔ اسی لیے علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اللالی المصنوعہ میں ان کا یہ قول نقل کیا ہے۔

(اللالي المصنوعة ج ١ ص ٣٩١)

پانچویں راوی عمر بن صبح ہیں، یہ متروک راوی ہے، علما نے اس پر سخت جرح کی ہے۔

چھٹے راوی امام مکحول شامی رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

مکحول الشامي أبو عبد الله، ثقة فقيه، كثير الإرسال، مشهور

''ابو عبد اللہ مکحول شامی ثقہ فقیہ کثیر الارسال اور مشہور راوی ہیں''۔

(تقریب التهذيب ص ٥٧٤ رقم ٦٨٧٦)

مکحول شامی حضرت سیدنا شداد بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں، لیکن ان کی یہ روایت مرسل ہے۔

یہ سند سخت ضعیف ہے، لیکن ماقبل سند کے لیے قوت کا سبب بنے گی۔

حاصل یہ کہ یہ حدیث پاک زیادہ سے زیادہ معمولی درجہ کی ضعیف ہیں، لیکن باب فضیلت میں ہے اس لیے بالاتفاق معتبر ہے۔

صاحب موضوعات کے اعتراضات علی السند کے جوابات

موصوف فیضی نے بشیر بن زاذان پر ائمہ کی جرح نقل کی ہے، اور ابن ابی حاتم کے قول کو اس لیے معتبر نہیں جانا کہ اس سند میں عمر بن صبح ہیں۔

بشر بن زاذان پر اگرچہ کثیر ائمہ نے جرح کی ہے لیکن وضع کی جرح صرف ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، اور یہ ابن جوزی کی طرف سے افراط ہے یہ بالاتفاق ضعیف بھی نہیں، ابن ابی حاتم جیسے متشدد نے ان کو صالح الحدیث کہا، ان کا صالح الحدیث کہنا بہت اہمیت کا حامل ہے جیسا کہ فن جرح وتعدیل سے شغل رکھنے والوں پر مخفی نہیں۔

اصول محدثین کے لیکن مرضی فیضی کی

صاحب الاحادیث الموضوعات اپنی کتاب شرح خصائص علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں لکھتے ہیں: خیال رہے کہ حبۃ العرنی کے بارے میں علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حسب عادت افراط وتفریط سے کام لیا ہے، ورنہ اس کے کذاب ومتروک ہونے پر اتفاق نہیں، کیونکہ اصول حدیث کے بعض ائمہ نے اس

کی توثیق بھی کی ہے۔ (شرح خصائص علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ص ۷۷)

جب وہاں ابن جوزی کا افراط ہے تو یہاں بھی افراط ہی ہے۔ جب وہاں ان کا افراط قبول نہیں تو یہاں بھی قبول نہیں۔

عمر بن صبح یہ متروک راوی اس پر تہمت کذب ہے، لیکن اس کے کذاب ہونے پر اتفاق نہیں، نیز یہ حدیث دوسری سند سے بھی سیدنا شداد بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔

موصوف فیضی شرح خصائص علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں لکھتے ہیں:

''(حبۃ العرنی) کے غالی ہونے پر سب کا اتفاق نہیں، بلکہ امام احمد اور امام عجلی نے اس کی توثیق کی ہے، بہر حال کچھ ائمہ حدیث کی یہ جرح صرف اس حدیث کی سند پر ہے، اس کے متن کی صحت پر کسی کو کوئی کلام نہیں ہے اور یہ متن دوسری صحیح اسناد (سندوں) سے بھی ثابت ہے، لہٰذا ابن جوزی وغیرہ کا مطلقا اس حدیث کو موضوع قرار دینا بے احتیاطی بلکہ خطا پر مبنی ہے، انہیں چاہیے تھا کہ خاص اس سند کے ساتھ یہ حدیث ضعیف یا موضوع ہے''۔

(شرح خصائص علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ص ۷۶)

تو جناب یہ قاعدہ یہاں کیوں بھول گئے؟

حلم حضرت معاویہ پر اثر حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم

امام ابو بکر الخلال رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی سند کے ساتھ حضرت سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں:

قال: كان معاوية أحلم الناس، قالوا: يا أبا عبد الرحمن أبو بكر؟ قال: أبو بكر رحمه الله خير من معاوية، ومعاوية من أحلم الناس، قالوا: يا أبا عبد الرحمن عمر؟ قال: عمر خير من معاوية، ومعاوية من أحلم الناس

''آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: حضرت معاویہ تمام لوگوں میں سب سے بڑھ کر درگزر کرنے والے تھے، لوگوں نے عرض کی اور حضرت ابو بکر؟ تو ارشاد فرمایا: حضرت ابو بکر اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے، حضرت معاویہ سے بہتر تھے، حضرت معاویہ لوگوں میں سب سے بڑھ کر درگزر کرنے والے تھے، عرض کی گئی اور حضرت عمر؟ تو ارشاد فرمایا: حضرت عمر حضرت

معاویہ سے بہتر تھے، معاویہ لوگوں میں سب سے بڑھ کر درگزر کرنے والے تھے"۔

(کتاب السنة للخلال ج ۲ ص ۴۴۳ رقم ۶۸۱)

اس کے پہلے راوی محمد بن مخلد بن حفص ثقہ مسند مامون راوی ہیں۔ امام ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

محمد بن مخلد بن حفص، الإمام المفيد الثقة، مسند بغداد۔

(تذکرة الحفاظ ج ۳ ص ۳۳ رقم ۸۱۱)

سیر اعلام النبلاء میں لکھتے ہیں:

سئل الدارقطني عنه، فقال: ثقة مأمون

"امام دارقطنی سے ان کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا: ثقہ ہیں"۔

(سیر أعلام النبلاء ج ۱۵ ص ۲۵۶ رقم ۱۰۸)

دوسرے راوی نصر بن داود بن طوق ہیں: ابن ابی حاتم رازی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

نصر بن داود بن منصور بن طوق، روى عن يحيى بن يوسف الزمي، وأبي عبيد القاسم بن سلام، وعبيد الله بن عمرو الآمدي، سمعت منه بواسط، وروى عنه موسى بن إسحاق القاضي بعض كتب أبي عبيد، ومحله الصدق

"نصر بن داود: یحییٰ بن یوسف الزمی، ابوعبید القاسم بن سلام، عبید اللہ بن عمرو الآمدی سے روایت کرتے ہیں، میں نے ان سے واسط میں سماعت کی ہے، اور موسیٰ بن اسحاق القاضی نے ان سے ابوعبید کی بعض کتب کا سماع کیا ہے، اور ان کا مرتبہ صدق ہے"۔

(الجرح والتعدیل ج ۸ رقم ۲۱۶۶)

تیسرے راوی محمد بن عبد الملک ہیں، یہ صدوق راوی ہیں، حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

محمد بن عبد الملك بن أبي الشوارب الأموي البصري، واسم أبي الشوارب محمد بن عبد الرحمن بن أبي عثمان صدوق۔ (تقریب التہذیب ص ۵۲۴ رقم ۶۰۹۸)

چوتھے راوی ابو عاصم العبادانی ہیں: امام ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ الکاشف میں ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

أبو عاصم العبادانی عبد الله بن عبید الله، وقیل عبید الله بن عبد الله، عن أبان بن أبی عیاش، وعلی بن جدعان، وعنه علی وإسحاق، قال ابن معین وغیرہ: صالح الحدیث

''ابو عاصم العبادانی، ابان بن ابی عیاش اور علی بن جدعان سے روایت کرتے ہیں، اور ان سے علی اور اسحاق روایت کرتے ہیں، ابن معین وغیرہ نے ان کو صالح الحدیث کہا ہے''۔

(الکاشف ج ٥ ص ٦٧-رقم ٦٧٠٢)

پانچویں راوی ہشام بن حسان ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

هشام بن حسان الأزدی القردوسی -بالقاف وضم الدال- أبو عبد الله البصری، ثقة من أثبت الناس فی ابن سیرین، وفی روایته عن الحسن وعطاء مقال لأنه قیل کان یرسل عنهما

''ہشام بن حسان ابوعبد اللہ البصری الازدی القردوسی ثقہ ہیں، ابن سیرین سے روایت میں سب سے زیادہ مضبوط ہیں، اور حسن بصری اور عطا سے ان کی روایت میں کلام ہے، اس لیے کہ کہا گیا ہے کہ ان سے یہ مرسلا روایت کرتے ہیں''۔ (تقریب التہذیب ص ٦٠٢- رقم ٧٢٨٩)

چھٹے راوی محمد بن سیرین ثقہ راوی ہیں۔

اور ساتویں اس فرمان کے قائل حضرت سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں۔

حاصل یہ کہ سنداً یہ روایت حسن ہے۔

حدیث مرفوع وموقوف سے آپ حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا احلم بڑا بردبار ہونا لاحظہ فرما چکے۔ اسی طرح حضرت وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی حدیث حسن میں بھی حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ان کے لیے پیٹ بھر بردباری کی دعا بھی پڑھ چکے ہے۔ اب اگر اس کے معارض کوئی حدیث ثابت ہوتی تو بھی محدثین ایسے مواقع پر ان میں تطبیق بیان کرتے ہیں، یا کسی طرح کی تخصیص یا تقیید ہوتی ہے تو اسے واضح کرتے ہیں، لیکن کیا کریں بغض معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ موصوف فیضی کے سر چڑھ کر ایسا بول رہا ہے، مہمل، محتمل واقعات جن میں کئی پہلو نکلتے ہیں، اور بعض تو سنداً ضعیف ومطروح ہیں ان کے ذریعے حضرت سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قول بلکہ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کو بھی موضوع قرار دے دیا۔

موصوف اس موقوف اثر کی سند پر جرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: یہ روایت روایۃً ودرایۃً باطل ہے، سنداً اس لیے کہ اس کی سند میں محمد بن عبد الملک بن جریج راوی مجہول ہے۔

واہ جی واہ! یہ آپ نے کیسے متعین کرلیا کہ یہ محمد بن عبدالملک بن جریج ہے؟

محدث جی یہ محمد بن عبد الملک بن جریج نہیں، جو مجہول راوی ہیں ان سے تو صرف روح بن عبادہ روایت کرتے ہیں۔، یہ محمد بن عبدالملک بن ابی الشوارب ہیں ان کے شیوخ میں ابو عاصم العبادانی ہیں۔

علی سبیل التسلیم مان لیا جاتا کہ یہ مجہول راوی ہیں تو کیا اس سے حدیث موضوع ہوجاتی ہے؟ کچھ تو روزِ محشر کا خوف کیجئے۔

موصوف نے اس حدیث پر ایک اعتراض کیا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس حدیث کی روشنی میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی زیادہ بردبار ہونا لازم آتا ہے، اسی طرح حضرت سیدنا علی المرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کے امت میں حلم میں فائق ہونے کا بیان خود حدیث پاک میں موجود ہے، ان سے بھی حلم میں بڑھ کر ہونا لازم آئے گا۔“

مجھے معلوم نہیں کہ موصوف نے باقاعدہ کسی استاد سے پڑھا ہے یا نہیں، ورنہ اس طرح کے اشکالات کے جوابات دوران درس بارہا بیان کیے جاتے ہیں۔ (سنا یہ ہے کہ موصوف ابتدائی درجوں سے ہی بھاگ گئے تھے)

اوّلاً: ہم یہاں علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ کے شیخ محقق امام کافیجی رحمہ اللہ تعالیٰ کے الفاظ نقل کرتے ہیں، پھر مزید اس پر گفتگو کریں گے۔ علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تاریخ الخلفاء میں افضل الصحابہ وخیرہم کی فصل مقرر کی اور اس میں متعدد صحابۂ کرام علیہم الرضوان کی افضلیت کا ذکر کیا اور آخر میں یہ روایات ذکر کیں

روى أحمد والترمذي عن أنس بن مالك، قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم: أرحم أمتي بأمتي أبو بكر، وأشدهم في أمر الله عمر، وأصدقهم حياء عثمان، وأعلمهم بالحلال والحرام معاذ بن جبل، وأفرضهم زيد بن ثابت، وأقرؤهم أبي بن كعب، ولكل أمة أمين، وأمين هذه الأمة أبو عبيدة بن الجراح. وأخرجه أبو يعلى من حديث ابن عمر وزاد فيه: وأقضاهم علي. وأخرجه الديلمي في مسند

الفردوس من حديث شداد بن أوس وزاد: وأبوذر أزهد أمتي وأصدقها. وأبو الدرداء أعبد أمتي وأتقاها، ومعاوية بن أبي سفيان أحلم أمتي وأجودها.
و قد سئل شيخنا العلامة الكافيجي عن هذه التفضيلات هل تنافي التفضيل السابق؟ فأجاب بأنه لا منافاة.

"امام احمد اور امام ترمذی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں: حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری امت پر میری امت میں سب سے بڑھ کر رحم دل ابو بکر ہیں، ان کے لیے اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں سب سے سخت عمر ہیں، اور حیا میں سب سے سچے عثمان ہیں، ان میں حلال وحرام کو سب سے زیادہ جاننے والے معاذ بن جبل ہیں، فرائض کو سب زیادہ جاننے والے زید بن ثابت ہیں، اور ان کے سب سے بڑے قاری ابی بن کعب ہیں، اور ہر امت کا ایک امین ہوتا ہے اور اس امت کے امین ابو عبیدہ بن الجراح ہیں، یہ حدیث ابو یعلی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی روایت کی ہے جس میں یہ زیادہ ہے: اور ان کے سب بڑے قاضی علی ہیں، اور دیلمی نے مسند الفردوس میں حضرت شداد بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے، جس میں یہ زائد ہے: میری امت کے سب سے بڑے زاہد اور اور سچے ابوذر ہیں، اور سب سے بڑے عبادت گزار اور متقی ابو الدرداء ہیں، اور میری امت کے سب سے بڑھ کر درگزر کرنے والے اور سخی معاویہ بن ابی سفیان ہیں۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین)

"ہمارے شیخ علامہ کافیجی رحمہ اللہ تعالیٰ سے ان تفضیلات کے بارے میں سوال کیا گیا کہ کیا یہ ماقبل تفضیلات کے منافی ہیں؟ تو ارشاد فرمایا: ان میں کوئی منافاۃ نہیں"۔ (تاریخ الخلفاء ص ۴۱)

اس امام محقق کے قول سے واضح ہوگیا کہ ان روایات میں کوئی منافاۃ نہیں۔

ثانیاً: ان روایات میں ایک تطبیق یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان اجلہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کے بعد حلم میں بڑھ کر ہیں، ترمذی شریف کی مشہور حدیث جو اوپر مذکور ہوئی اس کی شرح میں علامہ عبد الرؤف المناوی اور علامہ عزیزی رحمہا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

(وأعلمهم بالحلال والحرام) أي بمعرفة ما يحل ويحرم من الأحكام (معاذ بن جبل)

الأنصاری یعنی سیصیر أعلمهم بعد انقراض أکابر الصحابة. (وأفرضهم) أی أکثرهم علما بقسمة المواریث (زید بن ثابت) الأنصاری أی أنه سیصیر کذلك بعد انقراض أکابر الصحب، وإلا فعلیٌ، وأبو بکر، وعمر أفرض منه (وأقرؤهم) أی أعلمهم بقراءة القرآن (أبیٌّ) بن کعب بالنسبة لجماعة مخصوصین، أو وقت مخصوص.

''ان میں حلال وحرام کے سب سے بڑھ کر جاننے والے (یعنی حلال وحرام کے احکام کو سب سے زیادہ جاننے والے) معاذ بن جبل ہیں (یعنی اکابر صحابہ کے رخصت ہونے کے بعد سب سے بڑھ کر علم والے یہ ہیں) اور فرائض کے سب زیادہ جاننے والے (یعنی مال وراثت کی تقسیم کا سب زیادہ علم رکھنے والے) زید بن ثابت ہیں (یہاں بھی یہی ہے کہ یہ، اکابر صحابہ کے رخصت ہونے کے بعد سب سے زیادہ وراثت کا علم رکھنے والے ہوجائیں گے، ورنہ حضرت علی، حضرت ابو بکر، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان سے زیادہ وراثت کا علم رکھنے والے ہیں) اور ان کے سب سے بڑے قاری (یعنی قراءت قرآن کا ان میں سب بڑھ کر علم رکھنے والے) ابی بن کعب ہیں (یہ ایک جماعت مخصوصہ کی طرف نسبت کرتے ہوئے یا مخصوص وقت کے اعتبار سے ہیں)''۔ (التیسیر ج۱ ص ۲۷۱ السراج المنیر ج۱ ص ۱۸۵)

ملاحظہ فرمایا کہ ان تمام کو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مخصوص باتوں میں سب سے بڑھ کر ارشاد فرمایا تھا، شارحین نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کی وضاحت کردی ہے کہ اس سے مراد مخصوص وقت میں، ایک مخصوص جماعت کی طرف نسبت کے اعتبار سے اور اکابر صحابہ کرام علیہم الرضوان کے بعد یہ افضلیت ہے۔

ثالثاً: اہل علم پر مخفی نہیں کہ احادیث میں مختلف اعمال کو مختلف اوقات میں سب سے زیادہ فضیلت والا بیان کیا گیا ہے، کبھی کسی عمل کو سب سے زیادہ فضیلت والا بیان کیا گیا تو کبھی کسی عمل کو، اس کے شارحین نے مختلف جوابات دیئے ہیں، ایک جواب یہ دیا گیا کہ یہ من افضل الاعمال ہیں یعنی یہ افضل عمل میں سے ایک ہے، لہٰذا احلم امتی کا معنی بالکل واضح ہے کہ من احلم امتی یعنی میری امت میں حلم میں جو سب سے بڑھ کر لوگ ہیں ان میں ایک حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

ہم ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اس قول کو بھی خاص صورت پر ہی محمول کریں گے، ورنہ شیخین کریمین اور ختنین حلیمین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ضرور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حلم میں بڑھ کر تھے۔

تجربہ اپنے اوپر کیجئے

موصوف فیضی ناصبیوں کا نام لے کر اہل سنت پر یہ اعتراض کرتے ہیں:

''ان کے سامنے پہلے یہ بیان کریں کہ حلم میں سیدنا علی المرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ شیخین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی زیادہ تھے، پھر سامعین کے ردعمل میں غور فرمائیں، پھر اسی لحہ حلم معاویہ میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف مذکورہ بالا جھوٹا قول بیان کریں کہ معاویہ شیخین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی زیادہ حلیم تھے۔۔۔الخ''۔

تجربہ اپنے اوپر کیجئے! ہم بحمد اللہ تعالیٰ! فرق مراتب کا لحاظ رکھنے والے ہیں، امام احمد رضا خان رحمہ اللہ تعالیٰ کا دامن کرم ہمارے ہاتھ میں ہے، یہ تو آپ کی بدنصیبی ہے کہ آپ بار بار مولائے کائنات مولا مشکل کشا علی المرتضی شیر خدا کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کو حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابل لا رہے ہیں۔

حالانکہ سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مولائے کائنات سیدنا علی المرتضی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے فضائل سے کوئی نسبت ہی نہیں، مولا مشکل کشا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مراتب بے شمار ہیں جس کا عشر عشیر بھی حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حاصل نہیں، لیکن صاحب الموضوعات کی قسمت کہ حب علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معنی بغض معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سمجھ لیا ہے۔

مولا مشکل کشا رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کی نسل پاک کا ذکر ہمارے لیے حرز جاں ہے، لیکن ہماری محبت آپ کی طرح گندی اور بغض صحابہ سے متلوث نہیں، جس سے خود ائمہ اہل بیت نے بیزاری کا اظہار کیا ہے۔

ہم مولا مشکل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حلم میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بہت بڑھ کر سمجھتے ہیں۔

یہ تجربہ بھی ضرور کیجئے

موصوف فیضی سادات سے محبت کا دعوی کرتے ہیں، لیکن ان کا یہ دعوی جھوٹا اور حقیقتاً بغض معاویہ کا

پردہ رکھنے کے لیے ہے، کبھی ان پر یہ تجربہ کیجئے اور ان سے معلوم کریں: آپ سیدوں سے محبت کرتے ہیں، یہ کہیں گے ہاں، پھر آپ بتائیں کہ فلاں سید (مثلاً سید عرفان شاہ مشہدی صاحب دامت برکاتہم العالیہ) سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل بیان کرتے ہیں، اور جو سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف بکواس کرتے ہیں (جیسے ان کے پسندیدہ غیر سید مقرر اور سابقہ خطیب اتفاق مسجد لاہور) ان کا زبردست رد کرتے ہیں، اب جو ان کا ردعمل سامنے آئے گا اس میں غور فرمالیجئے گا۔

بلکہ ہم تو اس پر دلیل ابتدائے کتاب میں دے چکے، سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذکر کی محفل کو ناجائز کہنے والے، ہندوؤں کی دیوالی کی مٹھائی، حلوہ پوری کو جائز کہنے والے اور سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نیاز، شربت کو ناجائز کہنے والے تو ان کے نزدیک مولانا اور علامہ ہیں، لیکن فاطمی شہزادے سید عرفان شاہ مشہدی حفظہ اللہ تعالیٰ کی اہمیت ان کے نزدیک یہ ہے کہ ان کے لیے موصوف لکھتے ہیں: "مولوی عرفان شاہ مشہدی لکھتا ہے۔"

وہ سادات جو غیر سیدوں میں نکاح کے قائل ہیں فیضی کے نزدیک نسب کی حفاظت میں احتیاط برتنے والے ہی نہیں ہیں۔ یہ کیسی مرضی کی محبت ہے؟

موصوف نے اس کتاب میں حلم معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ایک اعتراض یہ کیا کہ "پھر جو کچھ حلم نظر آتا تھا وہ سب بھی مصنوعی تھا اور بتکلف تھا حتی کہ ایک مرتبہ ان سے خود اس مصنوعی پن کا اظہار بھی ہو گیا تھا۔ وہ مدینہ منورہ گئے تو ان کے سامنے سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیٹی رونے لگی اور شکایت کرنے لگی تو انہوں نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا:

یا بنت أخي إن الناس أعطونا سلطانا فأظهرنا لهم حلما تحته غضب وأظهروا لنا طاعة تحتها حقد فبعناهم هذا بهذا

"بھتیجی! لوگوں نے ہمیں حکومت دی تو ہم نے اس کے لیے وہ حلم ظاہر کیا ہے جس کے نیچے غضب ہے اور انہوں نے ہمارے لیے اطاعت ظاہر کی ہے جس کے نیچے کینہ ہے، سو ہم نے ان کے ساتھ اِس کا سودا اُس کے ساتھ کیا"۔

(البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۹۲ مختصر تاریخ دمشق ج ۲۵ ص ۴۶)

اموی غلام ابن ابی الدنیا نے "حلم معاویہ" کے نام سے مستقل ایک رسالہ لکھا ہے اس میں کوئی واقعہ

بھی ایسا نہیں ہے جس سے حقیقی حلم عیاں ہوتا ہو، ہر واقعہ کے آخر سے مصنوعیت ٹپک رہی ہے۔

(الاحادیث الموضوعات ص ٦٦)

موصوف کے دل میں سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کس قدر کینہ ہے یہ تو ظاہر ہے، جو ملے بس لے لو تنقیص کا کوئی پہلو نکلنا چاہیے اگر چہ کے اس واقعہ میں کوئی بات حلم کے خلاف نہیں لیکن محقق صاحب متوجہ ہوں اس کی سند شدید ضعیف ہے، جس سے کسی کی تنقیص پر استدلال نہیں کیا جا سکتا۔

اس کا راوی ہے: علوان بن صالح معروف نام علوان بن داود البجلی ہے، اس کے بارے میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

علوان بن داود البجلي مولى جرير بن عبد الله، ويقال علوان بن صالح، قال البخاري: علوان بن داود، ويقال ابن صالح، منكر الحديث، وقال العقيلي: له حديث لا يتابع عليه ولا يعرف إلا به: وقال أبو سعيد بن يونس: منكر الحديث

"علوان بن دواد البجلی، جریر بن عبد اللہ کے غلام، اس کو علوان بن صالح بھی کہا جاتا ہے، امام بخاری فرماتے ہیں ہیں علوان بن داود اس کو علوان بن صالح بھی کہتے ہیں منکر الحدیث ہے، عقیلی کہتے ہیں کہ اس کی ایک ہی حدیث ہے جس پر اس کی متابعت بھی نہیں اور یہ حدیث اسی سے معروف ہے، ابو سعید بن یونس کہتے ہیں: یہ منکر الحدیث ہے"۔

(لسان المیزان ج ٥ ص ٤٧٢ رقم ٥٢٩٣)

اور امام بخاری خود فرماتے ہیں جس کے بارے میں کہوں کہ یہ منکر الحدیث ہے اس سے روایت کرنا ہی حلال نہیں۔

ملاحظہ فرمائیں! یہ وہ محقق اعظم صاحب ہیں جو فقط راوی کے مجہول ہونے کی وجہ سے اثر ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سندا موضوع قرار دے چکے ہیں اور اس میں بھی بلا تحقیق راوی بدل کر اسے مجہول کہہ دیا، اور یہاں راوی منکر الحدیث اور منکر الحدیث بھی امام بخاری کے نزدیک جن کے نزدیک ایسا راوی سخت مجروح ہوتا ہے اس کی روایت کو طعن کے لیے استعمال کر رہے ہیں،

امام ابن ابی الدنیا رحمہ اللہ تعالیٰ کا کیا قصور تھا کہ موصوف نے ان کے لیے اس طرح گھٹیا انداز اختیار کیا اور ان کو اموی غلام لکھا، یہ تو آپ جانتے ہی ہوں گے کہ معیار صرف ایک ہے۔

م۔ ت۔ غلام

ہم جواباً کہتے ہیں کہ م۔ ت۔ غلام ظہور احمد فیضی نے اہل بیت کے فضائل میں لکھی ہوئی تین چار کتب کا ترجمہ وتشریح کی لیکن اہل علم جنہوں نے اس کی کتب کو پڑھا وہ جانتے ہیں اس کی اپنی ہر بات سے مصنوعیت ٹپک رہی ہے اور ظاہر ہو رہا ہے کہ مقصود صرف صحابہ کرام بالخصوص حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر تعریض وتنقیص کرنا ہے۔

موصوف نے اسی طرح کے بعض اور اقوال لکھے ہیں، لیکن ان میں سے بعض سنداً مجروح تو بعض درایۃ مجروح ہیں۔

موصوف امام اعمش رحمہ اللہ تعالیٰ کا واقعہ نقل کرتے ہیں لکھتے ہیں:

''علامہ بلاذری امام اعظم ابو حنیفہ کے شیخ امام اعمش کا قول سند کے ساتھ نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: امام اعمش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجلس میں معاویہ کا ذکر کیا گیا تو لوگوں نے کہا وہ حلیم تھے۔ وہ کیسے حلیم ہو گئے جبکہ انہوں نے سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ جنگ کی اور اس شخص سے قصاص عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مطالبہ کا ڈھونگ رچایا جس نے انہیں قتل نہیں کیا۔ بھلا وہ اور قصاص عثمان؟ دوسرے لوگ ان سے زیادہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق دار تھے''۔ (الاحادیث الموضوعات ص ٦٦۔٦٧)

اس میں راوی عبید اللہ بن موسیٰ بن باذام جو ثقہ راوی ہے، لیکن یہاں اس کی بات معتبر ہی نہیں، اس لیے کہ یہ غالی شیعہ بلکہ رافضی تھا، ابن سعد ان کی توثیق کے ساتھ کہتے ہیں:

وكان يتشيع ويروى أحاديث فى التشيع منكرة.

''یہ تشیع اختیار کرتا تھا، اور تشیع میں منکر احادیث روایت کرتا تھا''۔

یعقوب بن سفیان کہتے ہیں:

شيعي وإن قال قائل: رافضي، لم أنكر عليه، وهو منكر الحديث

''شیعہ ہے اور اگر کوئی کہے کہ یہ رافضی ہے تو میں اس پر انکار نہیں کروں گا اور یہ منکر الحدیث ہے''۔

ساجی کہتے ہیں:

صدوق کان یفرط فی التشیع

''صدوق ہے لیکن تشیع میں زیادتی کیا کرتا تھا''۔

امام احمد نے اس کے تشیع کی وجہ سے ہی اسے ترک کر دیا تھا۔ (تہذیب التہذیب ج ٥ ص ٤١٣ رقم ٤٤٧٧)

اس قول کی سند کا حال بھی آپ نے ملاحظہ فرمالیا۔ صاحب الموضوعات کو یہاں سند کی تحقیق کی توفیق نصیب نہ ہوئی۔

دوسری بات امام اعمش رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کا جواب بالکل واضح ہے، حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مطالبہ قصاص میں تعجیل کی تو اپنے مطابق درست سمجھ کر کی، اگرچہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہاں خطا اجتہادی میں واقع ہوئے تھے۔ یہی جواب قاضی شریک کے قول کا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحابۂ کرام علیہم الرضوان کے بغض سے محفوظ فرمائے۔

صاحب سرّی معاویہ

اعلیٰ حضرت امام اہلسنت امام احمد رضا خان محدث بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنی تصنیف لطیف منیر العین میں تقبیل ابہامین کی حدیث کے معتبر ہونے پر مختلف انداز میں دلائل دیئے ہیں، اسی حدیث کے حوالے سے آپ فرماتے ہیں: بالفرض اگر کتب حدیث میں اصلا پتا نہ ہو، تاہم ایسی حدیث کا بعض کلمات علماء میں بلا سند مذکور ہونا ہی بس ہے۔ اَقول: بھلا، یاں تو طرق مسندہ باسانید متعددہ کتب حدیث میں موجود، علمائے کرام تو ایسی جگہ صرف کلمات بعض علماء میں بلا سند مذکور ہونا ہی سند کافی سمجھتے ہیں، اگرچہ طبقۂ رابعہ کی طبقہ حدیث میں اس کا نام نہ نشان ہو۔

پھر اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کی مثال بیان فرمائی کہ وصال ظاہری کے بعد امیر المؤمنین حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور شافع یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ندا فرمائی: بابي أنت وامي يا رسول الله. میرے ماں باپ حضور پر قربان یا رسول اللہ اور پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل جلیلہ وشمائل جمیلہ عرض کیے۔ یہ حدیث امام ابومحمد عبد اللہ بن علی لخمی اندلسی رشاطی نے کہ پانچویں صدی کے علماء سے تھے اپنی کتاب اقتباس الانوار والتماس الازہار میں اور امام ابوعبداللہ محمد ابن الحاج عبدری مکی المالکی نے جو آٹھویں صدی کے فضلاء سے تھے ۷۳۷ھ میں وصال ہوا اپنی کتاب مدخل میں ذکر کی اور دونوں نے اس کو بلا سند ذکر کیا، ائمہ کرام وعلماء اعلام نے ان دونوں کتابوں سے بڑھ کر کسی

اور کتاب میں اس کو نہیں پایا، کتب حدیث میں اصلا نشان نہ ملا۔ لیکن مقام چونکہ مقام فضائل تھا، لہذا اسی قدر کو کافی سمجھا، ان نادانوں کند خواسوں فرق مراتب ناشناسوں کی طرح طبقۂ رابعہ میں ہونا درکنار اصلا کسی طبقہ میں نہ ہونا بھی انہیں اس کے ذکر وقبول سے مانع نہ آیا، بلکہ اس سے استناد فرمایا۔ اس حدیث کو علامہ ابو العباس قصار نے شرح قصیدۂ بردہ شریف میں ذکر کیا، اور انہوں نے رشاطی کا حوالہ دیا، امام علامہ احمد قسطلانی نے مواہب لدنیہ میں اس کو جزما ذکر کیا، اور انہوں نے شرح قصار اور مدخل کا حوالہ دیا۔ اسی طرح اس کو علامہ خفاجی نے نسیم الریاض میں شیخ محقق نے مدارج النبوۃ میں ذکر کیا۔ (إلى أن قال): حدیث مذکور فاروقی بأبي أنت وأمي یارسول اللہ کا ایک پارہ امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی شفا شریف میں یونہی بلا سند ذکر فرمایا اس پر امام خاتم الحفاظ جلال الملۃ والدین سیوطی نے مناہل الصفا فی تخریج احادیث الشفا پھر ان کے حوالہ سے علامہ خفاجی نے نسیم الریاض میں ارشاد کیا:

لم أجده في شيء من كتب الأثر. لكن صاحب اقتباس الأنوار وابن الحاج في مدخله ذكراه في ضمن حديث طويل، وكفى بذلك سندا لمثله. فإنه ليس مما يتعلق بالأحكام.

''یعنی کتب حدیث میں اس بارے میں مجھے کوئی بات نہیں ملی ہے، لیکن صاحب اقتباس الانوار اور ابن الحاج نے اپنی مدخل میں ایک طویل حدیث کے ضمن میں ذکر کیا ہے، اور اس طرح کی حدیث کے لیے اس کی مثل سند کافی ہے''۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۵ ص ۵۶۱)

جلیل القدر ائمہ حدیث وفقہ کے عمل اور قول سے سیدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس بات کو واضح فرمایا کہ حدیث بلا سند جب فضائل سے تعلق رکھتی ہو اور معتبر ائمہ کی کتب میں موجود ہو اور علماء اس کو نقل کرتے ہوں تو اس کے قبول میں کوئی حرج نہیں۔

اس موضوع پر مفتی حسان صاحب کا ایک مقالہ ہے جو دو قسطوں میں ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور میں شائع ہو چکا ہے اور فیس بک پر بھی موجود ہے، جس میں کئی علما کے حوالے سے امام اہلسنت رحمہ اللہ تعالیٰ کے بیان کردہ اصول کو مبرہن کیا گیا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے:

''حدیث جب عقائد واحکام سے تعلق نہ رکھتی ہو اور کتب معتبرہ میں صیغۂ جزم جیسے قال، وغیرہ کے ساتھ موجود ہو، نیز دیگر دلائل سے اس کا موضوع ہونا ثابت نہ ہو چکا ہو، علماء نے اس کے

بیان کرنے پر اعتماد کیا ہو تو ایسی حدیث فضائل میں معتبر ہوتی ہے۔ ہاں اگر یہ کسی دوسری قوی حدیث کے اس طرح معارض ہو کہ تطبیق بین الحدیثین نہ ہو سکے تو قابل اعتبار نہیں ہوگی۔''

یہاں ظہور احمد فیضی نے خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی فضیلت میں وارد ایک حدیث اسی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وارد میں ایک حدیث جو بلا سند ہیں، پر اپنی خواہشِ نفس کے تحت اعتراض کیا اور ان کو موضوع قرار دیا، ہم وہ دونوں احادیث ذکر کرتے ہیں اور ان کو نقل کرنے والے ائمہ کا بھی ذکر کراتے ہیں۔ پھر اس کے بعد موصوف کے اعتراضات کے جوابات عرض کرتے ہیں۔

فیضان امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں یہ حدیث نقل کی گئی:

''حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے عشرۂ مبشرہ کے فضائل بیان فرمائے اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی ذکر فرمایا: معاویہ بن ابی سفیان میرے رازوں میں سے ہیں، جس نے ان تمام سے محبت کی وہ نجات پا گیا اور جس نے ان سے بغض رکھا وہ ہلاک ہوگیا۔''

یہ حدیث امام حافظ ابو سعد عبد الملک نیشاپوری رحمہ اللہ تعالیٰ التوفی سنہ ۴۰۶ھ نے اپنی کتاب شرف المصطفیٰ میں، امام ابو حفص عمر بن محمد ملا رحمہ اللہ تعالیٰ التوفی ۵۷۰ھ نے وسیلۃ المتعبدین میں، انہیں سے امام محب الدین طبری رحمہ اللہ تعالیٰ التوفی ۶۹۴ھ نے اپنی معروف کتاب الریاض النضرۃ میں، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ التوفی ۹۷۳ھ نے الریاض النضرہ کے حوالے سے تطہیر الجنان میں اور علامہ آلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ التوفی ۱۲۷۰ھ نے الاجوبۃ العراقیہ میں نقل کی ہے۔

اوپر آپ امام اہل سنت رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق پڑھ چکے ہیں کہ اس طرح کی حدیث کا اس درجے کی کتب میں ہونا بھی کافی ہے۔

ہم ان شاء اللہ عزوجل آگے موصوف کے قاعدے کے مطابق ان کی کتاب سے اس کی مثال بھی پیش کریں گے، یہاں اس حدیث پر موصوف نے بے عقلی میں کچھ عقلی اعتراضات کرنے کی کوشش کی ہے، اس کے جوابات ملاحظہ فرمائیں!

اس حدیث کے مکمل الفاظ میں سے ایک جملہ ہے:

ولکل نبی حواری وحواری طلحۃ والزبیر

''یعنی ہر نبی کے لیے حواری ہوتے ہیں اور میرے حواری طلحہ اور زبیر ہیں''۔

اس پر موصوف فیضی لکھتے ہیں:

''اس حدیث کو وضع کرنے والا شخص ہی شاید موصوف کی طرح تھا، اس جاہل کو علم ہی نہیں تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں حواری فقط ایک تھے، اور وہ سیدنا زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے جبکہ حدیث گھڑنے والے جاہل نے سیدنا طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی حواری بنادیا ہے، اس کے الفاظ میں غور فرمائیں: ولکل نبی حواری وحوراي طلحة والزبير (اور ہر نبی کا ایک حواری ہوتا ہے اور میرے حواری طلحہ وزبیر ہیں) جبکہ صحابہ کرام علیہم الرضوان ایک سے زائد حواری سے آگاہ ہی نہیں تھے۔''

اس پر موصوف نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ذکر کیا جس میں آپ نے ایک شخص کو سنا کہ وہ اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حواری کا بیٹا کہہ رہا ہے تو آپ نے فرمایا کہ اگر تو آل زبیر سے ہے تو فبہا ورنہ نہیں، جبکہ دوسری روایت کے الفاظ اگر تو زبیر کا بیٹا ہے تو ٹھیک ورنہ تو نے جھوٹ بولا، ایک قول یہ نقل کیا کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بعض لوگوں نے سوال کیا: کیا سیدنا زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ علاوہ کوئی اور نہیں جس کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا حواری کہا جائے؟، فرمایا میں نہیں جانتا، اور یہی سوال خود سیدنا زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کیا گیا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کے سوا کسی اور کو بھی حواری فرمایا تھا؟ انہوں نے جواباً فرمایا: نہیں اللہ کی قسم میں نہیں جانتا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے میرے سوا کسی کو یہ فرمایا ہو۔

موصوف یہ آثار لکھنے کے بعد آخر میں لکھتے ہیں:

''اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ جھوٹی حدیث بنانے والا شخص پڑھا لکھا جاہل تھا، اور جو غرض مند شخص فقط صاحب سری معاویۃ بن ابی سفیان کے جملہ کی وجہ سے اس حدیث کو آگے چلاتا رہا یا چلاتا ہے اس کی بصیرت بھی بوجہ مذہبی تعصب جواب دے چکی ہے''۔
(الاحادیث الموضوعات ص ۱۱۶)

اَقول وباللہ التوفیق! مولوی فیضی صاحب ذرا ملاحظہ فرمائیں، مسند بزار کی حدیث میں ہے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یا طلحة ویا زبیر، إن لکل نبی حواری وأنتما حواريي اے طلحہ،

اے زبیر، ہر نبی کے لیے حواری ہوتے ہیں اور تم دونوں میرے حواری ہو'' اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد حافظ بزار رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وعمار بن سيف، صالح، وعبد الرحمن المحاربي ثقة، وابن أبي مواتية صالح، وسائر الإسناد لا يسأل عنه لثقتهم، وهذا الحديث لا نعلمه يروى عن عبد الله بن أبي أوفى إلا من هذا الوجه بهذا الإسناد.

''عمار بن سیف صالح ہے، اور عبد الرحمن المحاربی ثقہ ہے، اور ابن ابی مواتیہ صالح ہے، اور باقی اسناد کے بارے میں اس کے راویوں کے ثقہ ہونے کی وجہ سے سوال نہ کیا جائے گا، اور ہمارے علم میں یہ حدیث حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اسی سند کے ساتھ مروی ہے''۔ (مسند البزار ج ۸ ص ۲۷۸-۲۷۹ رقم ۳۳۴۳)

امام منذری رحمہ اللہ تعالیٰ نے الترغیب والترہیب میں اس حدیث کو نقل کیا اور فرمایا:

رواه البزار واللفظ له والطبراني ورواته ثقات إلا عمار بن سيف وقد وثق

''اس حدیث کو بزار نے روایت کیا اور لفظ انہی کے ہیں، اور طبرانی نے بھی روایت کیا، اس کے رواۃ ثقہ ہیں سوائے عمار بن سیف کے اور ان کی بھی توثیق کی گئی ہے''۔

(الترغیب والترہیب ج ٤ ص ١٤٠)

حافظ ہیثمی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

رواه البزار، والطبراني بنحوهم وفيه عمار بن سيف، ضعفه ابن معين، وأبو زرعة، وأبو حاتم، وأبو داود، ووثقه العجلي، وغيره، وبقية رجاله ثقات.

(مجمع الزوائد ج ١٨ ص ٤٢١ رقم ١٤٩٢٤)

''یہ حدیث بزار نے روایت کی، اور طبرانی نے بھی اس کی مثل روایت کی ہے، اس میں عمار بن سیف راوی ہے جس کو ابن معین، ابو زرعہ، ابو حاتم اور امام ابو داود نے ضعیف قرار دیا ہے، جبکہ عجلی وغیرہ نے اس کو ثقہ قرار دیا ہے اور باقی رجال ثقہ ہیں''۔

جی مولوی صاحب کیا اس بالسند حدیث کا بھی رد فرمائیں گے جس میں نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حضرت سیدنا زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ حضرت سیدنا طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی

اپنا حواری ہونے کی خوشخبری ارشاد فرمائی ہے۔

اور سنیں امام طبرانی رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت سیدنا طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

أنه صلى بقوم. فلما انصرف قال: نسيت أن أستأمركم قبل أن أتقدمكم أفرضيتم بصلاتي؟ قالوا: نعم ومن يكره ذلك يا حواري رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم؟ قال: إني سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم يقول: ((أيما رجل أم قوما وهم له كارهون لم تجز صلاته أذنه))

''انہوں نے ایک قوم کو نماز پڑھائی، جب نماز سے فارغ ہوئے تو ان سے فرمایا: میں امامت کرانے سے پہلے تم سے اجازت لینا بھول گیا تھا، کیا تم میرے نماز پڑھانے سے راضی ہو؟ لوگوں نے عرض کی: اے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حواری کون یہ ناپسند کرے گا؟ آپ نے ارشاد فرمایا (یہ سوال میں نے اس لیے کیا کہ) میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے: جو کسی قوم کو نماز پڑھائے اور وہ اس کو ناپسند کرتے ہوں تو اس کی نماز اس کے کان سے اوپر نہیں جاتی''۔ (المعجم الکبیر ج۱ ص۱۱۵ رقم ۲۱۰)

حافظ ہیثمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

رواه الطبراني في الكبير من رواية سليمان بن أيوب الطلحي. قال فيه أبو زرعة: عامة أحاديثه لا يتابع عليها. وقال صاحب الميزان: صاحب مناكير وقد وثق.

''اس حدیث کو امام طبرانی نے سلیمان بن ایوب الطلحی کے طریق سے روایت کیا ہے جس کے بارے میں ابو زرعہ کہتے ہیں کہ ان کی احادیث میں عموماً متابعت نہیں ہوتی، اور صاحب میزان نے کہا کہ یہ صاحب مناکیر ہیں اور ان کی توثیق بھی کی گئی ہے''۔

(مجمع الزوائد ج٤ ص٣٠٥ رقم ٢٣٧٤)

یہ نماز ادا کرنے والے کم از کم تابعین تو تھے ہی، اور ممکن ہے ان میں صحابہ کرام علیہم الرضوان بھی موجود ہوں، ان حضرات نے حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حواری رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کہا ہے، کیا ان پر وہی فتویٰ لگائیں گے اور وہی الفاظ ان کے لیے استعمال کریں جو اوپر لکھ چکے ہیں؟

اور دیکھیں: حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ بن طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث نقل

کرتے ہیں: وہ کہتے ہیں:

أتيت أنا وأبي مجلس قوم، فأوسعوا له، فجعلوا ينادونه من هذا الجانب: ههنا يا صاحب رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم، ومن هذا الجانب: ههنا يا حواري رسول الله، وأوسعوا له صدر المجلس، فجلس في أدناه، وقال: إني سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم يقول: إن من التواضع الرضى بالدون من شرف المجلس

"میں اپنے والد (حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے ساتھ ایک قوم کی مجلس میں آیا تو انہوں نے ان کے لیے جگہ وسیع کی، مجلس کی ایک جانب سے لوگ ندا دینے لگے: اے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے صحابی اس طرف (تشریف لائیں)، دوسری جانب سے لوگ ندا کرنے لگے: اے رسول اللہ کے حواری اس طرف (تشریف لائیں)، ان لوگوں نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے مجلس کے صدر مقام میں جگہ وسیع کردی، لیکن آپ نیچے تشریف فرما ہوگئے اور فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے: تواضع میں سے یہ بھی ہے کہ بلند مقام کی جگہ نیچے کی جگہ پر راضی ہوا جائے"۔

اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: هذا حديث حسن غريب یہ حدیث حسن غریب ہے۔ (الأمالي المطلقة ص ۱۹۰ المجلس الثامن والتسعين)

اور سنیں حافظ ابن بطہ العکبری سند ضعیف کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں آپ فرماتے ہیں:

إن عثمان أحد الحواريين حواري رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم

"بیشک عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے حواریوں میں سے ایک ہیں"۔ (الإبانة الكبرى لابن بطة ج ۸ ص ۱۱۵ رقم ۱۴) (تاریخ دمشق ج ۳۹ ص ۱۷۸)

امید ہے بخوبی معلوم ہوگیا ہوگا کہ کون کس کی طرح ہے۔ جہالت و بغض صحابہ کہاں ہے اور علم و عشق و محبت کہاں ہے۔

اور پڑھیں علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

وعن قتادة إطلاق الحواری علی غیره رضی الله تعالی عنه أیضاً. فقد قال: إن الحواریین کلهم من قریش، أبو بکر، وعمر، وعلی، وحمزة، وجعفر، وأبو عبیدة بن الجراح، وعثمان بن مظعون، وعبد الرحمن بن عوف، وسعد بن أبی وقاص، وعثمان بن عفان، وطلحة بن عبید الله، والزبیر بن العوام رضی الله تعالی عنهم أجمعین

''حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حواری کا اطلاق حضرت سیدنا زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ دیگر پر بھی آیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ بیشک حواری تمام قریش سے ہیں (اور وہ یہ ہیں) حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت حمزہ، حضرت جعفر، حضرت ابو عبیدہ بن الجراح، حضرت عثمان بن مظعون، حضرت عبد الرحمن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت عثمان بن عفان، حضرت طلحہ بن عبید اللہ، حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین''۔ (روح المعاني ج ۲۸ ص ۹۱)

حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول کو امام مجتہد امام ابو طالب المکی، امام قرطبی، امام بغوی، حافظ سیوطی، حافظ عبد الرزاق رحمہم اللہ تعالیٰ اور دیگر مفسرین نے بھی ذکر کیا، البتہ امام ابو طالب المکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ قول امام معمر کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ (الهداية إلى بلوغ النهاية ج ۱۱ ص ۷۴۴۶)

جاہل کون؟

اب ہم ان تمام معتمد علمائے محققین کو تو جاہل کہنے سے رہے اس سے بہتر یہی ہے کہ اسے ہی جاہل کہہ دیا جائے جس کی منطق سے ان تمام حضرات کا جاہل ہونا لازم آرہا ہے۔

رہا حضرت سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا فرمان کہ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ کسی اور کا حواری رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نہ ہونا تو اگلی روایت میں انہوں نے خود واضح کیا ہے کہ انہوں نے اپنے علم کی نفی کی تھی، اور ان کا نہ جاننا یہ نہ ہونے کی دلیل نہیں، کما لا یخفی اسی طرح حضرت سیدنا زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ممکن ہے اس وقت توجہ نہ رہی ہو اس لیے اپنے علم کی نفی فرمائی۔

ہم تو پوری ہی حدیث مانتے ہیں اور آپ؟

اس حدیث میں جملہ آیا ہے: افضلهم علی یعنی ان میں افضل علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، ہم اس

سے پہلی والی حدیث کے تحت تفصیل سے بیان کر چکے ہیں کہ ایسے مواقع پر دیگر ادلہ کے سبب مستثنیات موجود ہوتے ہیں، یا من افضل کے قبیل سے ہوتے ہیں، یا کسی مخصوص فضیلت کے ساتھ خاص ہوتے ہیں، مولائے کائنات مولا مشکل کشا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جزوی فضیلت علی غیرہ کا کون منکر ہے، کثیر فضائل کے ساتھ آپ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ خاص ہیں، اس کا معنی بالکل واضح ہے، کہ خلفائے ثلاثہ کے بعد لوگوں میں سب سے افضل حضرت سیدنا علی المرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، لیکن ظہور احمد فیضی نے اس پر ہیڈنگ لگائی "حدیث کو آدھا ماننا ہے یا پورا" اور پھر اس کے تحت یہ لکھا "لہٰذا موصوف سے پوچھا جائے کہ جب ان کے نزدیک یہ حدیث قابل قبول ہے تو کیا وہ اس حدیث کی تصریح کے مطابق سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلفائے ثلاثہ سے افضل مانتے ہیں یا پھر ان کا ایمان فقط وصاحب سری معاویہ کے جملہ پر ہی ہے"۔

(ص ۱۱۶)

جواب تو ہم نے اوپر دے دیا کہ جزوی فضیلت کا انکار کوئی نہیں کرتا، لیکن موصوف کے اصول یہاں کیا ہیں اور دوسری کتابوں میں کیا ہیں وہ ملاحظہ فرمائیں، حضرت سیدۂ کائنات سیدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نکاح کے حوالے سے ایک حدیث جو امام عبد الرؤف المناوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ذکر کی اس روایت کو حافظ ابن جوزی حافظ ذہبی اور علامہ سیوطی رحمہم اللہ تعالیٰ نے موضوع قرار دیا، اور محمد بن دینار کو اس حدیث کا گھڑنے والا بتایا، موصوف کے بقول مصنف یعنی علامہ عبد الرؤف المناوی رحمہ اللہ تعالیٰ بھی بعض جملوں کے استثناء کے ساتھ ان سے متفق ہیں، چنانچہ موصوف نے اپنی کتاب مناقب زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں پہلے اس حدیث پر ہیڈنگ لگائی "صدق وکذب کا مجموعہ روایت"، پھر اس حدیث کے بعد لکھتے ہیں: ابن جوزی نے اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے اور امام ذہبی اور امام سیوطی نے ان کی تائید کی ہے اور بعض جملوں کے استثناء کے ساتھ مصنف رحمۃ اللہ علیہ بھی اس تحقیق سے متفق ہیں"۔

پھر آگے چل کر لکھتے ہیں: "جھوٹے کی ہر بات جھوٹ نہیں ہوتی بلکہ وہ اپنے جھوٹ میں کچھ سچ بھی ملاتا ہے۔ اس روایت میں کتنا سچ ہے اور کتنا جھوٹ اس کی توضیح میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں" پھر کیا صدق کیا کذب ہے اس کو بیان کیا۔ (مناقب الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا ص ۱۳۵۔۱۳۹)

اب بتائیں یہاں آپ کا اصول کہاں گیا، جب راوی کذاب تھا تو اس حدیث کو مطلق موضوع قرار دیتے، اگر دوسرے جملے ثابت بھی تھے تو دیگر روایات کی بنیاد پر ہوتے

لیکن یہ کون سا اصول ہے کہ ایک جگہ چند جملے تسلیم کر رہے ہیں اور چند کا انکار کر رہے ہیں، اور دوسری جگہ جملہ مؤول ہے جس کو تاویل کے ساتھ تسلیم بھی کیا جا سکتا ہے، اس کے سبب مکمل حدیث پر طعن کر رہے ہیں۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے باب میں یہ دہرا معیار کیوں؟

حافظ ابن حجر ہیتمی رحمہ اللہ تعالیٰ پر طعن

موصوف کی علم حدیث میں مسکینی مسلسل آپ کے سامنے ہے، چونکہ حافظ ابن حجر ہیتمی رحمہ اللہ تعالیٰ نے الصواعق المحرقہ میں تو اس حدیث کو نقل نہیں کیا تھا لیکن تطہیر اللسان میں یہ حدیث نقل کی ہے، ظاہر ہے حدیث میں سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت ہے تو کس میں جرأت ہے کہ موصوف کی موجودگی میں سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت بیان کرے، جو کرے گا وہ وکیل معاویہ کہلائے گا اور موصوف کے طعن و تشنیع کا شکار ہوگا۔ لہٰذا موصوف کے بقول فضائل معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی احادیث کو نقل کر کے ابن حجر ہیتمی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مقام و مرتبہ کو گرا دیا، پس ہمتی کا شکار ہوئے، بادشاہ کی فرمائش پر یہ کتاب لکھی لہٰذا اپنے مقام و مرتبہ سے نیچے آ کر کتاب لکھی، لاحول ولاقوۃ الا باللہ!

اس سے قبل موصوف حافظ ابن ابی الدنیا رحمہ اللہ تعالیٰ کو حلم معاویہ پر کتاب لکھنے کی وجہ سے اموی غلام لکھ چکے ہیں، امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کو شہرتِ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مجبور اور تکلف کرنے والا لکھ چکے ہیں، بڑے بڑے محدثین کو فضیلت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے دھوکہ کھانے والا کہہ چکے ہیں۔ بہرحال جو شخص حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اہمیت دینے کے لیے تیار نہیں اس کے نزدیک ان کی ائمہ کی کیا حیثیت ہوگی بخوبی جانا جا سکتا ہے۔

اوّلاً: یہ بتائیں: یہ کہاں کا اصول ہے کہ اگر ایک مصنف ایک حدیث کو اپنی ایک کتاب میں نقل نہیں کرتا اور دوسری کتاب میں نقل کرتا ہے تو یہ اس کی مجبوری ہے اور وہ جھوٹی باطل حدیث نقل کر رہا ہے؟

ثانیاً: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بغض میں جس طرح آپ خیانت پر خیانت کیے جا رہے ہیں، جس نے لکھا ہی نہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر جب مولائے کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ہو تو وہاں رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہ لکھا بولا جائے بلکہ اس کا رد کیا ہے، اس کی طرف آپ نے یہ بات منسوب کر دی، جگہ جگہ درمیان سے عبارات حذف کر دیں، جس بات کا اگلی عبارت میں رد تھا وہ مصنف کی طرف منسوب کر دی، یہ تمام باتیں ہم تفصیل سے بیان کرتے آ رہے ہیں، اور آگے اس سے بڑھ

کر آپ کے بارے میں انکشافات کریں گے، آپ بتائیں آپ کی کون سی مجبوری ہے؟

دوسری حدیث

مولائے کائنات حضرت سیدنا علی المرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقینا کئی فضائل کے ساتھ منفرد ہیں، آپ کی شان وعظمت کا احاطہ تو دور کی بات ہے اس کے بعض حصے کو بھی جیسا کرنا چاہیے ویسا بیان کرنا ہمارے لیے ممکن نہیں۔

لیکن مولائے کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل کو آڑ بنا کر دیگر صحابۂ کرام علیہم الرضوان کے فضائل کا انکار کرنا یہ اہل سنت کا طریقۂ کار نہیں ہے۔

حدیث مبارک انا مدینۃ العلم وعلی بابھا کے مختلف طرق والفاظ علما نے ذکر کیے ہیں، اس پر بھی مفتی حسان صاحب قبلہ نے تفصیل سے کلام کیا تھا ہم ان ہی کی تحقیق یہاں ذکر کر رہے ہیں۔

"بعض کتب میں یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ آئی ہے:

أنا مدينة العلم، وأبو بكر أساسها، وعمر حيطانها، وعثمان سقفها، وعلى بابها۔

"میں علم کا شہر ہوں، ابوبکر اس کی بنیاد، عمر دیواریں، عثمان چھت اور علی دروازہ ہیں"۔

ضعیف ہے، موضوع نہیں۔

حدیث مذکور یعنی أنا مدينة العلم وأبو بكر أساسها پر اجلہ محدثین نے فقط ضعیف ہونے کا حکم دیا ہے۔

حافظ ابن حجر ہیتمی مکی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ سے اس حدیث کے حوالے سے سوال ہوا تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ارشاد فرمایا: **رواه صاحب مسند الفردوس وتبعه ابنه بلا سند عن ابن مسعود رضی الله عنه مرفوعا وهو حديث ضعيف.** اس حدیث کو صاحب مسند الفردوس اور ان کے بیٹے نے ان کی تبعیت میں بلا سند حضرت سیدنا ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعا روایت کیا ہے، اور یہ حدیث ضعیف ہے۔ (الفتاویٰ الحدیثیہ ص ۱۹۲)

حافظ نجم الدین محمد بن محمد الغزی رحمہ اللہ تعالیٰ، التوفی ۱۰۶۱ھ اس مضمون کی دیگر احادیث اور مذکورہ حدیث دیلمی کے حوالے سے نقل کر کے فرماتے ہیں:

كلها ضعيفة واهية.

''یعنی یہ سب شدید ضعیف حدیثیں ہیں''۔

(اتقان ما یحسن من الأخبار الدائرۃ علی الألسن ص ۱۲۶)

اسی طرح علامہ شمس الدین سخاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ حدیث دیلمی کے حوالے سے ذکر کی ہے اور یہ ارشاد فرمایا کہ امام دیلمی اور ان کے بیٹے نے اس حدیث کو بلا سند روایت کیا ہے۔ نیز اس باب کی دیگر احادیث کو نقل کر کے ارشاد فرمایا:

وبالجملة فكلها ضعيفة وألفاظ أكثرها ركيكة وأحسنها حديث ابن عباس بل هو حسن خلاصہ یہ ہے کہ یہ تمام احادیث ضعیف اور ان کے الفاظ رکیک ہیں، اور ان میں سب سے راجح حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث ہے بلکہ وہ حسن حدیث ہے۔ (المقاصد الحسنۃ ص ۷۰)

علامہ محمد بن اسمعیل عجلونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مقاصد حسنہ کی عبارت نقل کر کے فرماتے ہیں:

وقال النجم: كلها ضعيفة واهية

''یعنی نجم الدین الغزي کہتے ہیں: یہ تمام ضعیف اور واہی ہیں''۔

(کشف الخفاء ج ۲ ص ۲۳۶ رقم ۶۱۸)

محدث احناف حضرت علامہ علی بن سلطان المعروف ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی مسند الفردوس کے حوالے سے اس حدیث کو مرقاۃ المفاتیح میں نقل فرما کر مقرر رکھا ہے۔ (مرقاۃ الفاتیح ج ۱۰ ص ۴۷۰)

حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کو تاریخ دمشق میں ذکر کیا ہے، اس کے راوی اسماعیل بن علی الواعظ پر سخت جروح موجود ہیں، لیکن خود اس کے حالات میں خاص اس حدیث کے بارے میں حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ تعالیٰ خطیب بغدادی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

ثم قال شيخي أبو الفرج الإسفرايني ثم وجدت هذا الحديث بعد مدة في جزء على ما ذكره ابن المثنى فالله أعلم

''یعنی میرے شیخ ابو الفرج الاسفرائینی کہتے ہیں: پھر میں نے اس حدیث کو ایک مدت کے بعد ایک جزء میں اس طرح پایا جیسا کہ ابن المثنی نے ذکر کیا ہے''۔ (تاریخ دمشق ج ۹ ص ۲۰)

یہ واضح بیان ہے کہ ابن المثنی واعظ نے اس مقام پر جھوٹ نہیں بولا، ابو الفرج الاسفرائینی کو یہ

حدیث ایک جز ء میں مل گئی۔

اس معنی کی ایک اور حدیث حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

عن أنس بن مالك قال قال رسول الله (صلى الله تعالى عليه وآله وسلم) أنا مدينة العلم وأبو بكر وعمر وعثمان سورها وعلي بابها فمن أراد العلم فليأت الباب

اسے روایت کرنے کے بعد ابن عساکر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: منكر جدا إسنادا ومتنا یعنی یہ حدیث سند اور متن کے اعتبار سے سخت منکر ہے۔ (تاریخ دمشق ج ۴۵ ص ۳۲۱)

اور اہل علم پر مخفی نہیں کہ حدیث منکر موضوع نہیں ہوا کرتی۔

ان اجلہ ائمہ کی تصریح سے یہ بات واضح ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے، موضوع ہرگز نہیں۔"

حاطب اللیل کون؟

موصوف نے اس مقام پر علامہ ڈاکٹر اشرف آصف جلالی صاحب کو نشانہ بنایا ہے، اور بلا سند دیلمی کی حدیث کو روایت کرنے پر ان کو حاطب اللیل کی طرح قرار دیا۔

موصوف ظہور احمد، شرح اسنی المطالب ص ۴۰۰ پر مولائے کائنات مولا مشکل کشا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں دو حدیث لے کر آئے اور ان کی اصل دیلمی ہی ہے، اس کو نقل کرنے کے بعد موصوف لکھتے ہیں: "اوپر کی دونوں حدیثوں کی سند میرے سامنے نہیں ہے، تاہم ان کا مضمون بالکل بے غبار ہے اور اس کی تائید حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس مشاہدہ سے ہوتی ہے"۔

سبحان اللہ! اگر چہ مجھے ان کی سند بھی معلوم ہے اور سند کی فنی حیثیت بھی معلوم ہے، لیکن سوال یہ کرنا تھا جب آپ کے پیش نظر سند ہی نہیں اور حدیث کا اصل ماخذ بھی دیلمی ہی ہے، تو پھر آپ کیسے اس حدیث کو نقل کر رہے ہیں؟ اپنے لیے قاعدہ اور ہے کیا؟

اسی طرح صفحہ ۴۸۴ پر دو حدیثیں ایک مرفوع ایک موقوف نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: اس کی اور اس سے پہلی حدیث کی سند میرے سامنے نہیں ہے، اس لیے فی الوقت میں سند کے بارے میں کچھ کہنے سے قاصر ہوں، البتہ ان دونوں حدیثوں کا متن قرآن کریم کی مذکورہ بالا آیات، احادیث صحیحہ، عقل سلیم اور امت کے تعامل کے عین مطابق ہے"۔

جب سند آپ کے سامنے مذکور نہیں تو پھر آپ حدیث کیوں نقل کر رہے ہیں؟ یہاں بیان کردہ اصول کے مطابق چاہیے تو یہ تھا اس کی تحقیق کرتے پھر اس حدیث کو نقل کرتے۔

لو آ گیا اپنے ہی دام میں صیاد۔

ظہور احمد فیضی نے کتاب کے شروع میں یہ اصول بیان کیا ہے کہ کام امیر و حاکم کی طرف منسوب ہوتا ہے، ماتحت تو کٹھ پتلی ہوتے ہیں، اسی لیے موصوف کتاب فیضان امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیر اہلسنت کی طرف منسوب کرتے رہے۔ اور امیر اہل سنت ہی کو مخاطب کرتے رہے، ہم نے کہا تھا کہ یہ اصول آپ کے اپنے گلے پڑنے والا ہے۔

موصوف کے اس قاعدے کے مطابق ان کی کتاب مفتی محمد خان قادری صاحب کی بنتی ہے، کیونکہ فیضی ان کے ادارے کے ہی نوکر ہیں، اور انہی کے ادارے میں یہ کتاب لکھی گئی ہے۔ لہذا فیضی ہی کے اصول کے مطابق مفتی محمد خان قادری صاحب نے اس کتاب میں تو اس حدیث کو موضوع کہنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے لیکن اپنی تصنیف شرح سلام رضا میں لکھتے ہیں: ''اہل دل کا اتفاق ہے کہ اس وقت تک کوئی شخص درجۂ ولایت پر فائز نہیں ہوسکتا جب تک حضرت علی اس کی سفارش نہ فرمائیں: یہی وجہ ہے دوسری حدیث میں آپ کو شہر علم کا دروازہ قرار دیا گیا ہے:

أنا مدينه العلم و أبو بكر أساسها و عمر حيطانها و عثمان سقفها و علي بابها.

(الصواعق) (شرح سلام رضا ص۔ ۵۳)

امید ہے اب جتنے الزامات موصوف نے علامہ ڈاکٹر اشرف آصف جلالی صاحب پر لگائے ہیں وہی حاطب اللیل وغیرہ کے القابات موصوف اپنے ادارے کے سربراہ کو بھی دیں گے، بلکہ خود صاحب کتاب پر یہ القابات منطبق ہوں گے۔

اہل سنت سے گزارش

مفتی حسان صاحب کی ایک تحریر ہمیں اس حوالے سے موصول ہوئی ہے وہ بھی ملاحظہ فرمائیں: ''یہ تو اصول کی روشنی میں گفتگو تھی، کیونکہ جس طرح حدیث کا گھڑنا حرام اور جہنم میں لے جانے والا کام ہے، اسی طرح دوسری جانب بھی احتیاط کا دامن تھامنا ضروری ہے کہ بلا تحقیق کسی حدیث کو موضوع نہ کہہ دیا جائے، اور یہ بھی گناہ ہے۔ ہم نے اس حدیث پر تحقیق محدثین کے بیان کردہ اصول کے تحت کی ہے اپنی طرف

سے کوئی بات بیان نہیں کی، لیکن میرا سنی بھائیوں کو مشورہ یہی ہے کہ جس طرح ان احادیث کو موضوع نہیں کہا جا سکتا، اس طرح اس درجے کی احادیث کو بیان کرنا بھی کوئی ضروری امر نہیں، جب اس باب میں ہمارے پاس دیگر احادیث موجود ہیں جن سے اثباتِ مدعیٰ ہو رہا ہے، تو پھر اس طرح کی روایات کو نقل کرنے کی حاجت نہیں، ہاں مقصود تحقیق ہے یا کسی نے موضوع کہا اس کا جواب مقصود ہے یا کسی کے پیش نظر کوئی اور حکمت ہے تو وہ جداگانہ بات ہے، علی العموم میری رائے یہ ہے کہ اس درجے کی احادیث کو بیان نہ کیا جائے تو بہتر ہے۔

فیس بکی محدثین جو بنیادی اعتبار سے سوفٹ ویئر مارکہ محدثین ہیں، اگر ان کے یہاں لائٹ نہ ہو یا سوفٹ ویئر خراب ہو جائے تو ان کی بھی لائٹ چلی جاتی ہے اور یہ بھی آف ہو جاتے ہیں، ان کا بلا دقت نظری اور وہ قواعد جو محدثین نے مقرر کیے ہیں ان کی پیروی کیے بغیر احادیث کا انکار کرنا یہ انتہاء درجے کا مضر ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کے ایمان وعقیدہ کی حفاظت فرمائے اور اس پر فتن پر آشوب دور میں امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمہ اللہ تعالیٰ کی تعلیمات جو یقیناً باطل کے آگے ڈھال کی حیثیت رکھتی ہیں اور قرآن وسنت اور ائمہ اہل سنت کی تعلیمات کا بہترین ترجمان ہیں کو مضبوطی سے تھامے رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔''

کان پر قلم رکھنے والی حدیث

امام ابو بکر بن الخلال السنہ میں روایت کرتے ہیں:

عن عائشة، قالت: أتيت رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم وهو في بيت أم حبيبة، وكان يومها من رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم فقال: ما جاء بك يا حميراء؟ قالت: قلت: حاجة بدت، قالت: ودق الباب معاوية، فقال: ائذنوا له، قالت: فدخل يمطط في مشيته، قالت: كأني برجليه ترفلان في الجنة، قالت: فجاء فجلس بين يدي رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم قال: ما هذا القلم على أذنك يا معاوية؟ قال: قلم أعددته لله ولرسوله، قال: أما إنه جزاك الله عن نبيه خيرا. فوالله ما استكتبتك إلا بوحي، وما أعمل من صغيرة ولا كبيرة إلا بوحي.

فكيف إذا قمصك الله قميصك، قالت: فوثبت أم حبيبة ترى الله تعالى مقمصا قميصا يا رسول الله؟ قال: نعم وفيه هناة وهناة. قالت: فادع الله لأخي يا رسول الله! قال: جنبك الله الردى وزودك التقوى وغفر لك في الآخرة والأولى.

''حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوئی اس وقت آپ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے دن بھی انہی کا تھا، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے حمیراء کس کام سے آئی ہو؟ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: میں نے عرض کی: یارسول اللہ مجھے کام تھا، فرماتی ہیں اتنے میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دروازے پر دستک دی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: انہیں اندر آنے کی اجازت دو، فرماتی ہیں: وہ آہستہ سے چلتے ہوئے حاضر ہوئے، فرماتی ہیں: حضرت معاویہ آئے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بیٹھ گئے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے معاویہ تم نے کان پر قلم کیوں رکھا ہوا ہے؟ انہوں نے عرض کی: میں اس قلم کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لیے تیار رکھتا ہوں، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے بہتر جزاء عطا فرمائے، اللہ تعالیٰ کی قسم میں تمہیں وحی لکھنے کے لیے طلب کروں گا اور میں چھوٹا بڑا ہر کام وحی کے ساتھ ہی کرتا ہوں، تم کیسا محسوس کروگے جب اللہ تعالیٰ تمہیں قمیص پہنائے گا، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اٹھیں، اور عرض کی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کیا فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ ان کو خلافت عطا فرمائے گا؟ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہاں اور اس میں بڑی بڑی آزمائشیں ہوں گی، حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کی: یا رسول اللہ، میرے بھائی کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کردیں۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دعا کی: اللہ تعالیٰ تجھ کو ہلاکت سے محفوظ رکھے، تقوی تیرا توشہ بنائے، اور دنیا اور آخرت میں تیری مغفرت عطا فرمائے''۔ (السنۃ ج ٢ ص ٤٥٧ رقم ٧١٠)

اس کے پہلے راوی ابوالحسن بنان بن یحیی بن زیاد المغازلی ہیں، جو عاصم بن علی، یحیی بن معین وغیرہ سے روایت کرتے ہیں، خطیب بغدادی اور حافظ ابن جوزی نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔
(تاریخ بغداد ج ۷ ص ۵۸۹ رقم ۳٤۹٤) (المنتظم ج ۱۲ ص ۱۹۲ رقم ۱٦۹۸)

دوسرے راوی حسین بن عبداللہ۔۔ ان کے حالات نہ مل سکے۔
تیسرے راوی: کثیر بن عبداللہ بن جعفر ابن اخی اسماعیل، ان کا صحیح نام عبداللہ بن کثیر بن جعفر ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

عبد اللہ بن کثیر بن جعفر بن أبی کثیر الأنصاری، ومن قال: کثیر بن عبد اللہ بن جعفر فقد وھم، مقبول

''عبداللہ بن کثیر بن جعفر بن ابی کثیر الانصاری ہے، جس نے ان کو کثیر بن عبداللہ بن جعفر کہا ہے اسے وہم واقع ہوا ہے، یہ مقبول راوی ہیں''۔
(تقریب التہذیب ص ۳۵۲ رقم ۳۵٤۸) (تہذیب التہذیب ج ٤ ص ٤٤۲ رقم ۳٦۳۹)

چوتھے راوی: ہشام بن عروہ: ثقہ امام فی الحدیث راوی ہیں۔ (الکاشف) ج ٤ ص ٤۲۷ رقم ۵۹۷۲)
پانچویں راوی: عروۃ بن زبیر ہیں یہ بھی ثقہ ثبت راوی ہیں۔ (الکاشف) ج ۳ ص ٤۰٦ رقم ۳۷۷۵)
حاصل یہ کہ سند میں معمولی ضعف ہے، اور وہ حسین بن عبداللہ کے سبب ہے کہ یہ راوی مجہول ہے۔

جلنے والے کا منہ کالا

موصوف لکھتے ہیں:

''فتح مکہ سے تقریباً اکیس برس تک قرآن مجید مسلسل نازل ہوتا رہا اور اس مکمل عرصہ میں متعدد حضرات یقینا کتابت وحی کرتے رہے، ممکن ہے کہ حسب عادت وہ بھی قلم کو اپنے کان پر رکھتے ہوں گے، لیکن ان میں سے کسی کو بھی ایسی دعا اور خوشنودی مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نصیب نہیں ہوئی جیسی کہ معاویہ کو نصیب ہوئی''۔ (الاحادیث الموضوعات ص ۱۲۷)

اس پر اوّلاً تو عرض ہے: مُوتُوا بِغَیْظِکُم اپنی جلن میں مرجاؤ۔
ثانیاً: یہ درِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا در ہے، وہ جس کو چاہیں جس طرح چاہیں نواز دیں، آپ اعتراض کرنے والے کون ہوتے ہیں؟

ثالثاً: آپ نے کیسے فیصلہ کیا کہ دیگر کاتبان وحی کو ایسی دعا اور خوشنودی مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حاصل نہیں، کیا عدم ذکر ذکر عدم کو مستلزم ہے؟

رابعاً: کیا دیگر کاتبین وحی کے لیے اس سے بڑھ کر فضیلتیں احادیث میں وارد نہیں ہوئی ہیں؟

خامساً: جب ایک فضیلت سند کے ساتھ ثابت ہے اگر چہ سند ضعیف ہے، لیکن ضعیف حدیث بالاتفاق باب فضیلت میں مقبول ہے، تو پھر آپ اپنے باطل قیاس سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کا رد کرنے کی کس طرح جراءت کر رہے ہیں؟

بہر حال یہ آپ کا نصیب ہے کہ حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو ہمارے پیارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی ہیں ان کے حسد میں آپ کا یہ حال ہو گیا ہے کہ تحریف تو اپنی جگہ رہی حدیث کو رد کرنے سے بھی گریز نہیں کر رہے۔

اصولِ فیضی لیکن کہاں؟

محترم قارئین! اوپر سند کی تحقیق آپ ملاحظہ فرما چکے جس کے مطابق یہ حدیث فقط ضعیف ہے اور ایسی حدیث فضائل میں معتبر ہوتی ہے، یہی حدیث ایک اور سند سے امام طبرانی نے روایت کی ہے، جس میں راوی سری بن عاصم بن سہل ہے، جس پر حافظ ابن عدی نے سارق الحدیث کی، ابن خراش رافضی نے کذب کی، اور حافظ ابن حبان نے بھی سارق الحدیث ہونے کی جرح کی ہے۔

اگر چہ ہمارا مدعی اس سند کے بغیر ہی ثابت ہے، جیسا کہ اوپر حدیث کی تحقیق آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں، لیکن کچھ ظاہر کرنے کے لیے پہلے ہم آپ کے سامنے موصوف فیضی کے کچھ اصول جو انہوں اپنی دوسری کتابوں میں حدیث پر جرح کے حوالے سے ذکر کیے ہیں وہ ذکر کرتے ہیں، پھر اس کے بعد سری بن عاصم کا حال ان کے اصول کی روشنی میں بیان کرتے ہیں۔

موصوف اپنی کتاب شرح اسنی المطالب میں حدیث علی سید العرب کے بارے میں امام ذہبی کا قول لکھتے ہیں: میں خیال کرتا ہوں کہ اسی (عمر بن حسن) نے یہ حدیث گھڑی ہے اور دوسری سند کے بارے میں کہا ہے کہ اس کو ابن علوان نے وضع کیا (گھڑا) ہے، اور اسی حدیث کو عمر بن موسی الوجیہی نے از ابو الزبیر از جابر روایت کیا ہے اور عمر وضاع (حدیث گھڑنے والا) ہے۔ امام ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ کا میلان تو اس حدیث کے موضوع ہونے کی طرف ہے لیکن درست بات یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے موضوع نہیں،

(پھر کچھ کلام ذکر کرنے کے بعد اس حدیث کا معجم اوسط سے شاہد ذکر کرتے ہیں اور لکھتے ہیں): امام ذہبی کے نزدیک مذکورہ حدیث عمر بن حسن راسبی، ابن علوان اور عمر بن موسی الوجیہی کی وجہ سے موضوع ہے، اور اس سند میں یہ تینوں راوی نہیں ہیں، لہٰذا یہ حدیث موضوع نہیں ہے چنانچہ حافظ ہیثمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: اس حدیث کو امام طبرانی نے الاوسط میں روایت کیا ہے اور اس کی سند میں ایک شخص خاقان بن عبد اللہ بن اھتم ہے، امام ابو داود نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے"۔

پھر لکھتے ہیں: معلوم ہوا کہ سنداً اس حدیث کے موضوع ہونے پر محدثین متفق نہیں ہو سکے اور لگتا یہ ہے کہ مصنف امام شمس الدین الجزری المقری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی اس حدیث کے متعلق امام ذہبی کے قول کو لائق التفات نہیں سمجھا۔ (ص ۱۸۸ تا ۱۹۱)

اسی کتاب میں موصوف لکھتے ہیں: محدثین کرام فرماتے ہیں کہ جب ایک ہی حدیث کی سند میں کسی مقام پر کوئی دوسرا راوی آجائے تو اس حدیث کی اصل ضرور ہوتی ہے۔ (ص ۳۸۹۔۳۹۰)

مزید لکھتے ہیں: کبھی منکر حدیث بھی اپنے متابع کی بدولت حدیث حسن کے درجہ کو پہنچ جاتی ہے۔ (ص ۳۹۴)

مستدرک کی ایک حدیث پر موصوف نے اپنی کتاب شرح اسنی المطالب میں یوں کلام کیا ہے: خیال رہے کہ مستدرک میں اس حدیث کی سند میں ایک شخص اسحاق بن بشر الکاہلی ہے، جس پر بعض محدثین نے کذب اور وضع کی تہمت لگائی ہے، تاہم وہ ایسی بات نہیں لایا جو احادیث صحیحہ سے ثابت نہ ہو۔ (ص ۱۵۱)

اسی کتاب میں موصوف لکھتے ہیں: علمائے اصول حدیث کا قاعدہ ہے کہ کسی راوی کے متروک ہونے پر اگر سب متفق نہ ہوں تو اس سے حدیث لی جائے گی۔ (ص ۳۹۵)

اب ذرا ملاحظہ فرمالیں کہ کیا سری بن عاصم بن سہل کے ترک پر سب کا اتفاق ہے تو ایسا نہیں، امام دارقطنی نے اس پر فقط ضعیف کی جرح کی ہے۔ (الضعفاء والمتروکین ج۱ ص ۳۱۰ رقم ۱۱۵۹۱)

امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے فقط لا یحتج بہ کے الفاظ استعمال کیے ہیں، اس پر امام ابن الترکمانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

والسری هو ابن عاصم بن سهل، ألان البیهقی القول فیه، و کذبه ابن خراش، وقال ابن عدی: یسرق الحدیث سری

''یہ ابن عاصم بن سھل ہیں، امام بیہقی نے ان کے بارے میں نرمی اختیار کی ہے، اور ابن خراش نے ان کو جھوٹا کہا ہے، جبکہ ابن عدی کہتے ہیں کہ یہ حدیث کا سرقہ کرتا تھا''۔

(السنن الکبری مع الجوھر النقی ج ٦ ص ١٧٩ رقم ٣٧٧٥)

ایک حدیث جسے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے المطالب العالیہ میں موضوع قرار دیا، اس پر حافظ ابن عراق الکنانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

فکأن السری بن سھل سرقه من میسرة إلا أن ابن الجوزی أورد حدیثه هذا فی الواهیات، وأقره الذهبی فی تلخیصه، ولم یزد فی جرح السری علی قوله: ضعفه الدارقطنی، فکأن عنده لیس موضوعا والله تعالی أعلم

''گویا سری بن سہل نے میسرہ سے اس حدیث کا سرقہ کیا ہے، مگر ابن جوزی نے اس حدیث کو واھیات میں وارد کیا ہے، امام ذہبی نے بھی تلخیص میں اس کو مقرر رکھا ہے اور حافظ ابن جوزی کے قول: ''امام دارقطنی نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے'' سے زیادہ سری پر کوئی جرح نہیں کی، گویا کہ یہ حدیث موضوع نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم''۔ (تنزیہ الشریعة ج ٢ ص ١٦٠)

اسی طرح حافظ ہیثمی رحمہ اللہ تعالیٰ نے طبرانی کی مذکورہ حدیث جس میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت ہے اس میں یہ الفاظ ذکر کیے ہیں:

وفیه السری بن عاصم، وهو ضعیف۔ (مجمع الزوائد ج ١٩ ص ٢٩٧ رقم ١٥٨٨٩)

اب سوال یہ ہے کہ جب سری بن عاصم متفق علیہ متروک نہیں، اور آپ کے بیان کردہ اصول کے مطابق ان سے روایت لینا تو بالکل جائز ہے، پھر آپ کا اتنا اچھل کود کرنا کس وجہ سے؟ صرف اس لیے کہ یہاں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت بیان ہو رہی ہے؟

موصوف لکھتے ہیں: ''کتاب فیضان امیر معاویہ'' کا مؤلف کوئی عام شخص نہیں بلکہ چشم بددور امیر اہل سنت ہے، اگر امیر اہل سنت کی جگہ کوئی عالم ہوتا یا خودمختار عالم ہوتا تو وہ غور کرتا کہ جب امام طبرانی نے حدیث کے آخر میں اشارہ کر دیا تھا کہ تفرد بہ السری تو وہ اس حدیث کی تحقیق کرتا کہ آیا اس حدیث سے دلیل حاصل کرنا حلال بھی ہے یا نہیں، لیکن چونکہ یہ زحمت گوارا نہیں کی گئی اس سے معلوم ہوتا ہے یہ تالیف بعض امراء ہی کی ہے، کیونکہ تحقیق سے امراء ہی جی چراتے ہیں۔''

اقول وباللہ التوفیق! اوّلاً: موصوف نے ابتداء سے اس کتاب کو امیر اہل سنت کی طرف منسوب کیا ہے، اور اس پر دلیل یہ دی ہے کہ کارندے جو کام کرتے ہیں وہ امیر کی طرف ہی منسوب ہوتا ہے۔

موصوف اپنی کتاب شرح اسنی المطالب میں اپنے زعم میں امام شعرانی رحمہ اللہ تعالیٰ کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''کسی شخص کو یہ حق تو حاصل ہے کہ وہ کسی دوسرے شخص سے اختلاف کرے لیکن یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اس کی طرف وہ بات منسوب کرے جو اس نے لکھی یا کہی نہ ہو''۔ (ص ۶۰۳)

آپ کو یہ حق آپ کے ماموں ابن سبا نے دیا ہے کہ آپ اپنی مرضی سے کسی کی طرف صرف بات ہی نہیں پوری کتاب منسوب کر دیں؟

ثانیاً: تحقیق سے جی کس نے چرایا ہے یہ تو ہماری بیان کردہ تحقیق پڑھ کر ہر منصف مزاج اندازہ لگا لے گا کہ موصوف کو اتنی توفیق نہ ہوئی کہ اس حدیث کا دوسرا طریق دیکھ لیتے، جہاں تک جی چرانے کی بات ہے تو موصوف فیضی صاحب کا حال یہ ہے کہ فتاوی نذیریہ میں ''رضی اللہ تعالیٰ عنہ'' کہنے کا مسئلہ مولوی فصیح غازی کے حوالے سے لکھا ہوا ہے جس کا نذیر حسین دہلوی نے تفصیل سے رد کیا، لیکن موصوف نے خیانت کا ریکارڈ توڑتے ہوئے مولوی فصیح کا مؤقف نذیر حسین دہلوی کے متھے مونڈھ دیا، کیا ان کے یہاں خیانت کو تحقیق کہتے ہیں؟ حضرت وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے جن کا نام بھی وحشی تھا وہ صدقہ بن خالد کے شیخ تھے، ان کو حضرت وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بنا دیا، سبحان اللہ اس کو تحقیق کہتے ہیں،؟ محمد بن زیاد الہانی جس کا سن وفات ۱۴۰ ہجری کی حد ہے، اس کو سن چالیس ہجری میں اس کی پیدائش سے بھی پہلے مار دیا، (اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے) سبحان اللہ کیا تحقیق ہے!

ثالثاً: محقق صاحب آپ بھی ذرا مجمع الزوائد اٹھا کر دیکھ لیتے کہ حافظ ہیثمی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس پر کیا کلام کیا ہے، صرف ضعیف لکھا ہے، امام دارقطنی امام بیہقی نے ان کے بارے میں فقط ضعف کا قول کیا ہے، حافظ ابن عراق کے مطابق، ان کی حدیث ابن جوزی اور حافظ ذہبی کے نزدیک موضوع قرار نہ پائی، فرمائیں تحقیق سے جی کس نے چرایا؟

رابعاً: کسی اور کی تحقیق تو دیکھنا الگ بات ہے، محقق صاحب ذرا یہ بتائیں کہ آپ کے اپنے بیان کردہ اصول یہاں الٹے کیوں ہو گئے؟

خامساً: آخری بات ذرا اس پر تحقیق کر لیتے کہ یہ حدیث دوسری سند سے بھی مروی ہے، جس میں

اصلا سری بن عاصم ہے ہی نہیں، لیکن کیوں کرتے؟۔۔۔۔۔۔۔

شیر کا جنتی ہونے کی گواہی دینا

اللہ تعالیٰ کا یہ فضل وکرم ہوتا ہے کہ بسا اوقات بندے کے لیے وہ امور ظاہر فرماتا ہے کہ اس کے لیے نیک فالی اور بھلائی کا سبب ہوتے ہیں اس کے لیے بشارتیں ہوتی ہیں۔ ہمارے ائمہ نے خود اپنے حالات میں اپنے ساتھ پیش آنے والے ایسے امور تحدیث نعمت کے لیے بیان کیے ہیں، سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے بھی ایک بشارت اس طرح ظاہر ہوئی کہ حضرت سیدنا عوف بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے ایک شیر نے ان کے من جانب اللہ جنتی ہونے کی خبر دی، یہ روایت مع تحقیق سند ملاحظہ فرمائیں۔

حافظ ابوعرو بہ رحمہ اللہ تعالیٰ کتاب الطبقات میں روایت کرتے ہیں:

عن عوف بن مالك، أنه كان قائلا يوما في دار يحنا، وقال ابن حرب: في كنيسة يحنا -وهو يومئذ مسجد يصلى فيه- فتنبه عوف بن مالك من نومته، فإذا معه أسد في البيت يمشي نحوه، فوثب إلى سلاحه، فقال الأسد: مه، إنما أرسلت إليك برسالة لتبلغها، قال: ومن أرسلك؟ قال: الله عز وجل أرسلني لتعلم معاوية الرحال أنه من أهل الجنة. فقلت لمحمد بن زياد: من معاوية الرحال؟ قال: معاوية بن أبي سفيان

''حضرت عوف بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ ایک دن دار یحنا میں سوئے ہوئے تھے، ابن حرب کے الفاظ ہیں: کنیسہ یحنا میں سوئے تھے، (راوی کہتے ہیں اب وہ مسجد ہے) اچانک چونک کر جاگ اٹھے تو دیکھا اس مقام پر ایک شیر موجود تھا، جو ان کی طرف بڑھ رہا تھا، یہ تیزی سے اپنے ہتھیار کی طرف بڑھے، اس پر شیر نے کہا: رک جایئے، مجھے آپ کے پاس ایک پیغام دے کر بھیجا گیا ہے تاکہ آپ اسے پہنچا دیں، انہوں نے کہا: تمہیں کس نے بھیجا ہے؟ شیر نے کہا: مجھے اللہ عزوجل نے بھیجا ہے تاکہ تم جان لو کہ معاویہ الرحال جنتی ہیں، راوی کہتے ہیں: میں نے محمد بن زیاد سے پوچھا: معاویہ الرحال کون ہیں؟ کہا: حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما''۔ (المنتقی من الطبقات ص ۴۰)

اس کی سند کے پہلے راوی کثیر بن عبید الحذاء ہیں یہ ثقہ راوی ہیں، ابو حاتم رازی کہتے ہیں: ثقة. ثقہ ہیں، امام نسائی فرماتے ہیں: لا بأس به ان میں کوئی حرج نہیں، حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: قلت: وقال مسلمة بن قاسم في تاريخه: ثقة، و كذا قال أبو بكر بن أبي داود. ذكره ابن حبان في الثقات، وقال: وكان من خيار الناس. مسلمہ بن قاسم نے اپنی تاریخ میں ان کو ثقہ فرمایا ہے، اور اسی طرح ابوبکر بن ابو داود نے بھی فرمایا ہے، ان کو ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے۔ اور فرمایا کہ یہ بہترین لوگوں میں سے تھے۔ (الجرح والتعديل ج ٨ ص رقم ٨٦٣) (كتاب الثقات لابن حبان ج ٣ ص ٢٧ رقم ١٤٩٩٩) (تهذيب التهذيب ج ٦ ص ٥٦٠ رقم ٥٨٠٩)

تقریب التہذیب میں فرماتے ہیں: ثقة۔ (تقريب التهذيب ص ٤٩٠ رقم ٥٦١٨)

کثیر بن عبید نے یہ حدیث محمد بن حرب الخولانی اور بقیہ بن الولید سے روایت کی ہے، محمد بن حرب الخولانی ثقہ راوی ہیں البتہ بقیہ بن ولید مدلس ہیں اور تدلیس تسویہ کرتے ہیں ہیں اور یہاں تو یہ ویسے ہی عن سے روایت کر رہے ہیں، لیکن محمد بن حرب الخولانی پر ایسی کوئی جرح نہیں ہے۔

حافظ مروزی، امام احمد سے روایت کرتے ہیں آپ محمد بن حرب کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ان میں کوئی حرج نہیں، اور امام احمد نے ان کو بقیہ پر ترجیح دی ہے، عثمان الدارمی کہتے ہیں: میں نے ابن معین سے بقیہ کے بارے میں معلوم کیا تو فرمایا: وہ ثقہ ہیں، میں نے کہا: آپ کے نزدیک یہ زیادہ پسندیدہ ہیں یا محمد بن حرب تو فرمایا: محمد بن حرب تو ثقہ ثقہ ہیں (یعنی تکرار کے ساتھ لفظ ذکر کیا اور بقیہ پر ان کو مقدم فرمایا) امام نسائی، امام عجلی، محمد بن عوف، ابن حبان نے بھی ان کو ثقہ قرار دیا ہے، جبکہ ابو حاتم رازی نے ان کو صالح الحدیث قرار دیا ہے۔ (تاريخ عثمان بن سعيد الدارمي عن يحيیٰ بن معين ص ٧٩ - ٨٠ رقم ١٩٠-١٩١) (الجرح والتعديل ج ٧ ص رقم ١٢٩٩) (الثقات لابن حبان ج ٩ ص ٥٠ رقم ١٥١٢٦) (الثقات للعجلي ج ٢ ص ٢٣٤ رقم ١٥٨٥) (تهذيب التهذيب ج ٧ ص ١٠٠ رقم ٦٠١٨)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

محمد بن حرب الخولاني، الحمصي، الأبرش بالمعجمة، ثقة

(تقريب التهذيب ص ٥٠٣ رقم ٥٨٠٥)

بقیہ بن الولید کے بارے میں امام ذہبی فرماتے ہیں:

بقية بن الوليد أبو يحمد الكلاعي الميتمي الحافظ، عن بحير، ومحمد بن زياد الالهاني وأمم، وعنه ابن جريج، وشعبة، -وهما من شيوخه- و كثير بن عبيد، وأحمد بن الفرج الحجازي، وخلق، وثقه الجمهور فيما سمعه من الثقات، وقال النسائي: إذا قال: حدثنا وأخبرنا فهو ثقة

''بقیہ بن الولید حافظ یہ بحیر، محمد بن زیاد الالہانی اور ایک جماعت سے روایت کرتے ہیں، اور ان سے ابن جریج اور شعبہ روایت کرتے ہیں اور یہ دونوں ان کے شیوخ میں سے ہیں، کثیر بن عبید، احمد بن الفرج اور ایک جماعت نے ان سے روایت کیا ہے، جمہور نے ان کو اس حدیث میں ثقہ قرار دیا ہے جو انہوں نے ثقہ راویوں سے سنی ہے، اور امام نسائی فرماتے ہیں: جب یہ حدثنا اور اخبرنا کہیں تو یہ ثقہ ہیں''۔ (الکاشف ج ۲ ص ۱۷۰ رقم ۶۱۹)

البتہ ہمارا مستدل بقیہ نہیں بلکہ محمد بن حرب الخولانی ہیں جو ثقہ ثبت غیر مدلس راوی ہیں، بقیہ بن ولید مختلف فیہ ہونے کے ساتھ ساتھ تدلیس تسویہ بھی کرتے ہیں۔

یہ دونوں ابو بکر بن ابی مریم سے روایت کرتے ہیں: ابو بکر بن ابی مریم مختلط راوی ہیں اور انہی کے سبب یہ سند ضعیف قرار پاتی ہے۔

یہ محمد بن زیاد الہانی سے راویت کرتے ہیں، یہ ثقہ ثبت راوی ہیں۔ امام احمد فرماتے ہیں: یہ ثقہ ہیں، امام اسحاق بن راھویہ فرماتے ہیں: یہ ثقہ ہیں، امام ابو حاتم رازی فرماتے ہیں: ان میں کوئی حرج نہیں، امام ابو داود، امام ترمذی، امام نسائی، فرماتے ہیں یہ ثقہ ہیں، امام یحیی بن معین فرماتے ہیں: ثقہ مامون راوی ہیں، امام علی بن المدینی نے بھی ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔ (تاريخ عباس الدوري عن يحيى بن معين ج ٤ ص ٤٢٨ رقم ٥١٢٤) (الجرح والتعديل ج ٧ ص رقم ١٤٠٨) (مسند إسحاق بن راهويه ج ٢ ص ١٦٩ رقم ٦٧٠) (جامع الترمذي رقم ٢٧٠٩) (سؤالات أبي عبيد الأجري للامام أبي داود ص ٢٥٣ رقم ١٢٩٥) (تهذيب التهذيب ج ٧ ص ١٥٨ رقم ٦١١٠)

صرف امام ابن حبان نے تشدد برتتے ہوئے کہا کہ ان کی روایت اسی صورت میں معتبر ہے جب ان سے ثقات روایات کریں لیکن ائمہ کی تعدیل کے سامنے حافظ ابن حبان کی جرح کی کوئی حیثیت نہیں۔ (الثقات لابن حبان ج ٥ ص ٣٧٢ رقم ٥٢٥٩)

یہی حدیث امام بغوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی سند کے ساتھ معجم الصحابہ میں محمد بن حرب الابرشی کے

طریق سے روایت کی ہے، جبکہ طبرانی میں یہ واقعہ محمد بن حبیب الخولانی مجہول راوی کے طریق سے مروی ہے،

فیضان امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کتاب میں یہ واقعہ معجم اوسط اور معجم الصحابہ کے حوالے سے مذکور ہے، موصوف ظہور احمد فیضی نے معجم الصحابہ کی روایت کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے طبرانی کے راوی محمد بن حبیب الخولانی کے طریق پر کلام کیا ہے، حالانکہ جب یہ روایت محمد بن حرب الابرشی سے بھی منقول ہے تو محمد بن حبیب الخولانی صرف متابعت کا فائدہ دے گا، ابو بکر بن ابی مریم مختلط راوی ہے، لیکن اس سے زیادہ سے زیادہ سند کا ضعیف ہونا ثابت ہوتا ہے نہ کہ من گھڑت ہونا۔

محمد بن زیاد الالہانی پر نصب کی تہمت کا جواب

موصوف محمد بن زیاد الالہانی کے بارے میں لکھتے ہیں: ''یہ ناصبی (اہل بیت کا دشمن) تھا، چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

وقال الحاکم: اشتھر عنہ النصب کحریز بن عثمان

''امام حاکم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: حریز بن عثمان کی مانند اس کی ناصبیت مشہور ہے''۔

امام ذہبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے محمد بن زیاد الہانی حمصی کی ناصبیت کے بارے میں امام حاکم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اختلاف کیا ہے اور کہا ہے: میں اس کی کوئی برائی نہیں جانتا، ماسوا قولِ حاکم شیعی کے۔ انہوں نے کہا: امام بخاری نے اپنی صحیح میں محمد بن اور حریز بن عثمان سے روایت لی ہے، اور وہ دونوں ان لوگوں سے ہیں، جن کی ناصبیت (اہل بیت سے عداوت) مشہور ہے۔ میں (ذہبی) کہتا ہوں: میں محمد بن زیاد کی اس خرابی کو نہیں۔ (میزان الاعتدال ج ۶ ص ۱۵۳) میں (فیضی) کہتا ہوں: اس معاملہ میں امام ذہبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی بنسبت امام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول زیادہ وزنی ہے۔ (الاحادیث الموضوعات ص ۱۳۲)

میں کہتا ہوں: حاکم کی یہ جرح باطل ہے، اور یہ قول بھی باطل ہے کہ کیونکہ حاکم ان کے ناصبی ہونے کی شہرت کا دعوی کررہے ہیں جبکہ امام ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ اس کو انہیں پر مقصور کررہے ہیں، اگر ان کی ناصبیت حریز بن عثمان کی طرح مشہور تھی تو کوئی اور اسے کیوں روایت نہیں کرتا امام حاکم سے مقدم ائمہ امام احمد، امام یحییٰ بن معین، امام علی بن مدینی، امام اسحاق بن راھویہ وغیرہ ان کی توثیق کرتے ہیں اور کوئی ان کو ناصبی نہیں کہتا، صرف چوتھی صدی میں آکر امام حاکم پر یہ عقدہ کیسے کھل گیا۔ فتدبر!

موصوف نے یہ بیان کیا ہے کہ یہاں امام حاکم کی بات زیادہ وزنی ہے وجہ کی ہے لکھتے ہیں:

''کیونکہ یہ محمد بن زیاد الالہانی حمص کا باشندہ تھا اور اہل حمص سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بغض میں شامیوں سے بھی زیادہ سخت تھے۔ چنانچہ مشہور ماہر جغرافیات علامہ یاقوت حموی لکھتے ہیں: إن أشد الناس على علي رضي الله عنه بصفين مع معاوية كان أهل حمص وأكثرهم تحريضا عليه وجدا في حربه سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف لشکرِ معاویہ میں سب سے زیادہ سخت حمصی تھے۔ معاویہ نے انہیں سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف بہت زیادہ ابھارا تھا اور اپنی جنگ میں خوب استعمال کیا''۔ (الاحادیث الموضوعات ص ۱۳۲)

یہ عجیب قاعدہ ہے کہ جس کا تعلق حمص سے ہوگا اس پر ناصبیت کی جرح درست ہوگی، حالانکہ نہ جمیع اہل حمص ایسے تھے اور نہ ہی محمد بن زیاد کے بارے میں ناصبیت کا کوئی ثبوت، صرف بغض معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں کسی کو ناصبی بنا دینا خوف خدا سے عاری شخص کا ہی کام ہوسکتا ہے۔

پھر خیانت

موصوف نے یہاں بھی خیانت سے کام لیا ہے، اور یاقوت حموی کی عبارت ادھوری نقل کی ہے۔ مکمل عبارت یہ ہے:

إن أشد الناس على علي رضي الله عنه بصفين مع معاوية كان أهل حمص وأكثرهم تحريضا عليه وجدا في حربه فلما انقضت تلك الحروب ومضى ذلك الزمان صاروا من غلاة الشيعة حتى إن في أهلها كثيرا ممن رأى مذهب النصيرية وأصلهم الإمامية الذين يسبون السلف فقد التزموا الضلال أولا وأخيرا فليس لهم زمان كانوا فيه على الصواب. (معجم البلدان ج ۲ ص ۳۰٤)

''لوگوں میں سے حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف سب سے سخت، جنگ صفین میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ اہل حمص تھے، اور لوگوں میں سب سے زیادہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف یہی ابھارے گئے اور آپ کے خلاف جنگ میں شدت والے بھی یہی لوگ تھے، جب یہ جنگیں ختم ہوئیں اور یہ وقت گزر گیا تو یہ لوگ غالی شیعہ ہوگئے، حتی کہ ان کے بہت سے افراد نصیری مذہب کے معتقد تھے، اور ان کی اصل امامیہ ہے جو اسلاف کو برا بھلا کہتے ہیں، انہوں نے

اول آخر گمراہی کو لازم پکڑ لیا، ان کے لیے کوئی وقت ایسا نہیں جس میں یہ صواب پر ہوں"۔
موصوف نے یہاں بھی خیانت کی اور اپنے مطلب کی ابتدائی عبارت ''شدت والے یہی لوگ تھے'' تک نقل کر دی لیکن اگلا کلام چھوڑ دیا۔

دوسری بات جو عبارت موصوف نے نقل کی اس کا معنی یہ بنتا ہے:

''لوگوں میں سے حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف سب سے سخت، جنگ صفین میں اہل حمص تھے جو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تھے، اور لوگوں میں سب سے زیادہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف یہی ابھارے گئے اور آپ کے خلاف جنگ میں شدت والے بھی یہی لوگ تھے۔''

لیکن موصوف کا اصول ہے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عداوت میں سب حلال ہے، لہٰذا اہل حمص کو ابھارنے، بھڑکانے کو بھی اس عبارت میں آپ کی طرف منسوب کر دیا۔

بہر حال محمد بن زیاد الہانی کا وصال ۱۴۰ھ میں ہوا، اور جنگ صفین کو ہوئے سو سال سے زیادہ ہو چکے تھے، لہٰذا محمد بن زیاد تو اس دور کے ہیں بھی نہیں۔

اس کے بعد موصوف نے امام ذہبی کی عبارت نقل کی:

وكان أهل حمص ينتقصون عليا حتى نشأ فيهم إسماعيل بن عياش، فحدثهم بفضائل علي، فكفوا عن ذلك.

''اہل حمص سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تنقیص کرتے تھے، حتی کہ ان میں اسماعیل بن عیاش پیدا ہوئے، انہوں نے ان کو فضائل علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آگاہ فرمایا تو وہ اس سے باز آ گئے''۔ (الاحادیث الموضوعات ص ۱۳۲)

اوّلاً: تو اس عبارت میں یہ کہاں ہے کہ جمیع اہل حمص اسی طرح کیا کرتے تھے؟ اسی عبارت سے قبل امام ذہبی نے یہ عبارت نقل کی ہے: كان أهل مصر ينتقصون عثمان، حتى نشأ فيهم الليث، فحدثهم بفضائله فكفوا. اہل مصر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تنقیص کرتے تھے یہاں تک کہ ان میں لیث بن سعد پیدا ہوئے، انہوں نے اہل مصر کو حضرت عثمان کے فضائل بیان کیے تو وہ تنقیص سے باز آ گئے۔

(سیر أعلام النبلاء ج ۸ ص ۱٤۸) (تاریخ الاسلام ج ٤ ص ۷۱۰)

لہٰذا موصوف کے اس قاعدے کے مطابق اہل مصر رافضی کہلائیں گے اور ان کی کوئی بھی حدیث فضائل اہل بیت میں معتبر نہیں ہوگی،

هل يقول أحد بذلك؟ نعم! لا يبعد عن الفيضي أن يقول به بسبب بغض سيدنا معاوية رضي الله تعالى عنه

ثالثاً: محمد بن زیاد الہانی سے اسماعیل بن عیاش روایت کرتے ہیں، تو اگر بالفرض تسلیم کر بھی لیا جائے کہ ان میں ناصبیت تھی تو وہ اسماعیل بن عیاش کی مساعی جمیلہ سے باقی نہ رہی، لیکن یہاں تو ان کی ناصبیت پر اصلا کوئی ثبوت نہیں۔

سنیوں کو ناصبی قرار دینے کی تحریک

موصوف کا اصول جو ان کی کتاب سے ظاہر ہے وہ یہ ہے ''جو بھی فضیلت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرے گا ہم اس کو ناصبی ثابت کر کے دم لیں گے، چاہے اس کے لیے خیانت سے ہی کام لینا پڑے''۔

ملاحظہ فرمائیں محمد بن زیاد کو ناصبی ثابت کرنے کے لیے کس طرح دھوکہ دہی سے کام لیتے ہیں: سیر اعلام النبلاء کے حوالے سے لکھتے ہیں: ''امام ذہبی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس کی موت کے بارے میں لکھا ہے: توفي في نحو الاربعين یہ ۴۰ھ کے قریب مرا تھا''۔

اقول وباللہ التوفیق! ذرا تعصب کی عینک ہٹا کر دیکھیں، امام ذہبی تاریخ الاسلام میں محمد بن زیاد الہانی کے بارے میں لکھتے ہیں: وبقي إلى حدود الأربعين ومائة ایک سو چالیس ہجری کی حد تک یہ حیات تھے۔ (تاریخ الاسلام ج ۳ ص ۷۲۷ رقم ۲۵۱)

ان کا سن وفات ایک ۱۴۰ھ ہے، ان سے روایت کرنے والے، اسماعیل بن عیاش، بقیہ بن ولید، وغیرہ وہ ہیں جن کی ولادت ہی سن ۱۰۰ھ کے بعد ہوئی، اگر محمد بن زیاد کی وفات سن ۴۰ھ میں ہوتی تو کیا ان حضرات نے عالم رؤیا میں بطریق منام ان سے روایت کر لیا، اور جن صحابۂ کرام علیہم الرضوان سے یہ روایت کر رہے ہیں، جیسے حضرت ابو امامہ باہلی، رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ ان کا سن وصال ہی ۸۰ھ ہجری کے بعد ہے۔

امام ذہبی، حافظ ابن حجر رحمہما اللہ تعالیٰ وغیرہ عموما مائۃ ومائتین ذکر نہیں کرتے صرف سن ذکر کر دیتے

ہیں، یعنی سال بتا دیتے، صدی کا ذکر چھوڑ دیتے ہیں کیونکہ یہ بات واضح ہوتی ہے، اور ان کتب کا مطالعہ کرنے والے اس بات کو بخوبی جانتے ہیں، موصوف فیضی جس کتاب یعنی سیر اعلام النبلاء سے ان کا سن وفات نقل کر رہے ہیں وہاں ان سے روایت کرنے والوں میں اسماعیل بن عیاش کا نام بھی مذکور ہے، جن کا سن وفات خود موصوف فیضی نے سن ۱۸۱ھ لکھا ہے، لیکن یہاں عوام الناس کو دھوکہ دینے کے لیے محمد بن زیاد کا سن وفات فقط ۴۰ھ لکھ دیا، تاکہ ان کو جنگ صفین سے قریب ترین دور کا بیان کیا جاسکے اور اپنا مزعومہ اصول ان پر فٹ کیا جاسکے۔

ایک اور خیانت

موصوف لکھتے ہیں: جنگ صفین ۳۷ھ میں ہوئی اور آپ ابھی ابھی پڑھ چکے ہیں کہ اس جنگ میں جو لوگ سب سے بڑھ کر سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف تھے وہ اہل حمص تھے لہٰذا چالیس ہجری میں مرنے والا یہ شخص محمد بن زیاد الالہانی اس جنگ میں شریک ہوا ہو یا نہ ہوا ہو، کم ازکم اس تفصیل سے اس حد تک امام حاکم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی بات وزنی معلوم ہوتی ہے کہ اوائل دور میں شام کے شہر حمص میں رہ کر اس کا ناصبیت کے اثرات سے محفوظ رہنا بعید ہے۔ اس کو یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ جس طرح امیر اہل سنت کے زیر سایہ رہ کر فیضان امیر معاویہ سے محروم رہنا بعید ہے اسی طرح شام کے شہر حمص میں رہ کر ناصبیت کے اثرات سے محفوظ رہنا بعید تھا۔ جنگِ صفین میں جو لوگ حمایت معاویہ میں شریکِ جنگ ہوئے تھے انہیں نواصب کہا گیا ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی خوارج اور نواصب کے فرق میں امام رافعی سے اختلاف کرتے ہوئے لکھتے ہیں: وإنما هو وصف النواصب أتباع معاوية بصفين نواصب ان لوگوں کا وصف ہے جنہوں نے صفین میں معاویہ کی پیروی کی۔'' (الاحادیث الموضوعات ص ۱۳۳)

بتوفيق الله أقول وبحوله أصول! مولوی ظہور احمد فیضی نے دنیا بھر کے لوگوں کو اپنی طرح عالم غفلت میں سمجھا ہوا ہے، مولوی صاحب آپ کی خیانت اور جہالت کا پول تو ہم نے اوپر کھول دیا ہے، کہ محمد بن زیاد جس سے روایت کرنے والے والے سن ۱۰۰ ہجری کے بعد پیدا ہوئے ان کو آپ نے چالیس میں مار دیا، جبکہ امام ذہبی اس کے سن ۱۴۰ھ کے قریب انتقال کو لکھ رہے ہیں۔

اب یہاں موصوف کی جہالت یا خیانت ملاحظہ فرمائیں کس طرح وہ صحابہ کرام علیہم الرضوان جو جنگ صفین میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تھے جن حضرت سیدنا مولا مشکل کشا کرم اللہ

تعالیٰ وجہہ کے بھائی حضرت سیدنا عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے، ان تمام کو ناصبی بنادیا اور بلا سمجھے اس کو حافظ ابن حجر پر تھوپ دیا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی فتح الباری کی مکمل عبارت ملاحظہ فرمائیں آپ کیا فرما رہے ہیں:

قال: هم فرقة من المبتدعة خرجوا على علي حيث اعتقدوا أنه يعرف قتلة عثمان ويقدر عليهم، ولا يقتص منهم لرضاه بقتله ومواطأته إياهم. ويعتقدون أن من أتى كبيرة فقد كفر واستحق الخلود في النار، ويطعنون لذلك في الأئمة انتهى. وليس الوصف الأول في كلامه وصف الخوارج المبتدعة، وانما هو وصف النواصب أتباع معاوية بصفين، وأما الخوارج فمن معتقدهم تكفير عثمان، وأنه قتل بحق، ولم يزالوا مع علي حتى وقع التحكيم بصفين فأنكروا التحكيم، وخرجوا على علي وكفروه

''امام رافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا: خوارج ایک بدعتی فرقہ ہے، جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر خروج کیا، اور ان کا یہ اعتقاد ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قاتلین عثمان کو جانتے اور ان پر قدرت کے باوجود ان سے اس لیے انتقام نہیں لے رہے کہ آپ (معاذ اللہ) حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل کیے جانے پر راضی اور قاتلین کی موافقت کرنے والے تھے، اور وہ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ جو بھی کبیرہ گناہ کرے گا وہ کافر ہے، ہمیشہ جہنم میں رہے گا، اسی وجہ سے وہ ائمہ پر طعن کرتے ہیں، اس پر حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ پہلا وصف (یعنی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قاتلین عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قصاص نہ لینے والا اور ان کا شہادت پر راضی ہونا) یہ خوارج کا نہیں بلکہ نواصب کا وصف ہے جنہوں نے صفین کی جنگ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیروی کی خوارج تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تکفیر کرتے اور آپ کے قتل کو حق سمجھتے تھے، یہ ہمیشہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ رہے یہاں تک صفین میں تحکیم کا معاملہ پیش آیا تو انہوں نے تحکیم کا انکار کیا، اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر خروج کیا اور ان کی تکفیر کی''۔ (فتح الباري ج ١٣ ص ٦٠٩-٦١٠) (باب قراءة الفاجر والمنافق وأصواتهم وتلاوتهم لاتجاوز حناجرهم)

اس کا معنی بالکل واضح ہے کہ نواصب کے گروہ نے صفین میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لشکر میں شرکت کی، اور موصوف فیضی نے پورے لشکر کو ہی ناصبی بنادیا جس میں صحابہ کرام علیہم الرضوان بھی موجود تھے۔ موصوف ترجمہ کرتے ہیں: نواصب ان لوگوں کا وصف ہے جنہوں نے صفین میں معاویہ کی پیروی کی''، حالانکہ یہاں لوگوں کا وصف نہیں بلکہ نواصب کا وصف بیان ہورہا ہے جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتلِ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں راضی اور موافق مانتے تھے، یہ بات موصوف کی ذکر کردہ عبارت سے بھی واضح ہے اور ماقبل عبارت ذکر کرنے سے تو مفہوم میں کوئی شبہہ نہیں، لیکن موصوف نے ماقبل عبارت حذف کردی تاکہ کسی طرح لوگوں کو دھوکہ دے سکیں۔ اور ناصبیوں کی تعداد میں اضافہ کرسکیں، محترم قارئین آپ نے ان کی خیانت بھی ملاحظہ فرمائی اور ناصبیت کا الزام لگانے کی تحریک بھی ملاحظہ فرمائی، لہٰذا اب انہی کے الفاظ میں یوں کہہ سکتے ہیں'' اس کو یوں سمجھا جاسکتا ہے، جس طرح فیضی اور ان کے متبوعین کے زیرِ سایہ تفسیقِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اثرات سے محفوظ رہنا بعید ہے، جس کے مظاہر ہم موصوف کے تبعین میں فیس بک پر دیکھتے رہتے ہیں، اسی طرح موصوف کے ہوتے ہوئے ہر اس شخص کا جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت بیان کرے ناصبیت کے الزام سے بچنا بعید ہے، یونہی موصوف کے تبعین کا خیانت سے بچنا بعید تر ہے، کیونکہ بغیر خیانت کے یہ اپنا مؤقف تو ثابت کر ہی نہیں سکتے۔

ہم غلامان امام احمد رضا جن کی روز کی دعا ہی یہ ہے کہ دو جہاں میں خادم آل رسول اللہ کر، حضرت آل رسول مقتدا کے واسطے، ہم اہل السنہ جو اس امام احمد رضا کو ماننے والے ہیں جس نے ایک غریب سید زادے کے قدموں میں اپنا عمامہ رکھ دیا ان کو پالکی کو اپنے کندھوں پر اٹھایا، جس نے محبت اہل بیت کے جام ہم اہل سنت کو پلائے، ہمیں فیضان امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بالکل قبول ہے، کیونکہ وہ ہمارے آقا ہمارے مولا سیدنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے، وہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی احادیث کو ہم تک پہنچانے والے ہیں، یہ ان کا فیضان ہے، وہ اسلام کے خیر خواہ تھے، اسلام کی خدمت کرنے والے تھے، یہ ان کا فیضان ہے۔

ہاں! آپ کو عظمت صحابہ میں تنقیص کرنا نصیب ہوئی یہ آپ ہی کو نصیب ہو، آپ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے صحابی کی شان میں تنقیص کے لیے خیانت پر خیانت کرتے جارہے ہیں یہ آپ ہی کو نصیب ہو۔

حدیث: اللّٰھم اجعلہ ھادیا مھدیا

نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے جو دعائیں فرمائیں ان میں سے مشہور و معروف دعا وہ ہے جو ایک حدیث حسن میں وارد ہے: اللّٰھم اجعلہ ھادیا مھدیا اے اللہ اس کو ہدایت دینے والا اور ہدایت یافتہ بنا۔

یہ حدیث امام احمد نے مسند میں، امام ترمذی نے جامع میں، ابن ابی عاصم نے الآحاد والمثانی میں، امام آجری نے الشریعہ میں، امام طبرانی نے معجم اوسط اور مسند الشامیین میں، امام ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء میں، امام بغوی نے معجم الصحابہ میں، ابن اخی میمی الدقاق نے اپنے فوائد میں، امام ابو بکر الخلال نے السنہ میں، خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں، ابن قانع نے معجم الصحابہ میں، امام ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں، امام ابو القاسم نے الحجہ فی بیان المحجۃ میں اپنی اپنی اسانید کے ساتھ حضرت سیدنا عبد الرحمن بن ابی عمیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے۔ (مسند الامام أحمد ج ١٣ ص ٥٣٩ رقم ١٧٨٢١) (جامع الترمذي ج ٥ ص ٥٠١ رقم ٣٨٤٢) (المعجم الأوسط ج ١ ص ٢٠٤ رقم ٦٥٥) (مسند الشاميين ج ١ ص ١٩٠ رقم ٣٣٤) (الشريعة ج ٥ ص ٢٤٣٦ رقم ١٩١٥) (السنة ج ٢ ص ٤٥١ رقم ٦٩٩) (الآحاد والمثاني ج ٢ ص ٣٥٨ رقم ١١٢٩) (فوائد ابن أخي ميمي الدقاق ص ٢١١ رقم ٤٥٢) (معجم الصحابة للبغوي ج ٤ ص ٤٩٠ رقم ١٩٤٨) (الحجة في بيان المحجة ج ٢ ص ٤٠٤ رقم ٣٧٩) (معجم الصحابة لابن قانع ج ٩ ص ٢٤٤٣ ترجمة عبد الرحمن بن أبي عميرة الأزدي رضي الله تعالىٰ عنه) (حلية الأولياء ج ٨ ص ٤٠١ رقم ١٢٦٧٢) ((تاريخ بغداد ج ١ ص ٥٧٤ رقم ١٣٢)) (تاريخ دمشق ج ٥٩ ص ٨١)

حکم الحدیث

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کو حسن غریب کہا ہے۔

امام نووی نے تہذیب الاسماء واللغات میں، حافظ جمال الدین المزی نے تہذیب الکمال میں، امام ذہبی نے سیر اعلام النبلاء میں، ابن کثیر نے جامع المسانید والسنن میں، حافظ زین الدین العراقی نے طرح التثریب میں، صلاح الدین خلیل بن ایبک صفدی نے الوافی بالوفیات میں، حافظ جلال الدین سیوطی نے تاریخ الخلفاء اور جامع الاحادیث میں، علامہ فاسی نے العقد الثمین میں، حافظ ابن حجر ہیتمی نے الصواعق المحرقہ میں، علامہ عبد العزیز پرھاروی نے الناہیہ میں، اور علامہ حیات سندھی نے احادیث فضائل معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحسین کو ذکر کیا اور برقرار رکھا ہے۔ رحمہم اللہ تعالیٰ

اجمعین۔ (تہذیب الأسماء واللغات ج ۲ ص ۲۲۰ رقم ۵۹۱) (تہذیب الکمال ج ۱۷ ص ۳۲۱ رقم ۳۹۲۱) (سیر أعلام النبلاء ج ۳ ص ۱۲۵) (جامع المسانید والسنن ج ۵ ص ۵۳۶ رقم ۶۹۸۶) (طرح التقریب ج ۱ ص ۱۱٤) (الوافی بالوفیات ج ۱۸ ص ۱۲٤) (العقد الثمین فی تاریخ البلد الامین ج ٦ ص ۹۲) (تاریخ الخلفاء ص ۱٤٦) (الناهیة عن طعن أمیر المؤمنین معاویة رضی اللہ تعالی عنہ ص ۱۰۷) (رسالة فی أحادیث فضل معاویة رضی اللہ تعالیٰ عنہ ص ۲ ق)

امام اہلسنت اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے تعلیقات العلل المتناهیة میں اور علامہ مفتی محمد ارشاد حسین رامپوری نے فتاوی ارشادیہ میں اس حدیث کو حسن کہا ہے۔

(التعلیقات علی العلل المتناهیة ص ۸ ق) ((فتاویٰ ارشادیہ ص ۲۰۱)

علامہ طیبی رحمہ اللہ تعالیٰ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ولا ارتیاب أن دعاء النبی صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم مستجاب، فمن کان حالہ هذا کیف یرتاب فی حقہ

''نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دعا کے قبول ہونے میں کوئی شک نہیں، تو جس کا یہ مقام ہو اس کے بارے میں کیسے شک کیا جاسکتا ہے''۔ (الکاشف عن حقائق السنن ج ۱۲ ص ۳۹٤۸)

حضرت علامہ علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی مرقاۃ میں علامہ طیبی کے حوالے سے اسی طرح لکھا ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح ج ۱۲ ص ٤۰۲۲)

اس حدیث کی تخریج بھی آپ نے ملاحظہ فرمالی اور اس حدیث کو کن ائمہ نے حسن کہا ہے یہ بھی ملاحظہ فرمالیا، نیز شارحین کے قول کو بھی دیکھ لیا۔ جس سے اس حدیث کے حسن ہونے کے بارے میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔

حضرت سیدنا عبدالرحمن بن ابی عمیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت سیدنا عبدالرحمن بن ابی عمیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جمہور محدثین کے نزدیک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، جن میں سے بعض کے نام یہ ہیں: امام دحیم، سلیمان بن عبدالحمید البھرانی، امام احمد، امام بقی بن مخلد، امام بخاری، امام ابن سعد، ابن ابی حاتم رازی، ابن السکن، امام ترمذی، امام ابن عساکر، عبدالغنی المقدسی امام نووی، امام مزی، امام ذہبی، علامہ فاسی، امام خزرجی، ابوالحسن بن سمیع، یعقوب الفسوی، ابن ابی خیثمہ، ابن ابی عاصم، ابوالقاسم البغوی، ابن قانع، ابن حبان، ابن مندہ، ابونعیم، خطیب بغدادی وغیرہ

نے آپ کو صحابہ کے طبقہ میں ذکر کیا ہے۔ (مقدمة مسند بقي بن مخلد صفحه ۱۰۷ رقم ۳۰۰) (مسند الامام أحمد ج ۱۳ ص ۵۳۹) (الطبقات الكبرىٰ ج ۷ ص ٤١٧) (الجرح والتعديل ج ٥ رقم ١٢٩٦ و ج ٨ رقم ٢٤٨) (التاريخ الكبير ج ۷ رقم ١٤٠٤) (جامع الترمذي ج ٥ ص ٥٠١ رقم ٣٨٤٢) (تاريخ دمشق ج ٣٥ ص ٢٢٩ رقم ٣٩٠٣) (تهذيب الكمال ج ١٧ ص ٣٢١ رقم ٣٩٢١) (خلاصة تذهيب تهذيب الكمال ج ٢ ص ١٧٩ رقم ٤٢٠٧) (الآحاد والمثاني ج ٢ ص ٣٥٨) (الثقات لابن حبان ج ٣ ص ٣٥٢ رقم ٨٢٦) (المعرفة والتاريخ ج ١ ص ٢٨٧) (معجم الصحابة لابن قانع ج ٩ ص ٣٤٤٣) (التاريخ الكبير لابن أبي خيثمة ج ١ ص ١٤٠ رقم ٤٤١) (معجم الصحابة للبغوي ج ٤ ص ٤٨٩ رقم ١٩٤٦) (تهذيب الأسماء واللغات ج ٢ ص ٢١٩ رقم ٥٩١) (الإنابة إلى معرفة المختلف فيهم من الصحابة ج ٢ ص ٢٤ رقم ٦٦٨)

ان تمام ائمہ کے نزدیک یہ صحابی ہیں، البتہ حافظ ابن عبد البر نے الاستیعاب میں اور انہیں کی پیروی کرتے ہوئے امام ابن الاثیر اسد الغابہ میں ان کے صحابی ہونے میں اختلاف ذکر کیا ہے۔

(الاستيعاب في معرفة الاصحاب ج ٢ ص ٨٤٣ رقم ١٤٤٥) (أسد الغابة ج ٣ ص ٣٧٥ رقم ٣٣٦٢)

اوّلاً: اگر بندہ منصف مزاج ہو، تعصب سے خالی ہو تو وہ بخوبی جان سکتا ہے، کہ ان اجلہ ائمہ کے مقابل تنہا حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ تعالیٰ کی رائے وہ بھی بلا دلیل کیسے قبول ہوگی، جبکہ جمہور کے پاس دلیل بھی موجود ہے کہ خود ان کی طرف سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سننے کی صراحت موجود ہے۔

ثانیاً: محدثین نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ تعالیٰ سے الاستیعاب میں کئی مقامات پر وہم واقع ہوا ہے، جس پر تنبیہ کے لیے حافظ محمد بن خلف المعروف ابن فتحون الاندلسی المتوفی ۵۲۰ھ نے ذیل لکھا، انہیں میں سے ایک مقام یہی ہے جہاں حافظ ابن فتحون رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی تنبیہ کی ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی حافظ ابن عبد البر کے اس قول پر تعجب کا اظہار کیا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ الاصابہ میں مذکورہ حدیث اور دیگر احادیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

وهذه الأحاديث وإن كان لا يخلو إسناد منها من مقال فمجموعها يثبت لعبد الرحمن الصحبة. فعجب من قول ابن عبد البر: حديثه منقطع الإسناد مرسل، لا تثبت أحاديثه، ولا تصحّ صحبته

''ان احادیث میں سے کوئی بھی اگرچہ کلام سے خالی نہیں، لیکن ان کا مجموعہ حضرت عبد الرحمن کے لیے صحبت کو ثابت کرتا ہے، تو ابن عبد البر کے اس قول ''ان کی حدیث منقطع الاسناد مرسل ہے، ان کی احادیث ثابت نہیں اور نہ کی صحبت صحیح ثابت ہے'' پر تعجب ہے''۔

مزید لکھتے ہیں:

وتعقبه ابن فتحون، وقال: لا أدري ما هذا

''حافظ ابن فتحون نے اس قول پر تعقب کیا ہے اور کہا ہے: میں نہیں جانتا کہ ابن عبد البر کا یہ قول کیا ہے؟''

خود حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب خود عبد الرحمن بن ابی عمیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سماعت کی تصریح کی ہے تو فما الّذی یصحّح الصحبة زائدا علی هذا؟ اس سے بڑھ کر کون سی بات ان کے صحابی ہونے کو ثابت کرے گی؟ (الاصابة في تمييز الصحابة ج ٤ ص ٢٨٧-٢٨٩ رقم ٥١٩٣)

لہٰذا ابن عبد البر رحمۃ اللہ تعالیٰ کا یہ قول لائق اعتبار ہی نہیں، بعد کے بعض محدثین نے صحابی ہونے میں اختلاف ذکر کیا ہے تو وہ حافظ ابن عبد البر کے قول ہی کی وجہ سے لکھا ہے، لیکن اکثر نے اپنا مؤقف صحابی ہونا ہی بیان کیا ہے۔

آج تک کسی محدث نے اس حدیث کو موضوع نہیں کہا لیکن عصر حاضر کے متحدث جن کی خیانتوں کی تفصیل مسلسل پڑھتے آرہے ہیں، اس حدیث پر بے سروپا اعتراض کر کے اس کو موضوع قرار دینے کی ناکام کوشش کی ہے۔

موصوف لکھتے ہیں:

''اس حدیث کا مرکزی راوی جس کے صحابی ہونے کا دعوی کیا گیا ہے اس کے بارے میں ابن ابی حاتم لکھتے ہیں: وإنما هو ابن أبي عميرة ولم يسمعه من النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم هذا الحديث وہ ابن ابی عمیرہ ہے اس نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے یہ حدیث نہیں سنی۔'' (الاحادیث الموضوعات ص ١٧٧)

أقول وباللہ التوفیق! اوّلاً: تو یہ بتائیں کہ یہ دعوی کرنے والے والا کون ہے؟ امیر اہل سنت اور علامہ ڈاکٹر جلالی صاحب اطال اللہ عمرھما نے یہ دعوی کیا ہے یا حافظ ابن عبد البر کے علاوہ جمہور محدثین نے

اس کا دعوی بالدلیل کیا ہے؟

ثانیاً: معلوم ہوتا ہے صاحب الموضوعات آگے پیچھے دیکھے بغیر ہی لکھتے ہیں، یہ قول ابن ابی حاتم رازی کا نہیں بلکہ ابو حاتم رازی کا ہے اس سے قبل خود ابن ابی حاتم رازی نے لکھا ہے: سمعت أبی۔

ثالثاً: ابو حاتم رازی خود ان کے صحابی ہونے کے قائل ہیں، جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے الاصابہ میں اس کی صراحت کی ہے اور ابن ابی حاتم رازی نے بھی الجرح والتعدیل میں اسے بیان کیا ہے۔

رابعاً: جب یہ صحابی ہیں اور خود سماعت کی صراحت کر رہے ہیں تو اب ابو حاتم رازی کے قول کی کیا حیثیت رہتی ہے؟

خامساً: جب یہ ابو حاتم رازی کے نزدیک صحابی ہیں اور علی سبیل التسلیم انہوں نے یہ حدیث براہ راست نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے نہیں سنی تو یہ حدیث مراسیل صحابہ سے ہوئی اور مراسیل صحابہ بالاتفاق مقبول ہے، ان کا نہ سننا اس کے موضوع ہونے کی دلیل کیسے بن گیا؟

موصوف لکھتے ہیں: ''حافظ ذہبی نے بھی ابن ابی عمیرہ کی صحابیت میں اختلاف کا قول نقل کیا ہے، اگرچہ انہوں نے یہ بھی کہا ہے ظاہر یہ ہے کہ وہ صحابی ہے''۔ (صفحہ ۱۷۷)

سوال یہ ہے کہ جب امام ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اظہر یہی فرمایا کہ یہ صحابی ہیں تو اب اس کو تسلیم کرنے سے کون سی بات مانع ہے، اور جو اختلاف ہے وہ بعض نے کیا ہے اور ماقبل میں واضح کیا جاچکا کہ ان بعض سے مراد حافظ ابن عبد البر ہیں۔

امام ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ تاریخ الاسلام میں لکھتے ہیں:

صحابی، له أحاديث، وقد سكن حمص وتاجر، روى عنه: خالد بن معدان، والقاسم أبو عبد الرحمن، وربيعة بن يزيد القصير، وبعضهم يقول: هو تابعي.

''صحابی ہیں، ان سے احادیث مروی ہیں، یہ حمص میں رہتے اور تجارت کیا کرتے تھے، ان سے خالد بن معدان اور قاسم ابو عبد الرحمن اور ربیعہ بن یزید القصیر نے روایت کیا ہے، اور بعض نے کہا ہے کہ یہ تابعی ہیں''۔

امام ذہبی ان کے صحابی ہونے ہی کے قائل ہیں انظر تذہیب ج ۶ ص ۳۰۳ رقم ۱۳۹۹۱ الکاشف ج ۲

ص ۲۷۳ رقم ۲۸۱۳ اسی طرح اپنی تصنیف التجرید میں بھی یہی ارشاد فرمایا کہ اصح یہ ہے کہ یہ صحابی ہیں۔

موصوف ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تقریب التہذیب کے حوالے سے لکھتے ہیں: مختلف فی صحبتہ ان کی صحابیت میں اختلاف کیا گیا ہے۔

لیکن یہ نہیں بتاتے کہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک راجح ان کا صحابی ہونا ہے جیسا کہ انہوں نے اصابہ میں ان کو صحابہ میں شمار کیا اور ابن عبد البر رحمہ اللہ تعالیٰ کے کلام پر تعجب کا اظہار کیا ہے۔

خیانت جو نہ کرے تو فیضی کیسے ہو؟

اس کے بعد انہوں نے حافظ ابن عبد البر ابن اثیر جزری اور حافظ ابن حجر رحمہم اللہ تعالیٰ کے حوالے سے لکھا ہے، نہ اس کا صحابی ہونا صحیح ہے اور نہ ہی یہ حدیث ثابت ہے۔

افسوس ہے ان پر جس تہذیب التہذیب کا یہ حوالہ دے رہے ہیں اس میں اوپر حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے: روی عن النبی صلی اللہ تعالی وآلہ وسلم۔

اور جس قول کو موصوف لکھ رہے ہیں وہ حافظ ابن حجر نے اپنا نہیں بلکہ حافظ ابن عبد البر کا قول کہہ کر نقل کیا ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی مکمل عبارت ملاحظہ فرمائیں:

وروی عن النبی صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم، وعنه جبیر بن نفیر، ویونس بن میسرة بن حلیبس، وربیعة بن یزید، وخالد بن معدان، والقاسم أبو عبد الرحمن، له عند الترمذی حدیث واحد فی ذکر معاویة. قلت: قال ابن عبد البر: لا تصح صحبته ولا یثبت إسناد حدیثه

یہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، اور ان سے جبیر بن نفیر، یونس بن میسرہ بن حلبیس، ربیعہ بن یزید، خالد بن معدان اور قاسم ابو عبد الرحمن سے روایت کیا ہے، امام ترمذی نے جامع میں ان کی حضرت معاویہ کے بارے میں ایک حدیث روایت کی ہے۔ میں کہتا ہوں: ابن عبد البر نے کہا ان کا صحابی ہونا صحیح نہیں اور نہ ان کی حدیث کی اسناد ثابت ہے۔

(تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۱۵۲ رقم ۴۰۸۲)

ہم اصابہ کے حوالے سے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مؤقف ذکر کر چکے ہیں۔

اس کے بعد موصوف لکھتے ہیں: ''حافظ مغلطائی حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے دوٹوک انداز میں لکھا ہے:
حدیثه مضطرب فیه لا یثبت صحبته اس کی حدیث میں اضطراب ہے، اس کی صحابیت ثابت نہیں۔
(الانابہ الی معرفۃ المختلف فیہم من الصحابہ ج ۲ ص ۴۲)

کیا مغالطہ آرائی کا نام تحقیق ہوتا ہے؟

حافظ مغلطائی نے کیا فقط اتنا لکھا تھا اور کیا یہ اپنا قول لکھا تھا؟ ہرگز نہیں حافظ مغلطائی نے یہ کلام ابن عبد البر کے حوالے سے نقل کیا اور پھر اس کے بعد لکھا ہے:

وذکرہ أبو نعیم فی جملة الصحابة، و کذلك ابن مندة، وابن قانع، وابن حبان، وأبو القاسم فی کتابه ((من نزل حمص من الصحابة)) وعزاه إلی سلیمان بن عبد الحمید البهرانی، ودحیم. وقال البرقی فی کتاب الصحابة: عبد الرحمن بن أبی عمیرة، جاء عنه حدیث، ذکر الولید بن مسلم، عن سعید بن عبد العزیز، عن یونس بن میسرة، عن عبد الرحمن بن أبی عمیرة، أنه سمع النبی صلی الله تعالی علیه وآله وسلم، وذکر معاویة، وذکرہ الصغانی فی جملة المختلف فیهم من الصحابة.

(الانابۃ إلی من معرفۃ المختلف فیہم من الصحابۃ ج ۲ ص ۲۴ رقم ۶۶۷)

کیوں جناب والا حافظ مغلطائی تو جمہور کے حوالے سے ان کا صحابی ہونا لکھ رہے ہیں، اور آپ ان کی ادھوری عبارت نقل کر کے دھوکہ دے رہے ہیں۔

محترم قارئین! آپ پڑھ چکے کہ یہ حدیث کن اجلہ ائمہ نے اپنی کتب میں ذکر کی، کن ائمہ نے اس کی تحسین فرمائی، شارحین حدیث نے اس کے تحت لکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اس دعا کی قبولیت میں کوئی شک نہیں، حضرت عبد الرحمن بن ابی عمیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جمہور ائمہ محدثین کے نزدیک صحابی ہیں، صرف ابن عبد البر رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان کے صحابی ہونے کا انکار کیا جس کو بعینہ ابن اثیر نے اسد الغابہ میں نقل کیا، اور ابن عبد البر رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کا رد حافظ ابن فتحون اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہما اللہ تعالیٰ نے کر دیا۔ لیکن برا ہو جب آنکھ پر تعصب کی پٹی بندھی ہو تو بندے کی مت ہی ماری جاتی ہے، اور تعصب بھی کس سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ایک صحابی سے، موصوف کسی کی بات ماننے کو تیار نہیں، اور صرف ابن عبد البر کے قول کو اتنے علما و محدثین بنا ڈالا حالانکہ جن کے حوالے سے

عمل کر رہے ہیں وہ ان کے صحابی ہونے کے قائل ہیں، موصوف کی یہ عبارت ملاحظہ فرمائیں: ''سو جب بڑے علماء ومحدثین نے عبد الرحمان ابن ابی عمیرہ کی صحابیت سے انکار کیا ہے اور امام ابن ابی حاتم نے دو ٹوک انداز میں کہا ہے کہ اس نے یہ حدیث سنی ہی نہیں تو پھر سنداً اس حدیث کے موضوع و باطل ہونے میں کیا شک رہ جاتا ہے؟ کیا سنن ترمذی میں آجانے کی وجہ سے اس حدیث کا ماننا لازم ہوگیا اور اس کی سند پر کلام ممنوع ہوگیا؟ (الاحادیث الموضوعات ص ۱۷۸)

محدثین پر کس نے اعتماد کیا؟

محدثین نے اس حدیث کے بارے میں کیا کہا ہے یہ تو ہم اوپر ذکر کر چکے اب موصوف کے ابتدائی کلمات یاد فرمائیں: ''محض کلام کے حسن کی طرف نہیں جانا چاہیئے بلکہ محدثین کرام کی تحقیق پر اعتماد کرنا کیونکہ لکل فن رجال (ہر فن کے لیے مخصوص لوگ ہوتے ہیں)''۔

ہم اوّلاً تو یہ سوال کرتے ہیں کہ محدثین تو اس کا حسن ہونا تسلیم کر رہے ہیں۔ آپ ان محدثین کی کیوں نہیں مان رہے؟

دوسری بات علی سبیل التسلیم اگر حضرت عبد الرحمن بن ابی عمیرہ صحابی نہ بھی ہوں یا صحابی ہوکر انہوں نے حدیث کو سنا نہ ہو تو اس حدیث کی عند المحدثین حیثیت کیا قرار پاتی ہے؟ کیا مرسل صحابی یا مرسل تابعی محدثین کے نزدیک موضوع ہوتی ہے؟

بغض وعداوت کی انتہاء

موصوف لکھتے ہیں: ''اس حدیث کے وضعی ہونے کے شواہد میں سے ایک اہم شاہد یہ بھی ہے کہ جس عبد الرحمان بن ابی عمیرہ کو صحابی بنا کر پیش کیا گیا ہے وہ نہ صرف شامی تھا بلکہ حمصی تھا، اور ہم اہلِ حمص کے حوالے سے لکھ چکے ہیں کہ وہ سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عداوت میں شامیوں سے بھی زیادہ سخت تھے، پہلے آپ اس بات کی پوری تفصیل ''محمد بن زیاد الالہانی کے متعلق عدمِ تدبر'' کے عنوان کے تحت ایک مرتبہ دوبارہ پڑھ کر پھر خود ہی سوچیے کہ آخر فضائل معاویہ کی احادیث فقط ایسے ہی لوگوں سے کیوں مروی ہیں؟ اگر آپ مختلف کڑیاں ملائیں اور پھر امام احمد بن حنبل کا وہ قول بھی شامل فرمائیں جس میں انہوں نے فرمایا کہ ''سیدنا علی علیہ السلام کثیر الاعداء تھے، ان کے دشمنوں کو جب ان کے عیبوں میں ناکامی ہوئی تو انہوں نے اس شخص کو چڑھانا شروع کردیا جو ان کے ساتھ لڑتا رہا'' تو آپ پر اس حدیث کی حقانیت کے دعوؤں

کی قلعی کھل جائے گی، اور آپ ماننے پر مجبور ہو جائیں گے کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس حدیث کو اپنی سنن میں درج کر کے دھوکہ کھایا ہے۔ اگر وہ اپنے استاد امام اسحاق بن راھویہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قول میں غور وخوض فرماتے تو اس دھوکہ سے محفوظ رہتے۔ (ص ۱۷۸۔۱۷۹)

اقول وباللہ التوفیق! کون ان کو صحابی بنا کر پیش کر رہا ہے یہ تو ہر منصف مزاج پڑھ کر جان لے گا کہ ان کو صحابی کہنے والے اجلہ ائمہ محدثین ہیں، اور انکار کس نے کیا اور کیوں کیا یہ بھی بخوبی واضح ہو چکا ہے۔

ثانیاً: حضرت سیدنا عبدالرحمن بن ابی عمیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اصلا شامی نہیں، بلکہ قبیلہ مزن سے تعلق رکھتے تھے اور ایک قول کے مطابق قرشی ہیں، یہ ان صحابہ کرام علیہم الرضوان میں سے تھے جو حمص میں آ کر رہے تھے اس لیے شامیوں میں شمار ہوتے تھے،

ثالثاً: اہل حمص کے حوالے سے آپ کی خیانت وجہالت کا پردہ ہم اسی مقام پر چاک کر چکے ہیں،

رابعاً: یہ اصول کس محدث نے بیان کیا ہے کہ حمصی جس پر ناصبیت کی تہمت نہ ہو اس کی حدیث حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل میں قبول ہی نہیں؟

خامساً: موصوف فیضی کے قول کا حاصل یہ ہوا کہ حضرت سیدنا عبدالرحمن بن ابی عمیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی حضرت سیدنا مولائے مولا مشکل کشا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دشمنوں میں سے تھے اور ناصبی تھے، محترم قارئین اس سے قبل موصوف کس کس کو ناصبی بنا چکے ہیں یہ تو آپ ملاحظہ کر چکے ہیں، اب اس صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی موصوف نے اپنے قیاس فاسد سے ناصبی بنا دیا، یاد کریں امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے استاذ اجل امام المحدثین علی بن مدینی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا تھا: من قال: فلان ناصبی علمنا أنه رافضی جب کوئی کہتا ہے: فلاں ناصبی ہے تو ہم جان لیتے ہیں کہ یہ رافضی ہے۔

(شرح اعتقاد أهل السنة ج ۱ ص ۱۶۶ رقم ۳۰۶)

سادساً: امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے دھوکہ کھایا تو اسی حدیث میں دھوکہ کھایا، اور خود دھوکہ نہیں کھایا بلکہ ان کے پیچھے، امام نووی، امام مزی، امام ذہبی، امام عراقی، امام سیوطی، امام ہیثمی، امام اہل سنت اعلیٰ حضرت، علامہ ارشاد حسین رامپوری رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ اجلہ ائمہ سب دھوکہ کھا گئے۔

سابعاً: ہم تفصیل کے ساتھ امام اسحاق بن راھویہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کی سندی حیثیت بھی بیان کر چکے ہیں اور اس کا معنی کیا ہے وہ بھی بیان کر چکے ہیں۔ اس سے تو واضح ہوا کہ اگر امام اسحاق بن راھویہ

رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ثابت بھی ہے تو اس کا معنی امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہی بنے گا کہ انہوں نے صحت کی نفی کی ہے نہ کہ حسن ہونے کی۔

بغض میں جو ہو کیا نہ کرے؟

موصوف بغض امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ایسے بدمست ہیں کہ سوچتے ہی نہیں کہ ان کے قلم سے کیا لکھا جا رہا ہے، اس حدیث کے موضوع قرار دینے کی ایک اور بودی دلیل دیتے ہوئے لکھتے ہیں: ''سنن الترمذی اور مصابیح السنۃ اور مشکاۃ المصابیح کے شارحین میں سے بعض نے اس حدیث کی شرح کی بعض نے اس کو اپنی شرح کے متن سے ہی اڑا دیا ہے اور یوں انہوں نے عملا اس پر عدم اعتماد کا اظہار کیا ہے، اور بعض نے اس کو باقی تو رکھا ہے لیکن اس کے معا بعد ہی امام اسحاق بن راھویہ اور دوسرے محدثین کا قول نقل کر کے قولا اس حدیث پر عدم اعتماد کا اظہار کیا ہے، چنانچہ امام سیوطی نے اس کو اپنی کتاب قوت المغتذی علی جامع الترمذی سے اڑا دیا ہے، امام بیضاوی نے اس کو مصابیح السنۃ کی شرح میں جگہ نہیں دی، امام مظہر الدین زیدانی متوفی ۷۲۷ھ نے بھی اس حدیث کو اپنی شرح نہیں لیا۔۔۔الخ''۔

موصوف کے کلام کا معنی یہ ہے کہ ان ائمہ نے خیانت کی کہ حدیث کو ہی اڑا دیا۔

ذرا قارئین کو بتائیں تو جامع ترمذی میں کتنی احادیث ہیں اور علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے قوت المغتذی میں کتنی احادیث کو لیا ہے؟

جامع الترمذی میں تقریبا چار ہزار احادیث ہیں اور علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ کی قوت المغتذی میں ۱۱۶۶ احادیث پر کلام ہے، حقیقت یہ ہے کہ یہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تعلیقات ہیں جو آپ نے جامع ترمذی پر لکھی ہیں اور تعلیق ہر حدیث پر نہیں لکھی جاتی بلکہ جہاں لکھنے والا ضرورت محسوس کرتا ہے مختصر تعلیق کرتا ہے۔

پھر دروغ گو را حافظہ نباشد کے مطابق موصوف خود بھول گئے کہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تو امام اسحاق بن راھویہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کے بعد تین اصح احادیث میں اس حدیث کو ذکر کیا ہے جسے ماقبل میں آپ خود نقل کر چکے ہیں۔

اور اس حدیث کو علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب جامع الاحادیث اور تاریخ الخلفاء میں لائے ہیں اور امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحسین کو ذکر کر کے برقرار رکھا ہے۔ اب بتائیں۔

یہی حال امام بیضاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحفۃ الابرار شرح مصابیح السنۃ کا ہے، انہوں نے مصابیح السنۃ کی ۴۹۵۰ احادیث میں سے فقط ۱۶۰۰ احادیث کی شرح کی ہے۔ باقی بقول موصوف اڑا دیں۔

اگر اعتناء کی بات کریں تو کثیر ائمہ مثلاً علامہ طیبی، علامہ جرجانی، امام زین العرب، امام مظہری، حافظ ابن حجر ہیتمی، علامہ علی قاری، مفتی احمد یار خان نعیمی رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کو اپنی شروح میں ذکر کیا ہے۔

شیخ محقق رحمہ اللہ تعالیٰ کا مؤقف

موصوف لکھتے ہیں:

''جبکہ شیخ عبد الحق محدث رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کی مختصر سی شرح کے بعد لکھا ہے: واعلم أن المحدثین قالوا: لم یصح فی فضائل معاویۃ حدیث کذا فی اسفر السعادۃ او کذا قال السیوطی جان لیجئے کہ محدثین کرام نے فرمایا ہے: فضائل معاویہ میں کوئی صحیح نہیں ہے، اسی طرح [سفر السعادۃ] میں ہے اور ایسا ہی امام سیوطی نے کہا ہے۔ (لمعات التنقیح شرح مشکاۃ المصابیح ج ۹ ص ۷۷۵)

سبحان اللہ! موصوف کی کوشش کی ویسے داد دینی چاہیے کہ جس طرح ممکن ہو کہیں سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی کی تنقیص کی کوئی صورت نکال لیں، یہاں لمعات التنقیح کا تذکرہ کیا ہے، جبکہ شیخ محقق رحمہ اللہ تعالیٰ نے اشعۃ اللمعات میں اس حدیث کے محمل کو واضح طور پر بیان کیا ہے اسے موصوف نے ذکر ہی نہیں کیا، شیخ محقق فرماتے ہیں: ''یہ بات پوشیدہ نہ رہے کہ ہدایت کا معنی راہ دکھانا ہے جو علم کی فرع ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے تمام صحابہ کرام دین کے احکام اور اوامر ونواہی کے عالم تھے، اگرچہ اس معاملہ میں ان کے درجات میں فرق ہے، حدیث میں ہے ''میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے جس کی تم پیروی کرو گے ہدایت پا جاؤ گے'' کا دارو مدار اسی پر ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا آپ ہر جگہ پر ہادی مہدی ہوں، ان کا یہ وصف یہ دیگر مقامات کے لیے ہوگا، اور یہاں حق آپ کے ہاتھ میں نہ رہا، اور آپ آزمائش وابتلاء میں واقع ہو کر اس موقع پر ہدایت کی راہ پر نہ رہے، اس کے علاوہ صاحب علم بھی ہیں اور صاحب ہدایت بھی جیسا کہ مخفی نہیں، برخلاف جانبین (نواصب وروافض) کے متعصبین کے۔ (اشعۃ اللمعات ج ۵ ص ۷۰۳)

یہاں شیخ محقق رحمہ اللہ تعالیٰ نے ساری بات واضح کردی، کہ یہ دعا مقبول ہے اور اس کا محمل ان

مقامات کے علاوہ ہے جہاں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جہاں خطا واقع ہوئی وہاں وہ حق پر نہیں، باقی اس کے علاوہ وہ صاحب علم بھی ہیں اور صاحب ہدایت بھی۔

پھر موصوف بھول گئے شیخ محقق شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو لایصح کا قول کیا ہے وہ کتب ضعفا اور موضوعات میں نہیں ہے وہ مشکاۃ المصابیح کی شرح میں کیا ہے اور موصوف اس بات کے قائل ہیں جب لایصح کتب موضوع وضعفا کے علاوہ ذکر کیا جائے تو اس سے حسن تک کی نفی لازم نہیں آتی اور پھر شیخ محقق اس کو علامہ سیوطی رحمہا اللہ تعالیٰ کے حوالے سے نقل کر رہے ہیں اور علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ اس حدیث کے حسن ہونے کے قائل ہیں۔

موصوف خود اس حدیث کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔

موصوف کی بہت سی عبارات ہمارے پیش نظر ہیں جو ان کے باطل نظریات کی خود تردید کرتی ہیں، یہاں ہم موضوع سے متعلق ایک مقام کے بعض اقتباسات ذکر کرتے ہیں موصوف شرح خصائص علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں لکھتے ہیں: ہر چند کہ امام ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے موافقین کے نزدیک یہ حدیث سنداً ثابت نہیں ہے، اور درایۃ اس پر مندرجہ بالا اشکالات بھی وارد ہوتے ہیں، تاہم امام ترمذی کا اس کو حسن غریب قرار دینا بھی قابلِ لحاظ ہے، سو اگر تحسینِ ترمذی کا لحاظ رکھا جائے تو پھر اس میں جس ہدایت اور ہادیت کی دعا ہے اس سے وہ اعلیٰ ہدایت مراد نہیں جس کا تصور عظمتِ زبانِ نبوت کے پیش نظر فوری طور پر ذہنوں میں پیدا ہوتا ہے، دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ اس سے ایسی ہدایت مراد نہیں جو سابقین اولین اور مقبول ترین صحابہ کرام علیہم الرضوان کے میں آئی تھی، اور بغیر کسی مخصوص دعا کے آئی تھی''۔

مزید لکھتے ہیں: حضرت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوسرے صحابہ کرام علیہم الرضوان اور صاحب تحفۃ الاحوذی وغیرہ کی اس سے کیا مراد ہے کہ وہ ہدایت پر نہیں تھے؟ اس سے ان کا یہ مطلب نہیں کہ حضرت معاویہ بالکل ضلالت مطلقہ پر تھے، بلکہ ان کا مقصد یہ ہے کہ وہ اعلیٰ اور کامل ہدایت سے دور تھے، اور انہیں ایسی ہدایت حاصل نہیں تھی جس کے باعث ان کے تمام اقدامات کو درست قرار دیا جا سکے، اس تصور کی کچھ توضیح علامہ محمد ادریس کاندھلوی نے اسی حدیث اللھم اجعلہ ھادیا مھدیا کے تحت یوں کی ہے: تمام صحابہ کرام نجومِ ہدایت ہیں لیکن ان کے مراتب میں فرق ہے، اور اس حدیث سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت معاویہ تمام امور میں ھادی اور مھدی ہوں، اور خطا سے مامون اور معصوم ہوں، اور فتنوں اور

آزمائشوں میں پڑنے سے محفوظ ہوں، یہاں تک کہ ہر معاملہ میں حق اس کے ہاتھ میں ہو اور ان کا مخالف باطل پر ہو، ایسا ہرگز نہیں، اور مقصود اس دعا سے یہ ہے کہ انہیں اس مقامِ ہدایت سے وافر حصہ ملا"۔

مزید لکھتے ہیں:

"ناصبی لوگ حضرتِ معاویہ کی فضیلت میں اتنا افراط سے کام لیتے ہیں کہ ایک طرف تو ان کی تمام لغزشوں اور خطاؤں کو خوبیاں بنا دیتے ہیں اور دوسری طرف ان کے فضائل ومناقب میں زمین وآسمان کے قلابے ملا دیتے ہیں اور رافضی لوگ ان کی تحقیر میں اس قدر تفریط سے کام لیتے ہیں کہ نہ صرف یہ کہ ان کی خوبیوں کا انکار کرتے ہیں، بلکہ معاذ اللہ ان کے اسلام کا بھی انکار کردیتے ہیں، جبکہ اس میں مسئلہ میں راہ اعتدال وہ ہے جس پر اہل سنت ہیں"۔

(شرح خصائص علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ص ۹۶۶۔۹۶۷)

اگرچہ ان عبارات میں بھی چند مؤاخذات ہیں لیکن ان عبارات میں موصوف اقرار کرچکے ہیں کہ امام ترمذی کی تحسین قابلِ لحاظ ہے، ہم کہتے ہیں کہ یہاں صرف امام ترمذی تنہا نہیں بلکہ کثیر ائمہ نے امام ترمذی کی اس حدیث کی تحسین میں اتباع کی ہے جیسا کہ گزر چکا ہے۔

دوسری بات: یہ دعا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں قبول ہوئی اور اس کا معنی یہی ہے کہ جہاں آزمائش میں واقع ہوئے جیسے مولائے کائنات مولا مشکل کشا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابل آنا اس طرح کے معاملہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خطا پر تھے، ائمہ کی تصریحات ہم ذکر کرچکے ہیں کہ یہ خطا، اجتہادی تھی۔

تیسری بات: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق راہ اعتدال وہی ہے جس پر اہل سنت ہیں، ہم نے امام اشعری، امام باقلانی، امام غزالی، حضور غوث پاک، قاضی عیاض مالکی، حافظ ابن ملقن، ملا علی قاری رحمھم اللہ تعالیٰ وغیرہ سے اہل سنت کا طریقہ کا مؤقف ذکر کردیا ہے اور ان شاء اللہ عزوجل قارئین کتاب "شرح حدیث سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ" میں کثیر نصوص ملاحظہ فرمائیں گے۔

لیکن موصوف نے جس طرح سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تحقیر کرنے کی کوششِ بد کی ہے اس سے واضح ہوگیا کہ موصوف خود راہ اعتدال یعنی طریقۂ اہل سنت پر نہیں ہیں۔

نفی صاحب کی خرمستیاں

موصوف لکھتے ہیں:

"جن لوگوں کے نزدیک یہ حدیث صحیح ہے یا حسن ہے، ان سے سوال ہے کہ اگر یہ حدیث نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہے تو لامحالہ حیاتِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں زبانِ اقدس سے صادر ہوئی ہوگی، اس وقت سے لے کر معاویہ کی موت تک تقریبا ۵۲ سال بنتے ہیں۔ کیا ان باون سالوں میں اس حدیث کی اطلاع خود اس شخص کو بھی ہوئی جس کی شان میں یہ صادر ہوئی؟ اگر وہ اس حدیث سے باخبر تھے تو اس پر دلیل چاہیئے اور اگر انہیں خبر نہیں ہوسکی تو پھر اس عدم اطلاع کی وجہ کیا ہے؟ نیز عموماً زبانِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے کسی کی برائی یا بھلائی میں جو الفاظ صادر ہوتے تھے ان کے پیچھے کوئی واقعہ اور وجہ ہوتی تھی جس کو محدثین کی اصطلاح میں ورودِ حدیث کہا جاتا ہے۔ کیا اس حدیث کی بھی کوئی شانِ ورود ہے؟" (الاحادیث الموضوعات ص ۱۸۰)

کیا خوب اعتراضات ہیں اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ابواب المناقب میں ہزاروں احادیث مختلف صحابۂ کرام علیہم الرضوان بالخصوص خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے حق میں وارد ہیں، ان تمام میں سے ہر وہ حدیث جس کے بارے میں معلوم نہ ہوسکے کہ اس کا سببِ ورود کیا ہے وہ موضوع، ہر وہ حدیث جس کی دلیل معلوم نہ ہوسکے کہ صاحبِ فضیلت کو یہ حدیث معلوم تھی یا نہیں تھی وہ حدیث رد کی جائے گی۔ کیا کوئی عاقل ایسی بات کہہ سکتا ہے؟

یہ بدحواسی ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بغض وعداوت کا نتیجہ ہے۔

جیسا منہ ویسی۔۔۔

سوال یہ ہے کہ اگر معلوم ہوجائے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ حدیث معلوم تھی تو اس سے حدیث پر سندا کیا اثر واقع ہوگا؟ اور اگر نہیں معلوم تھی تو حدیث کی سند پر کیا فرق پڑے گا؟

جن اجلہ ائمہ نے اس حدیث کو حسن کہا ہے، اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت میں اس حدیث کو ذکر کیا ہے، ان کو یہ اصول معلوم تھے یا نہیں؟ اگر ان کے نزدیک بھی یہ اصول تھے اور ضروری تھا کہ جس کی فضیلت بیان ہو اس کو یہ حدیث معلوم ہو تو کیا ان ائمہ کا اس حدیث کو حسن کہنا اس پر

دلالت کرے گا کہ حضرتِ معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ حدیث معلوم تھی؟

اور اگر ان کے نزدیک یہ اصول نہیں تھے تو پھر یہ اصول کس نے مقرر کیے ہیں؟ محدثین نے کیے ہیں؟ اگر آپ کہتے ہاں تو بتائیے یہ اصول کس کتاب میں مذکور ہیں؟ اگر محدثین نے نہیں کیے تو پھر آپ نے کہاں سے یہ اصول لیے؟ اگر آپ نے اپنی طرف سے یہ اصول وضع کیے ہیں تو اپنی حیثیت واضح کریں کہ ان ائمہ کبار کے مقابل آپ کی اوقات کیا ہے؟

بہر حال یہ سوالات بطور۔۔۔۔۔۔۔ کیے ہیں۔

قارئین! آپ ان کے الفاظ پر بھی غور فرماتے رہیں کہ کس قدر سوقیانہ انداز ہے''اس وقت سے لیکر معاویہ کی موت تک'' کیا یہ اپنے باپ کے لیے اس طرح کا انداز اختیار کرتے ہیں۔

حدیث پر درایتاً اعتراض

پھر موصوف نے اس پر کلام کیا کہ یہ حدیث درایتاً صحیح ہے یا نہیں، اور یہ بیان کیا کہ مستقبل کی جس بات کی خبر دی گئی ہو تو یہ دیکھا جائے گا کہ وہ مستقبل قریب کی بات ہے یا بعید کی؟ پھر اس کو پرکھنے کا دار ومدار فقط سند پر نہیں ہوگا بلکہ اس کے متن ومعنی کو بھی جانچا جائے گا۔ پھر اس کی مثال دیتے ہوئے لکھتے ہیں'': مثلاً ایک حدیث ہے: الدنیا سبعة آلاف سنة أنا فی آخرها ألفا. دنیا کی عمر سات ہزار سال ہے، میں اسی آخری ہزار سال میں ہوں، (الجامع الصغیر حدیث ۴۲۷۸) جب تک ہجری ماہ وسال کے لحاظ سے ایک ہزار سال پورے نہیں ہوئے تھے اس وقت تک اس حدیث کی سند پر بات ہوتی رہی اور بعض محدثین نے اس کو سنداً موضوع وباطل قرار بھی دیا تھا، لیکن جب ساتواں ہزار سال ختم ہوگیا تو اس کی پر کلام کرنے کی ضرورت نہیں رہی، اس کا متن ہی اس کے باطل ہونے کو عیاں کر رہا ہے۔'' (الاحادیث الموضوعات ص۱۸۱)

اقول وباللہ التوفیق حدیث پر درایتاً نقد کے اصول محدثین نے مقرر کر رکھے ہیں، فقط کسی کی خواہشِ نفس کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث کو رد نہیں کیا جائے گا۔ موصوف نے آگے جن واقعات کے ذریعے اس حدیث کو رد کرنے کی کوشش کی ہے ان میں سے بیشتر وہ ہیں جن کے جواب علمائے اہل سنت عرصہ دراز سے دے چکے ہیں، یہاں تو انہوں نے خیانت کی انتہاء کی ہے جو عنقریب ہم قارئین کے سامنے ظاہر کریں گے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ایک صحابی کے بغض میں ظہور فیضی نے حدیث میں تحریف کر ڈالی۔

موصوف کی فن حدیث میں حیثیت کیا ہے یہ تو پیچھے آپ ملاحظہ کر کے آ چکے ہیں، اور ان شاء اللہ عزوجل آگے بھی اس کا جلوہ دکھائیں گے، یہاں جو مثال موصوف نے درایتاً رد کے لیے دی ہے موصوف اسی میں غلطی کئے بیٹھے ہیں۔ اس حدیث کے حوالے سے امام المحدثین، امیر المؤمنین فی الحدیث اعلیٰ حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ تعالیٰ کی بیان کردہ تفصیل پیش خدمت ہے۔

ملفوظات میں ہے: حدیث میں ہے: ((دنیا کی عمر سات دن ہے، میں اس کے پچھلے دن میں مبعوث ہوا۔))

دوسری حدیث میں ہے: ((میں امید کرتا ہوں کہ میری اُمت کو خدائے تعالیٰ نصف دن اور عنایت فرمائے۔))

ان حدیثوں سے اُمت کی عمر پندرہ سو برس ثابت ہوئی۔

وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ. (پ ۱۷، الحج: ۴۷)

''تیرے رب کے یہاں ایک دن تمہاری گنتی کے ہزار برس کے برابر ہے''۔

اِن حدیثوں سے جو مستفاد (یعنی نتیجہ حاصل) ہوا وہ اس توقیت کے منافی (یعنی مخالف) نہیں جو اس علم سے میرے خیال میں آئی ہے کیوں کہ یہاں حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے اپنے ربّ عزّ جلالہ سے استدعا (یعنی دعا) ہے۔ آئندہ انعامِ الٰہی (عزوجل) وہ جس قدر زیادہ عمر عطا فرمائے جیسے جنگِ بدر میں حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) نے صحابہ کرام (علیہم الرضوان) کو تین ہزار فرشتے مدد کے لئے آنے کی اُمید دلائی۔

اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ

(پ ۴، اٰل عمرٰن: ۱۲۴)

''کیا تمہیں یہ کافی نہیں کہ تمہارا ربّ تین ہزار فرشتے اتار کر تمہاری مدد فرمائے''۔

اس پر حق سبحانہ تعالیٰ نے فرشتوں کا اضافہ فرمایا کہ:

اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ (پ ۴، اٰل عمرٰن: ۱۲۵)

''کیوں نہیں اگر تم صبر کرو اور تقویت پر رہو اور کافر ابھی کے ابھی تم پر آئیں تو تمہارا ربّ پانچ

ہزار نشان والے فرشتوں سے تمہاری مدد فرمائے گا''۔ (ملفوظات اعلیٰ حضرت ج ۵ ص ۷۵۳)

الحمد للہ عزوجل، حبیب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل ان کے ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں وارد حدیث کی حقانیت ہم نے واضح کردی ہے۔

اہل باطل سے سرقہ

موصوف نے اہل باطل کی کتابوں سے سرقہ کرکے یہاں کچھ اعتراضات کیے ہیں کہ جب سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ امور سرزد ہوئے تو وہ ہادی مھدی کیسے ہوسکتے ہیں، اگرچہ ان میں سے اکثر وہ ہیں جن کے جوابات ائمہ اہلسنت دلائل قاہرہ کے ساتھ دے چکے ہیں مثلاً استخلاف یزید پلید، قتل حجر بن عدی وغیرہ، ہم ان کے اعتراضات اور اس پر جوابات سلسلہ وار ذکر کریں گے، تاکہ قارئین کے سامنے واضح ہوجائے کہ موصوف، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بغض میں کہاں پہنچ چکے ہیں، جن معمولی باتوں سے موصوف فضائل سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں وارد احادیث کو موضوع کہنے پر پورا زور لگا چکے ہیں، اب مثالب کے اثبات کے لیے مجہول اور مدلس راوی تو دور کی بات ہے بلا سند بات بھی معتبر، بلکہ کذاب راویوں سے منقول واقعات بھی مقبول ومرغوب ہیں۔

سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محبت وعظمت

ایک دن حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس قریش کی معزز شخصیات جمع تھیں، اس موقع پر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے فرمایا: ماں باپ، چچا اور پھوپھی، خالہ اور خالو، دادا اور دادی کے اعتبار سے سب سے زیادہ معزز شخص کون ہے؟ حضرت سیدنا مالک بن عجلان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے اور حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جانب اشارہ کرکے عرض کی: یہ سب سے افضل ہیں، ان کے والد حضرت سیدنا علی المرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور والدہ حضرت سیدتنا فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ورضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں، ان کے نانا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور نانی حضرت سیدتنا خدیجۃ الکبری رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں، ان کے چچا حضرت سیدنا جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جو جنت میں پرواز کرتے ہیں، ان کی پھوپھی حضرت سیدتنا ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں اور ماموں اور خالائیں آل رسول سے ہیں۔'' تمام لوگ خاموش رہے، بنوسہم کا ایک شخص کھڑا ہوکر کہنے لگا: ''آپ کے کہنے پر ابن عجلان نے یہ گفتگو کی ہے۔'' حضرت سیدنا مالک بن عجلان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس شخص کو جواب دیتے ہوئے

کہا: میں نے وہ بات کہی ہے جو حق ہے، جو دنیا میں اللہ عزوجل کی نافرمانی کر کے مخلوق کی رضا چاہے گا وہ دنیا میں اپنی آرزو سے محروم رہے گا اور آخرت میں اس پر بدبختی کی مہر لگادی جائے گی۔ بنی ہاشم کی اصل تم میں سب سے زیادہ قابل فخر ہے اور ان میں سب سے زیادہ غیرت وحمیت پائی جاتی ہے۔" پھر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت سیّدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جانب متوجہ ہوئے اور عرض کی: کیا میں نے صحیح کہا ہے؟ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ہاں، اللہ عزوجل کی قسم! یہ سچ ہے۔"

(برکات آل رسول ص ۱۴۱ ملخصا)

جبکہ صاحبِ عقد الفرید کی بات کو تسلیم کیا جائے تو اس کے مطابق یہ فضیلت خود حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا: " آباء واجداد، چچا پھوپھی اور ماموں وخالو کے اعتبار سے لوگوں میں سب سے زیادہ معزز کون ہے؟" سب نے عرض کی: امیر المؤمنین زیادہ جانتے ہیں۔ حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دستِ مبارک تھاما اور ارشاد فرمایا: یہ ہیں، (کیونکہ) ان کے والد سیّدنا علی بن ابی طالب، والدہ سیّدہ فاطمہ، ان کے نانا اللہ عزوجل کے رسول، سیّدہ خدیجہ ان کی نانی جان، سیّدنا جعفر ان کے چچا ہیں، سیّدہ ہالہ بنت ابی طالب ان کی پھوپھی جان اور نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد ان کے ماموں اور خالائیں ہیں۔

(عقد الفرید تفضیل معاویۃ للحسن ج ۵ ص ۳۳۳)

جب امام حسن، امیر معاویہ کے پاس آتے تو امیر معاویہ انہیں اپنی جگہ بٹھاتے خود سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوتے، کسی نے پوچھا: " آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟" فرمایا کہ امام حسن ہم شکل مصطفےٰ ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس مشابہت کا احترام کرتا ہوں۔ (مراۃ المناجیح ج ۸ ص ۴۶۰)

ان تمام امور سے حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تعلقات اور محبت کس قدر تھی بالکل واضح ہے۔ آج کل کے بعض سفہاء کم عقل لوگ، صحابۂ کرام علیہم الرضوان کو اپنے اوپر قیاس کرتے ہوئے یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے آپس کے معاملات کی وجہ سے دلوں میں کدورت تھی یہ گندی سوچ چھوٹی ذہنیت کی وجہ سے ہی پیدا ہوتی ہے۔

صاحب الاحادیث الموضوعات ظہور فیضی نے سنن ابو داود کی ایک مجمل اور ضعیف روایت نقل کی جس سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ

تعالیٰ عنہ کے وصالِ باکمال سے خوشی ہوئی تھی، اس کے لیے موصوف نے بدمذہبوں سے مدد لینے میں بھی کوئی حرج نہیں سمجھا حالانکہ ائمہ اہلسنت کی طرف سے اس حدیث کی شرح موجود تھی جیسا کہ ہم عنقریب ذکر کریں گے۔

جس روایت کے ذریعے موصوف نے طعن کیا ہے وہ یہ ہے: ''حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عمرو بن اسود اور اہل قنسرین میں سے بنو اسد کا ایک شخص حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت مقدام بن معدیکرب سے کہا: کیا آپ کو علم ہے کہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما انتقال کر گئے ہیں؟ اس پر حضرت مقدام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا، کسی نے کہا: کیا آپ اس بات کو مصیبت سمجھتے ہیں؟ حضرت مقدام نے فرمایا: اور کیوں نہ میں اس کو مصیبت سمجھوں! میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ انہوں نے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے گود میں بٹھایا اور ارشاد فرمایا: یہ مجھ سے اور حسین علی سے ہیں، اس پر اسدی نے کہا: یہ ایک انگارہ تھا جسے اللہ عزوجل نے بجھا دیا اس پر حضرت مقدام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میں آج کے دن اس وقت نہ ہٹوں گا جب تک تمہیں غصہ نہ دلا دوں اور تمہیں وہ نہ سنا دوں جو تم ناپسند کرتے ہوں۔۔۔الخ۔

اوّلاً: یہ روایت سنداً ضعیف ہے اس میں راوی ہے بقیہ بن ولید، اگرچہ کثیر ائمہ نے ان کی تعدیل بھی کی ہے لیکن دیگر جروحات کے ساتھ ساتھ ان پر یہ جرح ہے کہ یہ تدلیس تسویہ کرتے ہیں، اور یہاں تو ویسے بھی یہ عن کے ساتھ روایت کررہے، تدلیسِ تسویہ میں تو ضروری ہوتا ہے کہ وہ تمام ہی سند میں سماعت کی صراحت کرے، کیونکہ تدلیس تسویہ میں راوی دو ثقہ راویوں کے درمیان ضعیف کو ساقط کرتا ہے، اس لیے معلوم نہیں ہوتا کہ اس نے کہاں راوی کو ساقط کیا ہے۔ لہٰذا مسند احمد کے بعض نسخوں میں تحدیث کی تصریح اصلا مفید نہیں۔

تدلیس تسویہ

حافظ عراقی رحمہ اللہ تعالیٰ شرح التبصرۃ والتذکرہ میں لکھتے ہیں:

وصورته أن يروي حديثا عن شيخ ثقة، وذلك الثقة يرويه عن ضعيف عن ثقة، فيأتي المدلس الذي سمع الحديث من الثقة الأول، فيسقط الذي في السند، ويجعل

الحدیث عن شیخه الثقة عن الثقة الثانی، بلفظ محتمل، فیستوی الإسناد، کله ثقات، وهذا شر أقسام التدلیس

''اس کی صورت یہ ہے کہ راوی کسی ثقہ شیخ سے روایت کرے، اور یہ ثقہ اس حدیث کو کسی ایسے ضعیف سے روایت کرے جو کسی ثقہ سے روایت کرتا ہے، اب مدلس جس نے اس کو پہلے ثقہ راوی سے سنا ہوتا ہے وہ (ضعیف) کو سند میں سے ساقط کر دیتا ہے، اور حدیث کو پہلے ثقہ راوی سے دوسرے ثقہ راوی سے محتمل لفظ کے ساتھ ملا دیتا ہے، اور سند کو برابر کر دیتا ہے جس سے تمام راوی ثقہ ہو جاتے ہیں۔ یہ تدلیس کی بدترین قسم ہے''۔

(شرح التبصرۃ والتذکرۃ ج۱ ص۲٤۲)

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وهو شر أقسامه؛ لأن الثقة الأول قد لا یکون معروفا بالتدلیس، ویجده الواقف علی السند کذلك بعد التسویة، قد رواه عن ثقة آخر فیحکم له بالصحة، وفیه غرور شدید، وممن اشتهر بفعل ذلك بقیة بن الولید

''یہ تدلیس کی بدترین قسم ہے اس لیے کہ پہلا ثقہ راوی کبھی تدلیس کے ساتھ معروف نہیں ہوتا، اور سند پر واقف ہونے والا تسویہ کے بعد سند اس طرح پاتا ہے کہ اس نے دوسرے ثقہ راوی سے روایت کیا ہوتا ہے تو وہ اس پر صحت کا حکم لگاتا ہے، اور اس میں شدید دھوکہ ہے، اس کام میں مشہور لوگوں میں سے بقیہ بن الولید ہیں''۔ (تدریب الراوی ج۳ ص۲٤۲)

حافظ ابن الملقن رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

قلت: قد صرح بقیة بالتحدیث، فقال: نا شعبة، لکن لا ینفعه ذلك فإنه معروف بتدلیس التسویة

''میں کہتا ہوں، بقیہ نے یہاں تحدیث کی صراحت کی ہے اور کہا ہے حدثنا شعبہ، لیکن یہ بات اس کے لیے نافع نہیں ہے، کیونکہ یہ تدلیس تسویہ کے ساتھ معروف ہے''۔

(البدر المنیر ج٥ ص۱۰۲)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وقد أمن تدليسه، لتصريحه فى هذا بالتحديث، لكن ينظر فى حديث بحير عن خالد، لأن بقية كان يُسّوى

''بقیہ نے یہاں تحدیث کی تصریح کر کے اپنی تدلیس سے مامون کردیا ہے، لیکن یہ دیکھا جائے گا کہ بحیر جو خالد سے روایت کررہے ہیں اس میں تحدیث کی تصریح ہے، کیونکہ بقیہ تدلیس تسویہ کرتے ہیں''۔ (اتحاف المہرۃ ج ۱۳ ص ۲۳۳ رقم ۱۶۶۳۰)

لہٰذا فیضی صاحب آپ کا سارا کیا دھرا ماء حمیم میں گیا۔

ثانیاً: خود اس کا متن بتارہا ہے کہ یہاں راوی سے خطا واقع ہوئی ہے، حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نعوذ باللہ انگارہ اسدی نے کہا، اور حضرت مقدام رضی اللہ تعالیٰ عنہ غصہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ہو گئے۔ اب اس پر فیضی کا یہ کہنا کہ چہرے کے تأثرات سے انہوں نے سمجھ لیا ہوگا، تو اس کے لیے امام زروق رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو پڑھیں: إنما ينشأ الظن الخبيث عن القلب الخبيث گندہ گمان گندے دل سے ہی پیدا ہوتا ہے۔ (فیض القدیر ج ۳ ص ۱۴۶ تحت حدیث إياكم والظن)

ثالثاً: اس روایت کو تسلیم کر بھی لیا جائے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ معلوم کرنا کہ کیا آپ اس کو مصیبت سمجھتے ہیں ہرگز اس لیے نہیں تھا جس کا نقشہ فیضی بدباطن نے کھینچا ہے بلکہ مقصد واضح ہے کہ جو لوگ امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عظمت کے قائل نہیں، انہیں ان کی عظمت صحابی رسول حضرت مقدام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذریعے معلوم ہو جائے۔

شیخ الاسلام حافظ ابن رسلان رحمہ اللہ تعالیٰ شرح سنن ابی داود میں حضرت مقدام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کے بعد لکھتے ہیں:

حين سمع ما قالوه فى ابن بنت رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم حين قيل مراعاة لمعاوية بن أبى سفيان لما توهموه منه من التشفى بقتله، وحاشى معاوية رضى الله تعالى عنه أن يكون فى قلبه بغضاء للحسن أو لأبيه على رضى الله تعالى عنهما. فإن الصحابة مبرؤون من ذلك لشهادته لهم بأنهم كالنجوم التى يهتدى بها ويستضاء بنورها، لا سيما وقد قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم لمعاوية: اللهم اجعله هاديا مهديا رواه الترمذى

''یہ اس لیے فرمایا کہ لوگ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں یہ وہم کر رہے تھے کہ آپ امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتقال سے خوش ہیں اسی کی رعایت کرتے ہوئے اسدی کی جو بات آپ نے حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں سنی تو یہ بات ارشاد فرمائی، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس سے بری ہیں کہ ان کے دل میں حضرت امام حسن یا آپ کے والد حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بغض ہو، کیونکہ صحابہ اس سے بری ہیں، خود نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان حضرات کے بارے میں گواہی دے ہے کہ یہ صحابہ ستاروں کی مانند ہیں جن کی پیروی کی جاتی اور ان سے نور حاصل کیا جاتا ہے، اور خاص طور پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے تو دعا بھی کی ہے: اے اللہ ان کو ہادی مھدی بنا''۔

(شرح ابن رسلان علی سنن أبي داود ج ١٦ ص ٤٢٢ - ٤٢٣)

اصول فیضی پر یہ روایت موضوع باطل ہے۔

موصوف فیضی مسلسل یہ اصول بیان کرتے آئے ہیں کہ شامیوں کی بالخصوص حمصیوں کی فضیلت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں مروی حدیث قبول نہیں، اس لیے کہ اہل حمص مولائے کائنات مولا مشکل کشا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مخالف تھے، موصوف نے اس پر یاقوت حموی کی ادھوری عبارت پیش کی تھی، اس عبارت کے بعد یہ تھا کہ جب جنگوں کا یہ زمانہ گزر گیا تو حمصی لوگ نصیری شیعہ ہو گئے تھے۔

اب صورت حال یہ ہے کہ اس روایت کے پہلے راوی عمرو بن عثمان بن سعید ہیں جو حمصی ہیں، اور ان کا سن وفات ٢٥٠ھ ہے، جنگ صفین کو گزرے دو سو سال ہو چکے تھے، اب اصول فیضی کے مطابق یہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دشمن ومخالف ہوئے، پھر ان کی روایت حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں کیسے قبول ہوگی؟

یہ اصول فیضی پر حکم ہے۔

معیار ایک ہی ہے۔

ہم پہلے بیان کر کے آ چکے ہیں کہ فیضی صاحب کے نزدیک معیار صرف بغض معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے، موصوف پیچھے سند سند کا شور مچاتے رہے، اب حیاۃ الحیوان اور وفیات الاعیان سے ایک بے سند واقعہ

نقل کرتے ہیں، ''معاویہ نے سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی خبر سن کر کہا'' استراح قلبی''
میرے دل نے راحت حاصل کی ہے، ان دونوں کتابوں میں یہ بھی مذکور ہے کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ
تعالیٰ عنہما اس وقت شام میں تھے، انہوں نے معاویہ کے چہرے پر خوشی کے آثار دیکھے تو وجہ پوچھی،
معاویہ نے کہا مات الحسن حسن مر گیا''۔

لعنۃ اللہ علی شر کھم۔ یہاں اوّلاً یہ ملاحظہ فرمائیں کہ یہ واقعہ بلا سند ہے، اگر ایسا واقعہ سند کے ساتھ
ہوتا بھی تو اولا سند کی تحقیق لازم ہوتی، سند صحیح بھی ہوتی تو بھی اصول اہل سنت کے مطابق قبول نہ ہوتی،
واجب التاویل ہوتی۔ لیکن موصوف بلا تحقیق اس واقعے کو ایسے قبول کر رہے ہیں جیسے یہ واقعہ قطعی الثبوت
قطعی الدلالت ہو۔

پھر غور کرنے والے پر واضح ہے، یہ عجیب بے وقوفانہ بات ہے کہ کسی کے انتقال پر اس کے
عزیز کے سامنے خوشی کا اظہار کرنا، ایسا کام فیضی اینڈ کمپنی تو کر سکتی ہے، لیکن کسی عقل مند سے یہ متصور
نہیں۔

اس واقعے کا اصل ماخذ کیا ہے؟

ویسے فیضی صاحب بغض معاویہ میں ہیرا پھیری کرنے میں بہت سیانے ہیں، بہت بعید ہے کہ ان کو
معلوم نہ ہو کہ اس واقعے کا اصلا ماخذ کیا ہے۔ اس واقعے کا ماخذ مسعودی شیعہ کی کتاب مروج الذھب
ہے۔ اس نے اپنی کتاب میں اس واقعے کو سند کے ساتھ لکھا ہے۔ اور یہ سند مردود ہے۔

اوّلاً اس کی سند میں ضعیف اور کذاب راوی ہیں۔

راوی ہیں اس میں محمد بن حمید الرازی: اس کے بارے میں حافظ ابن حجر عسقلانی ان کے بارے میں
لکھتے ہیں: حافظ ضعیف وکان ابن معین حسن الرأی فیہ. یہ حافظ ضعیف ہے، ابن معین اس کے
بارے میں اچھی رائے رکھتے تھے۔ (تقریب التھذیب ص ۵۰۵ رقم ۵۸۳٤)

اس پر اعلیٰ حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ تعالیٰ تعلیق کرتے ہیں: وقال أبو زرعة. ثم ابن الجوزی
ثم السیوطی: کذاب ابوزرعہ رازی، پھر ابن جوزی، پھر علامہ سیوطی نے کہا: یہ کذاب ہے۔
(تعلیقات علی تقریب التھذیب ص ۲۵۹، رقم ۲۹۷)

دوسرے راوی علی بن مجاہد ہیں، ابن حبان نے ان کی توثیق کی ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ کذاب راوی

یحیی بن ضریس، ابوجعفر الجمال نے ان کو کذاب کہا ہے۔
(الجرح والتعدیل ج ٦ ص ٢٦٦ رقم ١١٢٣) (الضعفاء والمتروکین لابن الجوزي ج ٢ ص ١٩٨ رقم ٢٣٩٨)
یحیی بن معین فرماتے ہیں: کان یضع الحدیث حدیث گھڑا کرتے تھے۔
(الکشف الحثیث ص ١٨٩ رقم ٥٢١)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالی لکھتے ہیں:
علی بن مجاهد بن مسلم القاضی الکابلی بضم الموحدة و تخفیف اللام متروك من التاسعة، ولیس فی شیوخ أحمد أضعف منه
"علی بن مجاہد بن مسلم القاضی الکابلی، متروک راوی ہیں، طبقہ تاسعہ سے ہیں، امام احمد کے شیوخ میں ان سے زیادہ ضعیف کوئی نہیں"۔ (تقریب التھذیب ص ٤٣٦ رقم ٤٧٩٠)
یہ روایت کرررہے ابن اسحاق سے اور علما نے صراحت کی ہے کہ ان کا اُن سے سماع ہی ثابت نہیں۔
(الجرح والتعدیل ج ٦ ص ٢٦٦ رقم ١١٢٣)

ثانیاً: اس کے متصل ہی مسعودی نے طبری کے دوسرے نسخے کے حوالے سے لکھا ہے کہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کا خوش ہونا اور تکبیر بلند کرنا یہ اس وقت تھا جب حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالی عنہ کی طرف سے صلح کا پیغام آیا تھا۔ (مروج الذہب ج ٢ ص ٤٠٩)
افسوس ہے فیضی صاحب آپ کی سوچ پر، کتنا زور لگایا تھا آپ نے ان احادیث کو رد کرنے کے لیے جو سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کے فضائل میں آئی ہیں، صرف راویوں کے مجہول ہونے تک کی وجہ سے بھی آپ نے حدیث کو موضوع کہہ دیا تھا، لیکن یہاں آپ کے سارے اصول بغض امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ میں الٹے ہو گئے، اسی طرح کے واقعات سے آپ، نبی اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کی حدیث اللّٰھم اجعله هادیا مهدیا جسے کثیر ائمہ نے نہ صرف روایت کیا بلکہ متعدد محدثین نے اسے حسن قرار دیا رد کرنے چلے ہیں۔

اس واقعے کے برعکس ابن کثیر البدایہ والنہایہ میں لکھا ہے:
ولما جاء الکتاب بموت الحسن بن علی اتفق کون ابن عباس عند معاویة فعزاه فیه بأحسن تعزیة، ورد علیه ابن عباس ردا حسنا کما قدمنا

''جب حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے وصال کی خبر آئی تو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس موجود تھے، آپ نے حضرت ابن عباس سے بہترین انداز میں تعزیت کی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بہترین انداز میں لوٹایا، جیسا کہ گزر چکا ہے''۔ (البداية والنهاية ج ١١ ص ٤٤٦)

فیضی کی حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں بدترین گستاخی

اس بے اصل واقعے میں عربی میں جملہ تھا ''مات الحسن'' جس کا باادب ترجمہ بنتا ہے حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دنیا سے پردہ فرمایا، انتقال فرمایا، انتقال فرما گئے، وصال فرمایا۔ لیکن افسوس فیضی صاحب بغضِ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ایسے مدہوش ہیں کہ کتنا بھونڈا اور بدتمیزی والا ترجمہ کرتے ہیں ''حسن مرگیا''۔

نعوذ بالله من بغض الصحابة الذي يؤدي إلى توهين أهل البيت الكرام رضي الله تعالى عنهم أجمعين. اللهم ارزقنا حبهم وجنبنا عن بغضهم.

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بہت سارے واقعات موجود ہیں جس میں سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عقیدت، محبت کے واضح دلائل موجود ہیں۔ ہم یہاں سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ایک حدیث ذکر کرتے ہیں جو سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت میں ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ مسند میں سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

رأيت رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم يمص لسانه، أو قال: شفته يعني الحسن بن علي صلوات الله عليه، وإنه لن يعذب لسان أو شفتان مصهما رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو ان کی (یعنی امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی) زبان یا ہونٹوں کو چوستے ہوئے دیکھا اور ہرگز اس زبان یا ہونٹوں کو عذاب نہیں دیا جائے گا جسے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے چوسا ہو''۔ (مسند احمد ج ۱۳ ص ۱۸۰ رقم ۱۶۷۹۱)

امام ہیثمی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں سوائے عبد الرحمن بن ابی عوف کے اور وہ بھی ثقہ ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۱۸ رقم ص ۴۹۸ رقم ۱۵۰۴۳)

اللہ تعالیٰ ہمیں دور حاضر کے اس عظیم فتنے سے محفوظ رکھے جس میں اہلبیت کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کی محبت کے پردے میں صحابۂ کرام علیہم الرضوان پر طعن کیے جارہے ہیں۔ اور جھوٹے الزام لگانے سے بھی گریز نہیں کیا جارہا۔

اپنے ہی گراتے ہیں نشیمن پر بجلیاں

موصوف کے شیخ الجامعہ مفتی خان قادری صاحب نے ایک کتاب تصنیف کی ہے ''صحابہ کی وصیتیں'' اس میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وصیتیں بھی ذکر کی ہیں، ہم یہاں ان کی کتاب سے ہی وہ وصیتیں من وعن نقل کرتے ہیں، تاکہ معلوم ہوجائے کہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عشقِ رسول کس کمال پر تھا اور وہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے نسبت رکھنے والی اشیاء کی کس قدر تعظیم کرتے تھے، پھر نواسۂ رسول حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کیسی محبت ہوگی۔ چنانچہ مفتی خان قادری لکھتے ہیں:

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وصیتیں

یہ بال مبارک میرے منہ اور ناک میں رکھ دینا

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال کا وقت آیا تو کہنے لگے ایک دفعہ میں صفا کے مقام پر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے بال کٹوانے کا ارادہ فرمایا میں نے قینچی لے کر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے بال بنائے اور مبارک بال حاصل کرلئے، جب میں فوت ہو جاؤں تو ان بالوں کو میرے منہ اور ناک پر رکھ دینا۔ (تاریخ ابن عساکر: ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان)

یہ ناخن مبارک میری آنکھوں پر رکھ دینا:

اسی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے مبارک ناخنوں کے تراشے پاس رکھے ہوئے تھے، اور ان کے بارے میں وصیت کرتے ہوئے فرمایا: ایک دن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ناخن اور بال کاٹے میں نے انہیں جمع کرلیا جب میں فوت ہوجاؤں تو انہیں میرے منہ اور ناک پر رکھ دینا میں نے ایک شیشی میں آپ کے ناخن آج کے لئے محفوظ کیے تھے میری موت کے بعد انہیں میری آنکھوں پر رکھ دینا اللہ تعالیٰ سے امید ہے ان کی برکت سے مجھ پر رحم

فرمائے گا۔ (تاریخ الاسلام للذہبی:2:393)

ناخن پیس کر انہیں میری آنکھوں کا سرمہ بنا دینا:

امام شمس الدین محمد بن محمد عثمان الذہبی نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہی وصیت یوں بیان کی ہے: میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو وضو کروایا کرتا تھا آپ نے اپنا قمیص مبارک اتار کر مجھے پہنا دیا، میں نے وہ قمیص اور آپ کے ناخن مبارک محفوظ کر لئے تھے، جب میں فوت ہو جاؤں، قمیص مبارک کو میرے جسم پر رکھ دینا ناخن مبارک کو پیس کر ان کو میری آنکھوں کا سرمہ بنا دینا، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی برکت سے مجھ پر رحم فرمائے گا۔ (سیر اعلام النبلاء:3:160)

ناخن مبارک رکھ کر مجھے سپرد خدا کر دینا:

امام نووی نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ وصیت ان الفاظ میں بیان کی ان کے پاس رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ناخن مبارک تھے انہوں نے یہ وصیت کی کہ ان کو پیس کر میری آنکھوں اور منہ پر رکھ دینا اور ایسا کر کے مجھے سب سے زیادہ رحم فرمانے والے کے سپرد کر دینا۔
(تہذیب الاسماء واللغات:2:103)

یہ قمیص رسول کفن کے نیچے جسم پر رکھ دینا:

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیٹے کو وصیت کرتے ہوئے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حاجت کے لیے تشریف لے گئے، میں پانی کا کوزہ لے کر حاضر ہو گیا آپ نے اپنے جسم سے کپڑا مجھے پہنا دیا، میں نے اسے آج کے دن کے لیے محفوظ کر لیا تھا۔ (الاستیعاب:3:399)

امام نووی نے ان الفاظ میں نقل کیا ہے: جب حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال کا وقت آیا تو انہوں نے وصیت کرتے ہوئے کہا مجھے اس قمیص میں کفن دینا جو مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے پہنائی تھی اور اسے میرے جسم سے ملا کر رکھنا۔ (تہذیب الاسماء:3:103)

امام ابن عبدالبر نے یہ الفاظ ذکر کیے ہیں: اس قمیص کو میرے کفن کے نیچے متصل کر کے رکھنا۔

اگر بنی تو ان سے بنے گی:

بلکہ وہاں یہ بھی الفاظ ہیں اگر بنی تو ان میں سے کوئی شے وسیلہ بنے گی ورنہ اللہ تعالیٰ معاف فرمانے

والا ہے: اگر کوئی نفع مند چیز ہے تو یہی ہے ورنہ اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والا اور رحم کرنے والا ہے۔(الاستیعاب:3:399)

میرا نصف مال بیت المال کو دے دیا جائے:

محمد بن حکم سے روایت ہے کہ آپ نے وصال کے وقت یہ بھی وصیت کی تھی: میرے ذاتی اموال میں سے نصف بیت المال میں داخل کر دیا جائے گویا وہ ازراہِ احتیاط اپنے مال کو صاف کرنا چاہتے تھے۔
(البدایہ والنہایہ:8:141)

چادر انور کا بیس ہزار درہم دے کر حاصل کرنا:

یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہیے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت کعب بن زہیر بن کمال اسلمی کو کمال شفقت فرماتے ہوئے جو چادر عنایت کی تھی، حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے ان کی اولاد سے 20 ہزار درہم دے کر حاصل کر لی تھی انہوں نے حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی یہ کہا تھا، مگر انہوں نے یہ کہتے ہوئے انکار کر دیا تھا:"میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے پر کسی کو ترجیح نہیں دیتا۔

یہی وہ چادر تھی جس سے خلفاء بنو امیہ اور پھر خلفاء بنو عباس تبرک حاصل کرتے اور عیدین کے موقع پر پہنتے۔(السیرۃ الحلبیہ :3:342)(صحابہ کی وصیتیں از مفتی خان قادری)

فیضی کے قاعدے کے مطابق الا حادیث الموضوعہ بھی مفتی محمد خان قادری صاحب ہی کی کتاب ہے لہٰذا یہ کیسا تضاد ہے ایک کتاب میں کیا مؤقف اختیار کیا ہوا ہے اور اب کیا لکھے جا رہے ہیں۔ اور من گھڑت جھوٹے واقعات کے ذریعے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث حسن اللّٰھم اجعلہ ھادیًامھدیًا کو رد کرنا چاہ رہے ہیں۔

انصار کے ساتھ برا سلوک کرنے کا الزام

حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر فیضی نے یہ الزام لگایا کہ انہوں نے انصار کے ساتھ برا سلوک کیا، اور اس کے لیے مجروح واقعات کو لے کر پوری داستان بنا ڈالی حالانکہ یہ واقعات نہ صرف سندا بے وقعت ہیں بلکہ خلاف واقع ہیں۔

اوّلاً: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ انصار کے ساتھ بہترین سلوک کرنے والے تھے آپ کے

دور حکومت میں انصار بڑے بڑے عہدوں پر فائز رہے، حضرت مسلمہ بن مخلد الانصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ مصر افریقہ، طرابلس، برقہ تمام مقامات کے گورنر تھے، رویفع بن ثابت الانصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ طرابلس کے امیر رہے۔

فیضی بد باطن جانتے ہوئے بھی ان تمام باتوں سے آنکھیں بند کیے ہوئے ہیں۔

ثانیاً: موصوف نے جتنے بھی واقعات ذکر کیے سب سند مجروح ضعیف ہیں۔ تفصیل ملاحظہ فرمائیں!

واقعہ حضرت سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعے کو امام حاکم نے دو سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے

اس کی پہلی سند میں راوی محمد بن انس رازی ہیں یہ مختلف فیہ راوی ہیں، بعض ائمہ نے ان کی توثیق کی ہے لیکن ان پر کلام بھی کیا گیا ہے، امام ذہبی المغنی میں فرماتے ہیں:

محمد بن أنس الرازي، عن الأعمش تفرد بأحاديث، ولم يترك وهو ابن أخي جرير

(المغني في الضعفاء ج ۲ ص ۲۶۹ رقم ۵۳۱۸)

میزان میں فرماتے ہیں:

محمد بن أنس الرازي عن الاعمش تفرد بأحاديث ولم يترك. وهو ابن أخي جرير قال الدارقطني: ليس بالقوي محمد بن انس الرازي.

''اعمش سے روایت کرنے میں کئی احادیث میں متفرد ہیں، البتہ متروک نہیں، جریر کے بھتیجے ہیں، امام دارقطنی کہتے ہیں: قوی نہیں ہیں''۔ (میزان الاعتدال ج ۶ ص ۷۴-۷۵ رقم ۷۲۵۸)

دوسری علت اس کی سند میں یہ ہے کہ اس میں راوی ہیں حکم بن عتیبہ الکندی، یہ ثقہ راوی ہیں لیکن یہ روایت کررہے ہیں مقسم بن بجرۃ سے اور مقسم سے انہوں نے صرف پانچ احادیث سنی ہیں، مذکورہ روایت ان میں سے نہیں ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

وقال أحمد وغيره لم يسمع الحكم حديث مقسم كتاب إلا خمسة أحاديث، وعدها يحيى القطان حديث الوتر، والقنوت، وعزمة الطلاق، وجزاء الصيد، والرجل يأتي امرأته وهي حائض. رواه ابن أبي خيثمة في تاريخه عن علي بن المديني عن يحيى

''امام احمد وغیرہ فرماتے ہیں حکم نے مقسم سے صرف پانچ احادیث سنی ہیں، اور یحیی القطان نے ان کو گنوا بھی دیا ہے وہ پانچ احادیث یہ ہیں، حدیث وتر، حدیث قنوت حدیث عزمة الطلاق حدیث جزا الصید اور یہ حدیث کہ آدمی اپنی عورت سے حالت حیض میں مباشرت کرے (اس پر وعید) کی حدیث، اس کو ابن ابی خیثمہ نے اپنی تاریخ میں علی بن مدینی اور انہوں نے یحیی القطان سے روایت کیا ہے''۔ (تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۳۰۹ رقم ۱۵۱۱)

تیسری علت یہ ہے کہ مقسم بن بجرہ بھی مختلف فیہ راوی ہیں، ابو حاتم، احمد بن صالح، عجلی، یعقوب بن سفیان، دارقطنی نے ان کی توثیق کی ہے، جبکہ ابن سعد نے ان کو ضعیف قرار دیا ہے اسی طرح حافظ ساجی نے بھی ان کے بارے میں لکھا کہ ان کی بعض روایات میں کلام ہے۔

(تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۳۳۰-۳۳۱ رقم ۷۱۵۰)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں: صدوق و کان یرسل صدوق ہیں لیکن ارسال کرتے ہیں۔ (تقریب التہذیب ص ۵۷۴ رقم ۶۸۷۳)

یہ واقعہ امام طبرانی نے بھی نقل کیا ہے، ان کی سند میں مسعود بن سلیمان راوی ہے، یہ مجہول راوی ہے، حافظ ابن ابی حاتم رازی لکھتے ہیں:

مسعود بن سلیمان روی عن حبیب بن أبي ثابت روی عنه أبو الحسن الاسدی نا عبد الرحمن قال: سألت أبي عنه فقال: مجهول

''مسعود بن سلیمان، حبیب بن ابی ثابت سے روایت کرتے ہیں، اور ان سے ابو الحسن الاسدی روایت ہے، امام عبد الرحمن بن ابو حاتم رازی کہتے ہیں: میں نے اپنے والد سے ان کے بارے میں معلوم کیا تو کہا مجہول ہے''۔ (الجرح والتعدیل ج ۸ ص ۲۸۵ رقم ۱۳۰۸)

امام ذہبی اور حافظ عسقلانی لکھتے ہیں: مسعود بن سلیمان عن حبیب بن أبي ثابت مجهول وعنه فردوس الأشعري مسعود بن سلیمان جو حبیب بن ابی ثابت سے روایت کرتے ہیں، مجہول راوی تھا، ان سے فردوس الاشعری روایت کرتے ہیں۔ (المغني في الضعفاء ج ۲ ص ۲۰۱ رقم ۶۲۰۲) (میزان الاعتدال ج ۶ ص ۴۱۰ رقم ۸۴۸۰) (لسان المیزان ج ۷ ص ۳۸۴ رقم ۷۶۹۲)

اسی میں دوسرے راوی حبیب بن ابی ثابت یہ ثقہ لیکن بہت زیادہ تدلیس کرنے والے تھے اور

یہاں یہ عن سے روایت کرر ہے ہیں، حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

حبيب بن أبي ثابت ثقه فقيه جليل، وكان كثير الإرسال والتدليس

"حبیب بن ابی ثابت ثقہ فقیہ جلیل ہیں لیکن بہت زیادہ ارسال اور تدلیس کرتے ہیں"۔

(تقریب التہذیب ص ۱۸۸ رقم: ۱۰۸۴)

تیسرے راوی محمد بن علی بن عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں یہ ثقہ راوی ہیں، لیکن اس پر اختلاف ہے کہ ان کا اپنے دادا حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سماع ثابت ہے یا نہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

وذكره ابن حبان في الثقات التابعين، وقال: روى عن ابن عباس، وقال مصعب: كان ثقه ثبتا مشهورا، وقال مسلم في التمييز: لا يعلم له سماع من جده ولا أنه لقيه.

"ابن حبان نے ان کو ثقات میں تابعین میں ذکر کیا ہے، اور کہا ہے کہ انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے، مصعب کہتے ہیں: یہ ثقہ ثبت مشہور تھے، امام مسلم تمییز میں لکھتے ہیں: ان کا اپنے دادا سے سماع ثابت نہیں اور نہ ہی آپ کی ان سے ملاقات ہوئی"۔ (تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۳۳۵ رقم ۶۴۱۰) وانظر: (التمییز للامام مسلم ص ۱۸۹ رقم ۹۶)

طبرانی کی دوسری سند میں حبیب بن ابی ثابت کے بعد سند منقطع ہے کیونکہ ان کا سماع حضرت سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ثابت ہی نہیں ہے۔

حافظ علائی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

حبيب بن أبي ثابت الكوفي روى عن جماعة من الصحابة، منهم ابن عمر وزيد بن أرقم وقد تقدم أنه مدلس، قال علي بن المديني: حبيب بن أبي ثابت لقي ابن عباس وسمع من عائشة، ولم يسمع من غيرهما من الصحابة رضي الله تعالى عنه

"حبیب بن ابی ثابت الکوفی ایک جماعت صحابہ سے روایت کرتے ہیں، جن میں ابن عمر، زید بن ارقم ہیں اور گزر چکا کہ یہ مدلس ہیں، علی بن مدینی کہتے ہیں: حبیب بن ابی ثابت نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ملاقات کی ہے اور حضرت سیدتنا عائشہ رضی اللہ تعالیٰ

عنہا سے سماع کیا ہے، ان دونوں کے علاوہ کسی بھی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے انہوں نے نہیں سنا''۔ (جامع التحصیل ص ۱۵۸-۱۵۹ رقم ۱۱۷)

امام حاکم کی دوسری سند میں مسعود بن سلیمان، حبیب بن ابی ثابت اور محمد بن علی بن عبد اللہ ہیں اور تینوں پر کلام ماقبل میں ہو چکا۔ لہٰذا سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بدسلوکی کا واقعہ سندا بھی باطل ہے۔

روایت حضرت سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ تعالیٰ نے دو سندوں سے روایت کی ہے لیکن اس کا مدار عطاء بن سائب پر ہے اور یہ مختلط راوی ہیں ان سے ایک سند میں روایت کررہے ہیں ابو معتمر سلیمان بن طرخان التیمی البصری اور اہل بصرہ کا ان سے سماع ان کے اختلاط کے بعد ہے، لہٰذا اس سند کا مجروح ہونا بالکل واضح ہے۔

حافظ صلاح الدین خلیل کیکلدی العلائی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وبالجملة: أهل البصرة فإن أحاديثهم عنه مما سمع بعد الاختلاط. لأنه قدم عليهم في أخرة عمره

''بالجملہ اہل بصرہ کی عطا بن سائب سے احادیث اختلاط کے بعد کی ہیں کیونکہ یہ اہل بصرہ کے پاس عمر کے آخری دور میں آئے تھے''۔ (کتاب المختلطین ص ۸۴ رقم ۳۳)

دوسری سند میں بھی راوی عطاء بن سائب مختلط ہیں، ان سے روایت کرنے والے محمد بن میمون ابو حمزہ السکری ہیں جو ثقہ راوی ہیں لیکن ان کا سماع عطاء بن سائب سے معلوم نہیں کب ہے، نیز یہ خود اخیر میں مختلط ہو گئے تھے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

وقال النسائي: لا بأس بأبي حمزة إلا أنه كان قد ذهب بصره في أخر عمره. فمن كتب عنه قبل ذلك فحديثه جيد وذكره ابن القطان الفاسي فيمن اختلط.

''امام نسائی کہتے ہیں: ابو حمزہ میں کوئی حرج نہیں مگر اخیر عمر میں ان کی بصارت جاتی رہی تو جس نے ان سے اس سے پہلے روایت کی اس کی حدیث جید ہے، اور ابن قطان الفاسی نے ان کو

مختلطین میں ذکر کیا ہے"۔ (تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۴۵۸ رقم ۶۶۰۲)

یہاں عبدان ان سے روایت کرتے ہیں اور عبدان کا ان سے روایت اخیر عمر میں ہے یا پہلے اس کی صراحت نہیں،

اس سند میں ایک اور راوی ہے: احمد بن علی بن الحسین ابو غالب الخیاط اس کے بارے میں حافظ عراقی اور حافظ عسقلانی لکھتے ہیں:

أحمد بن علي بن الحسين أبو غالب الخياط. روى عن ابن النقور. قال ابن ناصر: عامي لا يساوي فلسا. قلت: روى عن ابن النقور، وابن المسلمة وغيرهما. روى عنه أبو بكر بن كامل، ويحيى بن بوش،

"احمد بن علی بن الحسین ابو غالب الخیاط، ابن النقور سے روایت کرتے ہیں، ابن ناصر کہتے ہیں: یہ عامی ہیں ایک ٹکے کے برابر بھی نہیں ہیں، میں (حافظ ابن حجر) کہتا ہوں یہ ابن نقور اور ابن مسلمہ وغیرہ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے ابو بکر بن کامل اور یحیی بن بوش روایت کرتے ہیں"۔ (ذیل میزان الاعتدل ج ۷ ص ۳۷-۳۸ رقم ۱۱۴) (لسان المیزان ج ۱ ص ۵۵۱ رقم ۶۶۱)

لہٰذا سند یہ واقعہ بھی باطل ہے۔

قصہ حضرت ابو قتادہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت ابو قتادہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت مصنف عبد الرزاق میں ہے اور اس کی سند میں عبد اللہ بن محمد بن عقیل ہیں۔ ابن سعد، ابن عیینہ، امام احمد، یحیی بن معین، علی بن المدینی، ابن ابی حاتم رازی، نسائی، ابن خزیمۃ، عقیلی، خطیب، ابن حبان نے ان کو ضعیف کہا ہے، بعض دیگر ائمہ نے ان کی تعریف کی ہے لیکن عمومی تعریف ان کی عبادت کی ہے جبکہ بعض نے ان کو صدوق قرار دیا ہے۔ (تہذیب التہذیب ج ٤ ص ٤٧٤ رقم ٣٦٨٧)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں: صدوق في حديثه لين ويقال تغير بأخرة صدوق ہیں، ان کی حدیث میں کمزوری ہے اور کہا گیا ہے کہ اخیر عمر میں تغیر آ گیا تھا۔ (تقریب التہذیب ص ٣٥٦ رقم ٣٥٩٨)

امام ذہبی فرماتے ہیں: قال أبو حاتم وعدة: لين الحديث وقال ابن خزيمة: لا أحتج به،

ابوحاتم اور ایک تعداد نے یہ کہا ہے کہ یہ حدیث میں کمزور ہیں اور ابن خزیمہ فرماتے ہیں: میں ان سے استدلال نہیں کرتا۔ (الکاشف ج ۳ ص ۱۹۰ رقم ۲۹۶۲)

حضرت سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ

حضرت سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ امام احمد نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے۔ یہ بھی سنداً مجروح ہے۔

اس میں راوی فضیل بن مرزوق ہے، اگرچہ کے اس کی کئی ائمہ نے توثیق کی ہے، لیکن ان پر جرح بھی ہے اور ساتھ ان کے بارے میں شدید تشیع کی جرح ہے، نیز بالخصوص عطیہ العوفی سے ان کی روایت پر سخت جرح ہے۔ اور یہاں یہ عطیہ سے ہی روایت کرر ہے ہیں۔ یحیی بن معین کہتے ہیں: صالح الحدیث إلا أنه كان شديد التشيع صالح الحدیث ہیں مگر تشیع میں بہت شدید تھے، عجلی کہتے ہیں: جائز الحديث صدوق و كان فيه تشيع جائز الحدیث ہیں صدوق ہیں مگر ان میں تشیع تھا۔ ابن حبان کہتے ہیں: كان يخطئ على الثقات ويروي عن عطية الموضوعات، ثقات سے روایت میں خطا کرتے تھے، اور عطیہ سے موضوعات کرتے تھے۔ (تہذیب التہذیب ج ٦ ص ٤٢٥-٤٢٦ رقم ٥٦٢٦)

دوسرے راوی عطیہ العوفی ہیں، یہ سخت متکلم فیہ اور تفضیلی شیعہ تھے۔ اور ساتھ موصوف مدلس بھی تھے اور یہاں سماع کی کوئی تصریح نہیں قال سے روایت کرر ہے ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

عطية بن سعد العوفي الكوفي، تابعي معروف ضعيف الحفظ، مشهور بالتدليس القبيح

''عطیہ بن سعد العوفی کوفی تابعی ہیں معروف راوی ہیں، ضعیف الحفظ ہیں اور قبیح تدلیس کے ساتھ مشہور ہیں''۔ (طبقات المدلسین ص ۵۰ رقم ۱۲۲)

لہٰذا فیضی صاحب آپ کی ساری داستان تو ہوا ہوگئی۔

سنداً تو یہ سارے واقعات مجروح ہیں ساتھ واقع کے بھی خلاف ہیں جیسا کہ گزر چکا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں انصار گورنری پر تھے بلکہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بھائی کو گورنری سے ہٹا کر حضرت نعمان بن بشیر انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فہ کا گورنر لگایا تھا۔

ثالثاً: اس واقعے کو بعض نے اس طرف منسوب کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس اس سلوک کی وجہ یہ تھی کہ انصار مدینہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت میں شریک تھے، اور یہ بات بھی خلاف واقع ہے کہ انصار کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتلین میں شمار کیا جائے، اس حوالے سے کوئی صحیح روایت آئی ہی نہیں ہے، بلکہ اس کے برخلاف ایک روایت آئی جو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، انہوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جس وقت آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ محصور تھے) سے کہا کہ یہ انصار آپ کے دروازے کے پاس ہیں اگر آپ چاہیں تو دوسری مرتبہ انصار اللہ (اللہ تعالیٰ کے دین کے مددگار) بن جائیں، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: مجھے اس حوالے سے کوئی حاجت نہیں ہے۔ (الثقات لابن حبان تاریخ خلیفہ بن خیاط)

رابعاً: خود سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ انصار کی فضیلت میں حدیث روایت کرتے ہیں، امام ابن ابی شیبہ، امام احمد، حافظ ابن ابی عاصم، امام طبرانی، امام نسائی اور دیگر ائمہ سند صحیح کے ساتھ یزید بن جاریہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں: ''یہ انصار کے ایک گروہ میں بیٹھے تھے، وہاں سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ گزرے، آپ نے ان لوگوں سے ان کی گفتگو کے بارے میں پوچھا: انہوں نے کہا کہ ہم انصار کی حدیث کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے، حضرت معاویہ نے کہا: کیا میں تمہیں ایک ایسی مزید حدیث نہ بتاؤں جو میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سنی ہے، سب نے کہا: ضرور یا امیر المؤمنین، حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: سمعت رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم یقول: من أحب الأنصار أحبه الله ومن أبغض الأنصار أبغضه الله. میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: جو انصار سے محبت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتا ہے، اور جو انصار سے بغض رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو مبغوض رکھتا ہے۔

(المصنف لابن أبي شيبة ج ١٧ ص ٢٦٥ رقم ٣٣٠٢٣) (مسند أبي داود الطيالسي ج ٢ ص ٣٠٨ رقم ١٠٤٩) (الآحاد والمثاني ج ٣ ص ٣٢٨ رقم ١٧٠٨) (المعجم الأوسط ج ٦ ص ١٩١ رقم ٦١٥٨) (مسند أحمد) ((سنن النسائي الكبرىٰ)

کس شان اور اہتمام سے حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ انصار کی فضیلت بیان کر رہے ہیں، اور ان کی آپس میں محبت ملاحظہ فرمائیں، لیکن آج کا ایک مجروح مولوی مرجوح واقعات کو لے کر ان کا آپ سے میں بغض ثابت کرنے پر تلا ہے۔ اور پھر اس کے ذریعے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

کی حدیث اللھم اجعلہ ھادیا مھدیا کو رد کرنا چاہتا ہے۔

تہمت شرب خمر

نیفی صاحب کا حالتِ مدہوشی میں لکھنا ان کی کتاب کے کئی مقامات سے ظاہر ہوتا ہے، جیسا کہ آپ پیچھے ملاحظہ فرما ہی چکے ہوں گے۔ موصوف پھر بھکے اور بے سمجھے اپنے متبوعین کے پیچھے چلتے ہوئے حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر شراب پینے کی تہمت لگادی۔ اور مسند احمد کی ایک منکر روایت سے استدلال کر گئے اور ایک بالکل ستھری روایت جو مصنف ابن ابی شیبہ میں تھی اس کو نظر انداز کر گئے۔

ہم یہاں ان شاء اللہ عزوجل اس روایت کی تحقیق کے ساتھ فیضی صاحب کی جہالت جدیدہ کا انکشاف بھی کریں گے۔

اولا مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت ملاحظہ فرمائیں:

حدثنا زيد بن الحباب، عن حسين بن واقد، قال: حدثنا عبد الله بن بريدة، قال: دخلت أنا وأبي على معاوية فأجلس أبي على السرير، وأتى بالطعام فطعمنا، وأتى بشراب فشرب، فقال معاوية: ما شيء كنت أستلذه وأنا شاب فآخذه اليوم إلا اللبن، فإني آخذه كما كنت آخذه قبل اليوم، والحديث الحسن

"زید بن حباب، حسین بن واقد سے اور وہ عبد اللہ بن بریدہ سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں: میں اور میرے والد (حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے، حضرت معاویہ نے میرے والد کو اپنی چارپائی پر ساتھ بٹھایا، کھانا لایا گیا ہم نے کھانا کھایا، پھر اس کے بعد پینے کے لیے (دودھ) لایا گیا، حضرت معاویہ نے اسے پیا اور فرمایا، میں جوانی سے ہمیشہ جس چیز سے لذت حاصل کرتا رہا ہوں، اور اس سے آج بھی لذت حاصل کرتا ہوں وہ دودھ ہی ہے، میں اسے ایسے ہی استعمال کرتا ہوں جیسے پہلے استعمال کرتا تھا، اور اچھی گفتگو (سے لطف اندوز ہوتا ہوں)"۔

(المصنف لابن أبي شيبة ج ١٦ ص ٧٩ رقم ٣١٢٠١)

اس میں واضح ہے کہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جو پینے کی چیز لائی گئی وہ دودھ تھی۔

محدثین نے اس حدیث سے کیا سمجھا؟

حافظ نور الدین الہیثمی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''غایۃ المقصد فی زوائد المسند'' میں اس پر باب باندھا ہے ''باب مدح اللبن'' اسی طرح اپنی دوسری کتاب ''مجمع الزوائد'' میں باب ''باب ما جاء فی اللبن'' میں ہی اس حدیث کو ذکر کیا ہے۔ (غایۃ المقصد ج ٤ ص ١١٥ رقم ٤٠٤٥) (مجمع الزوائد ج ١١ ص ٩٩ رقم ٨٠٩٢)

معاصر صہیب عبد الجبار فلسطینی نابلسی نے بھی ''الجامع الصحیح للسنن والمسانید'' میں اس روایت کو کتاب الاطعمۃ میں دودھ کی فضیلت پر مشتمل روایات کے تحت ذکر کیا ہے۔

(الجامع الصحیح للسنن والمسانید ج ١٦ ص ٧٩ رقم ٣١٢٠١)

اور ساعاتی نے مسند احمد کی ترتیب الفتح الربانی میں ''باب ما جاء فی برکۃ اللبن وشربہ وحلبہ'' میں اس کو ذکر کیا ہے۔ (الفتح الربانی لترتیب الامام مسند أحمد ج ١٧ ص ١١٥)

یہاں مسند احمد میں درمیان میں ایک منکر جملہ زائد ہے جس سے خائنین کو موقع ملا اور اپنے فاسد عقیدے کی ترویج کے لیے اپنی عادتِ بد کے مطابق انہوں نے اس جملے سے بغیر سمجھے حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان ذیشان میں گستاخی کرنے کی کوشش کی، وہ جملہ یہ ہے: ثم ناولنی أبی ثم قال: ما شربته منذ حرمه رسول الله صلی الله تعالی علیه وآله وسلم.... پھر اسے میرے والد نے لیا اور پھر حضرت معاویہ نے کہا: جب سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اسے حرام فرمایا ہے میں نے اسے نہیں پیا۔

اقول وباللہ التوفیق! اوّلاً: اس جملے کو اگر تسلیم کریں تو جاننا ہوگا کہ اس کا قائل کون ہیں؟ یہ قائل حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

امام ہیثمی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وفی کلام معاویۃ شیء ترکتہ حضرت معاویہ کی گفتگو میں جملہ تھا جسے میں نے ترک کر دیا ہے۔

اور وہ متروک کلام یہ ہے: [ثم قال: ما شربته منذ حرمه رسول الله صلی الله تعالی علیه وآله وسلم جب سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اسے حرام فرمایا ہے میں نے اسے نہیں پیا]

فیضی نے مسند احمد سے یہیں تک عبارت نقل کی ہے مسند احمد میں اس کے بعد بھی کلام ہے، جس سے اس جملے کا منکر ہونا بالکل واضح ہے، لیکن فیضی صاحب حسب عادت اگلی عبارت کو چھوڑ گئے تا کہ جواب ہی نہ دینا پڑے۔ آگے کا کلام مسند امام احمد میں یہ ہے:

قال معاوية: كنت أجمل شباب قريش وأجوده ثغرا، وما شيء كنت أجد له لذة
كما كنت أجده وأنا شاب، غير اللبن أو إنسان حسن الحديث يحدثني
''پھر حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا میں قریش کا جمیل ترین اور سخی ترین نو جوان تھا اور جوانی میں جن چیزوں سے میں لطف اندوز ہوتا تھا اور اب بھی اس سے لطف اندوز ہوتا ہوں وہ صرف دودھ ہے یا یہ ہے کہ اچھی گفتگو کرنے والا شخص مجھ سے اچھی گفتگو کرے''۔

مسند احمد کے منکر جملے کو تسلیم کرنے کی صورت میں یہ عجب بات ہوئی کہ پی بھی رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ جب سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حرام فرمائی ہے میں نے پی ہی نہیں۔

صحیح یہ ہے کہ یہ جملہ ہے ہی زیادت منکرہ سے، وجہ اس کی یہ ہے کہ اس کے راوی اگرچہ فی نفسہ ثقہ ہیں لیکن ان پر خود امام احمد حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ کا کلام موجود ہے امام ابو داود امام احمد رحمہا اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں: زيد بن الحُباب كان صدوقاً، وكان يضبط الألفاظ عن معاوية بن صالح، ولكن كثير الخطأ زید بن الحباب صدوق ہیں اور معاویہ بن صالح سے الفاظ کا ضبط رکھتے ہیں، لیکن کثیر الخطا ہیں۔ (سؤالات أبي داود للامام أحمد ص ۳۱۹ رقم ۴۳۲) (تهذيب التهذيب ج ۳ ص ۲۲۰ رقم ۲۱۹۵)

حسین بن واقد کے بارے میں فرماتے ہیں: حسين بن واقد له أشياء مناكير ان کی کئی منکر روایات ہیں۔ (العلل ومعرفة الرجال رواية المروزي وغيره ص ۱۸۷ رقم ۴۴۴)

حافظ عقیلی کہتے ہیں: أنكر أحمد بن حنبل حديثه امام احمد نے اس کی حدیث کو منکر کہا ہے۔
(تهذيب التهذيب ج ۲ ص ۳۴۰ رقم ۱۴۱۶)

وقال الأثرم: قال أحمد: في أحاديثه زيادة ما أدري أي شيء هي ونفض يده
''امام اثرم کہتے ہیں امام احمد بن حنبل نے فرمایا: اس کی احادیث میں ایسی زیادتی ہوتی ہے جسے میں نہیں جانتا، اور اپنے ہاتھ جھاڑ لیے''۔

(تهذيب التهذيب ج ۲ ص ۳۴۰ رقم ۱۴۱۶) (الضعفاء الكبير للعقيلي ج ۲ ص ۳۶ رقم ۳۰۳)

یہ جملہ حسین بن واقد کی زیادت منکرہ تھی کبھی یہ اس زیادت کو ذکر کرتے ہیں جیسا کہ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کیا اور خود ہی ان کے بارے میں فرمایا کہ منکر روایت لے کر آتے ہیں، اسی لیے امام ہیثمی نے ذکر نہیں کیا اور کبھی اس زیادتِ منکر کو لے کر نہیں آتے اور اس کے بغیر ہی یہ روایت مصنف ابن ابی

شیبہ میں موجود ہے۔

امام ہیثمی کے کلام کا معنی

لیکن موصوف فیضی لکھتے ہیں: ''یہ حافظ ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ کی دیانت داری ہے کہ انہوں نے خود ہی بتادیا کہ انہوں نے وہ جملہ حذف کردیا ہے جس سے معاویہ کی شراب نوشی ثابت ہوتی ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر انہوں نے ایسا کیوں کیا جبکہ ان کے نزدیک اس حدیث کی سند بھی صحیح ہے؟ کیا کوئی صحابی کہا جانے والا شخص اگر بادشاہ بن جائے اور پھر وہ کسی کبیرہ گناہ کا مرتکب ہو تو اس پر پردہ ڈالنا اور اس کی خاطر احادیثِ صحیحہ سے جملے حذف کرنا شرعی حکم کیا ہے؟''

اقول وباللہ التوفیق! یہ تو تقریبا واضح ہو چکا ہے کہ آپ پی کر ہی لکھتے ہیں، یہ الگ بات ہے کہ بعض معاویہ کی شراب پی کر لکھتے ہیں اور خیانت کرتے ہیں یا واقعی حقیقی شراب پی کر لکھتے ہیں کہ آپ کو پتا ہی نہیں چلتا کہ کیا لکھ رہے ہیں۔

اوّلاً: ایسے موقع پر یہ کہنا ''احادیث صحیحہ سے جملے حذف کرنا'' واضح ایہام کرتا ہے کہ گویا انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث میں سے جملہ حذف کیا ہو۔ حالانکہ واضح لکھا ہے کہ یہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کلام کا ایک جزء تھا جسے ذکر نہیں کیا۔

ثانیاً: ہم ابھی واضح کر آئے ہیں کہ پینے کی چیز سے مراد دودھ ہے، مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت اس حوالے سے واضح ہے، اور خود حافظ ہیثمی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس پر باب مدح اللبن کا باندھا ہے۔ پھر آپ یہ کہہ رہے ہیں ''جس سے معاویہ کی شراب نوشی ثابت ہوتی ہے'' لعنۃ اللہ علی شر کم۔ ذرا بتائیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی پر بلا دلیل شراب نوشی کا الزام لگانے کی وجہ سے خود آپ پر کیا حکم شرعی لگے گا؟

ثالثاً: آپ نے مکمل روایت کیوں ذکر نہیں کی، جس سے خود اس کلام کا منکر ہونا واضح ہے۔ حافظ ہیثمی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تو واضح کردیا کہ یہ جملہ میں نے حذف کیا ہے اور اہل علم بخوبی جان سکیں گے کہ زیادت منکر ہے۔ لیکن آپ نے تو آگے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کلام ذکر نہیں کیا اور بتایا بھی نہیں۔ ذرا بتائیں آپ پر اس خیانت کا کیا حکم لگے گا؟

رابعاً: حافظ ہیثمی رحمہ اللہ تعالیٰ کے کلام سے بات تو واضح ہو چکی تھی کہ یہ جملہ حضرت امیر معاویہ رضی

اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے، پھر آپ نے اس جملے کا قائل حضرت سیدنا بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کیوں بنا دیا؟
خامساً: آپ تو بڑے محقق بنتے ہیں، اس واقعے پر اہل علم کا بڑی تفصیلی کلام موجود ہے، اور جس حسین سلیم اسد کی تحقیق پر آپ آگے کلام لکھ رہے ہیں اور ہم اس پر آپ کی جہالت جدیدہ کا پول کھول رہے ہیں، اسی حسین سلیم نے اسی مقام پر اس زیادت منکر کا بیان کیا ہوا ہے، اگر ہمت تھی تو ذرا تحقیق کرکے اس کا جواب دیتے۔

موصوف اس کے بعد لکھتے ہیں: ''قارئین کرام کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ یہ جملہ مجمع الزوائد کے قدیم نسخہ سے تو محذوف ہے، مگر دار الفکر اور دار الکتب العلمیہ بیروت کے محققین نے اس جملہ کو مسند احمد سے لے کر پھر مجمع الزوائد میں شامل کر دیا ہے مگر قوسین کے اندر لیکن شیخ حسین سلیم اسد کی تحقیق سے جو مجمع الزوائد شائع ہوئی ہے اس میں شیخ موصوف نے اس جملہ کو ناپسندیدہ قرار دیا ہے، میں پوچھتا ہوں: امیر شام کے متعلق شیخ موصوف کتنے جملوں کو ناپسندیدہ قرار دیں گے؟ ہم اگر شیخ حسین سلیم اسد الدارانی کی تحقیق سے شائع شدہ مسند ابی یعلی اور مجمع الزوائد سے ایسے جملوں کی نشاندہی کرنا شروع کریں تو شیخ موصوف سر پکڑ کر بیٹھ جائیں گے۔'' (الاحادیث الموضوعات ص ۲۲۷-۲۲۸)

گوگلی ترجمہ

سبحان اللہ! کیا قابلیت ہے! حسین سلیم اسد الدارانی نے یہ بات اصطلاحی اعتبار سے کی تھی، اور ساتھ لکھ بھی دیا ہے:

غير أن زيادات حديثه وصفها الإمام أحمد بقوله: في أحاديثه زيادة ما أدري أي شيء هي ونفض يده، وذلك مثل الزيادة التي تركها الهيثمي -رحمه الله تعالى- وهي: ثم قال: ما شربته منذ حرمه رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم)) وهذه زيادة منكرة جدا

''یعنی اس اس سند کے رجال تو ثقہ ہیں مگر اس حدیث میں وہ زیادت ہے جسے امام احمد نے اپنے اس قول سے بیان کیا ہے: اس (حسین بن واقد کی) کی احادیث میں وہ زیادتی ہے جو میں نہیں جانتا کہ یہ کیا ہے؟ اور اپنے ہاتھ جھاڑ لیے۔ اور اسی زیادت کی مثل وہ جملہ ہے جسے ہیثمی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ترک کر دیا اور وہ زیادتی یہ ہے: ''جب سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وآلہ وسلم نے اسے حرام فرمایا ہے میں نے اسے نہیں پیا۔" اور یہ زیادتی سخت منکر ہے"۔

(مجمع الزوائد ج ۱۱ ص ۹۹ رقم ۸۰۹۲ باب ما جاء فی اللبن)

اور موصوف فیضی نے اس کا ترجمہ لغوی کر دیا کہ یہ ناپسندیدہ زیادتی ہے اور ہم ایسے ناپسندیدہ جملوں کی نشاندہی کریں گے تو موصوف دارانی سر پکڑ کر بیٹھ جائیں گے۔ صحیح کہہ رہے ہیں فیضی صاحب، واقعی دارانی صاحب سر پکڑ کر بیٹھ جائیں گے۔

ویسے موصوف کے بعض محبین نے بھی اس حوالے سے کمال کیا تھا۔ ان سے بعض احبابِ اہلسنت کا "لا یصح" کے معنی پر مباحثہ ہوا، جس پر محبِ فیضی صاحب نے "لا یصح" کا معنی گوگل سے سرچ کر کے بتایا "خراب، گلا ہوا، سڑا ہوا، باطل" سبحان اللہ! اسی طرح موصوف فیضی نے اس کتاب میں ایک مقام پر تدلیس کا معنی "فریب کاری کرنے والا" کیا ہے۔ دارانی صاحب تو سر پکڑنے کی بجائے سر دیوار میں مار ہی لیں گے۔

حرمت شراب کی احادیث جو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہیں۔

جامع ترمذی کی مشہور روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ فَاجْلِدُوهُ فَإِنْ عَادَ فِي الرَّابِعَةِ فَاقْتُلُوهُ

"یعنی جو شراب پیے اسے کوڑے لگاؤ اگر وہ چوتھی بار بھی پیے تو اس کو قتل کر دو"۔

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

وإنما كان هذا في أول الأمر ثم نسخ بعد هكذا

"یعنی یہ حکم ابتداء میں تھا پھر اس طرح کا حکم منسوخ ہو گیا"۔

(جامع الترمذی ج ۳ ص ٤٦٦ رقم ١٤٤٤)

لیکن اگر اس حدیث کو تعزیر پر محمول کر لیا جائے تو یہ حدیث بھی معمول بہ ہو جاتی ہے۔

(تذکرۃ المحدثین ص ۲۳۳)

یہ حدیث مبارک روایت کرنے والے صحابی حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی ہیں۔

ایک اور حدیث مبارک ملاحظہ فرمائیں۔

امام ابن ماجہ حضرت سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں:

سمعت رسول الله - صلى الله تعالى عليه وآله وسلم - يقول: "كل مسكر حرام على كل مؤمن".

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: ہر مؤمن پر ہر نشے والی چیز حرام ہے"۔ (سنن ابن ماجہ ج ٤ ص ٦٨ رقم ٣٣٨٩)

یہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی احادیث ہیں جن میں شراب کی حرمت کا بیان ہے۔

محترم قارئین! آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ فیضی صاحب، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ایک صحابی پر اس طرح کی تہمتیں لگا کر، رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث اللھم اجعله هاديامهديا کو رد کرنا چاہ رہے ہیں۔

ایک واقعے کی غلط نسبت اور اس کا جواب:

فیضی صاحب کا اگر بس چلے تو نائن الیون کے واقعے کا ذمہ دار بھی حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قرار دے دیں، ان کا حال بغض سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ایسا ہو چکا ہے کہ اس کے لیے چاہے مروان کی حمایت کرنا پڑے یا یزید کا دفاع یہ صاحب کر جائیں گے، جیسا کہ آگے اس کی تفصیل آئے گی۔ یہاں ایک واقعے کے حوالے سے تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

ایک بار مروان نے ابن یامین نضیری یہودی سے سوال کیا کعب بن اشرف یہودی کا قتل کیسے ہوا؟ جواب میں اس نے کہا: دھوکہ سے۔ اس وقت حضرت سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہاں موجود تھے، انہوں نے مروان کو پکار کر کہا تیرے سامنے آقا کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف دھوکے کی نسبت کی جارہی ہے اور تو منع نہیں کر رہا، اللہ تعالیٰ کی قسم تو اور میں ایک چھت کے نیچے اکٹھے نہیں ہوں گے اور بن یامین سے کہا کہ یہ مجھے تنہائی ملا تو میں اس کو قتل کر دوں گا۔ یہ واقعہ مختلف کتب میں مروان کے حوالے سے منقول ہے۔

بعض راویوں نے اس واقعے کی نسبت حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف کی ہے، اس پر امام تاج الدین سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمایا:

ولعل مروان أو معاوية . إن ثبت أن القصة كانت عنده . إنما سكت عن قتله

لتجويزه أن يكون ابن يامين إنما نسب الغدر إلى ابن مسلمة وأصحابه. ولو تحقق منه

أنه نسبه إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم لم يتوقف في قتله

''مروان کے پاس یہ واقعہ ہوا یا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس، اگر یہ ثابت ہو کہ یہ قصہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ہوا تھا تو آپ کے بن یامین یہودی کے قتل سے رکنا اس وجہ سے ہوگا کہ بن یامین نے اس دھوکے کی نسبت حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کے ساتھیوں کی طرف کی تھی، اگر اس سے یہ متحقق ہوجاتا کہ اس نے اس دھوکے کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف کی ہے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کبھی اس کے قتل میں توقف نہ کرتے''۔ (السیف المسلول ص ۳۰۲)

یہی ائمہ اہلسنت کا طریقۂ کار ہے کہ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایسی بات کا امکان نہیں اس لیے اگر بالفرض ایسا ہوا تو اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے۔ لیکن موصوف فیضی کسی صورت بھی یہ برداشت نہیں کرسکتے اس لیے امام سبکی پر چڑھ دوڑے اور لکھا:

''امام سبکی کی اس تاویل کا تصنع اور تکلف پر مبنی ہونا بالکل واضح ہے، کیونکہ سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے واشگاف الفاظ میں فرمایا تھا: اے معاویہ تیرے سامنے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف دھوکہ کی نسبت کی جارہی ہے پھر بھی تم برا نہیں منا رہے؟ اس پر امیر شام نے اتنی وضاحت کرنا بھی گوارا نہ کی کہ اے محمد بن مسلمہ یہ آپ کی طرف دھوکہ کی نسبت کررہا ہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف نہیں۔'' (الاحادیث الموضوعات ص ۱۹۵)

اقول وباللہ التوفیق! کیا آپ وہاں پر موجود تھے جس سے آپ کو معلوم ہوگیا کہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وضاحت کرنا گوارا نہیں کی؟ عدم ذکر ذکر عدم کو کب سے مستلزم ہوگیا۔؟

ثانیاً: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس اس واقعے کے ہونے میں ہی کلام ہے کیونکہ اس واقعے کے راوی حضرت عبایہ بن رفاعہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا سماع سیدنا محمد بن مسلمہ یا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ثابت ہی نہیں۔ تو اس منقطع روایت سے جناب کس طرح ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تنقیص کرنے کی کوشش کرسکتے ہیں؟

ثالثاً: اگر ان کا سماع ثابت بھی ہو تو صحیح یہی ہے کہ یہ واقعہ مروان ہی کا ہے۔ اس پر کئی شواہد موجود ہیں۔

اس واقعے کے بعد بن یامین اپنے گھر سے باہر ہی نہیں نکلتا تھا، پہلے کسی کو بھیجتا کہ دیکھو محمد بن مسلمہ ہیں یا نہیں؟ اگر وہ اپنے کسی کام سے گئے ہوتے تھے تو اپنے کام سے نکلتا اور اپنا کام کر کے فوراً گھر آجاتا، ایک بار حضرت سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو ایک جنازے میں دیکھ لیا تو شاخوں کے ساتھ اتنا مارا کہ ان شاخوں کو اس کے چہرہ اور سر پر ہی توڑ ڈالا، اور کہا اگر میں اس وقت تلوار پاتا تو تجھے تلوار سے مارتا۔

اس میں تمام ہی افراد مدینہ منورہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

حضرت سیدنا محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود مدنی ہیں۔

اس واقعے کو روایت کرنے والے راوی عبایۃ بن رفاعۃ رحمہ اللہ تعالیٰ عنہ مدنی ہیں۔

مروان اس وقت مدینے کا حاکم تھا۔

بن یامین مدینے میں مسلمان بن کر رہتا تھا، اسی لیے جنازے میں شریک تھا اور وہیں حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو وہیں مارا تھا۔

یہ تمام شواہد اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ یہ واقعہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دربار (جو ملک شام میں تھا) میں پیش نہیں آیا تھا بلکہ مروان کے سامنے مدینے میں ہوا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ تو بے مثل تھا (جس کی کچھ مثالیں ہم ابھی ابھی فیضی کے سیٹھ صاحب کے حوالے سے ذکر کر چکے ہیں۔) وہ کہاں اس بات کو برداشت کرتے، لیکن بے فیضی زبردستی اس واقعے کو انہی کی طرف منسوب کرنا چاہتا ہے حالانکہ اکابر ائمہ اہلسنت نے اس بات کی تصریح فرمائی ہے اگر بالفرض اس طرح کے واقعات ثابت بھی ہوں تو ان کی تاویل کی جائے گی، جیسا کہ اس مقام پر امام مجتہد تاج الدین سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کی، پھر یہاں تو واقعہ کی نسبت مروان کی طرف ہونے کے واضح شواہد موجود ہیں اور سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف نسبت میں انقطاع ظاہر ہے۔

سود کی تہمت کا جواب

امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں:

عن أبي قلابة، قال: كنت بالشام في حلقة فيها مسلم بن يسار، فجاء أبو الأشعث

قال: قالوا أبو الأشعث أبو الأشعث. فجلس. فقلت له: حدث أخانا حديث عبادة بن الصامت. قال: نعم. غزونا غزاة وعلى الناس معاوية فغنمنا غنائم كثيرة. فكان فيما غنمنا آنية من فضة. فأمر معاوية رجلا أن يبيعها في أعطيات الناس. فتسارع الناس في ذلك. فبلغ عبادة بن الصامت. فقام فقال: إني سمعت رسول الله -صلى الله تعالى عليه وآله وسلم- ((ينهى عن بيع الذهب بالذهب والفضة بالفضة والبر بالبر والشعير بالشعير والتمر بالتمر والملح بالملح إلا سواء بسواء عينا بعين فمن زاد أو ازداد فقد أربى.)) فرد الناس ما أخذوا فبلغ ذلك معاوية. فقام خطيبا. فقال: ألا ما بال رجال يتحدثون عن رسول الله -صلى الله تعالى عليه وآله وسلم- أحاديث قد كنا نشهده ونصحبه فلم نسمعها منه. فقام عبادة بن الصامت فأعاد القصة. ثم قال: لنحدثن بما سمعنا من رسول الله -صلى الله تعالى عليه وآله وسلم- وإن كره معاوية -أو قال وإن رغم- ما أبالي أن لا أصحبه في جنده ليلة سوداء.

''ابو قلابہ کہتے ہیں: میں شام میں لوگوں کے ایک حلقے میں بیٹھا ہوا تھا، جس میں مسلم بن یسار بھی تھے، اتنے میں ابو الاشعث آ گئے، راوی کہتے ہیں لوگوں نے کہا: ابو الاشعث آ گئے، جب وہ بیٹھ گئے تو میں نے ان سے کہا: ہمارے بھائیوں کو حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سنائیں، انہوں نے کہا: اچھا! ہم ایک جہاد میں گئے، جس میں لشکر کے حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سردار تھے، ہم کو بہت سا مالِ غنیمت حاصل ہوا جس میں چاندی کا ایک برتن بھی تھا، حضرت معاویہ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ لوگوں کی تنخواہ میں اس کو فروخت کر دیں، لوگوں نے اس کو لینے میں جلدی کی، حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ خبر پہنچی تو انہوں نے اٹھ کر کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے، آپ نے سونے کی بیع سونے کے عوض، چاندی کی بیع چاندی کے عوض، گندم کی گندم کے عوض، جو کی جو کے عوض، کھجور کی کھجور کے عوض اور نمک کی نمک کے عوض بیع سے منع فرمایا ہے، البتہ جو برابر برابر اور نقد بہ نقد ہو، سو جس نے زیادہ دیا یا زیادہ لیا

وہ سود ہو گیا، پس جو لوگوں نے جو کچھ لیا تھا، وہ واپس کر دیا، حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک یہ خبر پہنچی تو انہوں نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور فرمایا: ان لوگوں کا کیا حال ہے؟ جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی ایسی احادیث بیان کرتے ہیں، حالانکہ ہم بھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے اور آپ کی مجلس میں رہے۔ اور ہم نے آپ سے ایسی احادیث نہیں سنیں، حضرت عبادہ نے کھڑے ہو کر پھر قصہ دہرایا اور کہا: ہم نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے جو احادیث سنی ہیں ہم ضرور بیان کریں گے، خواہ حضرت معاویہ کو ناپسند ہو، یا کہا: خواہ ان کی ناک خاک آلود ہو، مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں کہ میں معاویہ کے لشکر کی تاریک راتوں میں اس کے ساتھ نہ رہوں''۔

(صحیح مسلم ترجمہ از علامہ سید غلام رسول سعیدی رحمہ اللہ تعالیٰ)

علامہ غلام رسول سعیدی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

''غالباً حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مطلب یہ تھا کہ چاندی کے برتن کی بیع زیادہ چاندی کے عوض جائز ہے، اور وہ زیادتی اس برتن کی بناوٹ کے عوض ہوگی۔ علامہ ابن رشد نے لکھا ہے کہ جمہور کا اس پر اجماع ہے کہ خالص سونا، سونے کے سکے ہوں یا سونے کی مصنوعات ہوں ان میں بعض کی بعض کے ساتھ زیادتی سے بیع جائز نہیں ہے، البتہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سونے کی مصنوعات کی سونے کے ساتھ بیع میں زیادتی جائز قرار دیتے ہیں، اور زیادتی کو بناوٹ کے عوض کی طرف راجع کرتے ہیں''۔ (شرح صحیح مسلم جلد ۴ ص ۴۰۲)

قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ویحتمل أن معاویة لم یبلغه هذه السُنة إنما یری إنکاره لها.

''اس بات کا احتمال ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک یہ حدیث نہ پہنچی ہو، اسی وجہ سے آپ نے اس کا انکار فرمایا''۔ (اکمال المعلم ج ۵ ص ۲۶۸)

امام زرقانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس طرح کے سودے میں حرج نہ سمجھنے کی وجہ یا تو اس لیے تھی کہ انہوں نے ممانعت کو سانچے میں ڈھلے ہوئے سونے پر محمول کیا جس پر تعامل جاری تھا، یا وہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی طرح ربا بالفضل کو ناجائز نہیں سمجھتے

تھے۔ (زرقاني على المؤطا ج ٣ ص ٣٨٣ رقم ١٣٦٤ باب بيع الذهب بالفضة تبرا وعينا)

امام حافظ ابو الولید الباجی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث پر بڑی تفصیل کے ساتھ گفتگو فرمائی ہے ان کی عبارت اور ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

ما ذهب إليه معاوية من بيع سقاية الذهب بأكثر من وزنها يحتمل أن يرى في ذلك ما رآه ابن عباس من تجويز التفاضل في الذهب نقدا ويحتمل أن يكون لا يرى ذلك ولكنه جوز التفاضل بين المصوغ منه وغيره لمعنى الصياغة

''حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سونے کے برتن کو اس کے وزن سے زیادہ سونے کے بدلے بیچنے کے جواز کی طرف گئے ہیں یہ اس بات کا احتمال رکھتا ہے کہ آپ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرح جب سونا نقدا بیچا جائے تو زیادہ سونے کے بدلے بیچنے میں ناجائز نہ سمجھتے ہوں، اور یہ بھی احتمال ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کو ناجائز ہی سمجھتے ہوں لیکن جب مصوغ کو غیر مصوغ کے بدلے بیچا جائے تو اس میں تفاضل کو جائز سمجھتے ہوں کیونکہ ایک میں بنوائی کی زیادتی پائی جا رہی ہے''۔

مزید فرماتے ہیں:

وقول أبي الدرداء سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم ينهى عن مثل هذا أنكر عليه فعله من تجويزه التفاضل في الذهب واحتاج إلى الاحتجاج بنهي النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم عن مثل ذلك، لأن معاوية من أهل الفقه والاجتهاد فليس لأبي الدرداء صرفه عن رأيه الذي روى إلا بدليل وحجة بينة وقد روى ابن أبي مليكة قيل لابن عباس هل لك في أمير المؤمنين معاوية ما أوتر إلا بواحدة قال أصاب إنه فقيه

''اور حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس سے منع کرتے ہوئے سنا ہے۔ یہ اس لیے تھا کہ وہ اس سے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سونے کی بیع میں زیادتی کے جواز کے قول کا انکار کریں، اور اس بات کے لیے آپ کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ممانعت فرمانے سے استدلال کی ضرورت ہوئی

کیونکہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ اہل فقہ واجتہاد میں سے تھے، وہ فقط حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذاتی رائے کی وجہ سے اپنی رائے سے رجوع کرنے والے نہیں تھے، وہ دلیل اور روشن حجت کے ذریعے ہی رجوع کرنے والے تھے، ابن ابی ملیکہ روایت کرتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے عرض کی گئی آپ امیر المؤمنین حضرت معاویہ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں وہ ایک رکعت وتر ادا کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: وہ درستی پر ہیں کیونکہ وہ فقیہ ہیں''۔

مزید فرماتے ہیں:

وقول معاوية ما أرى بمثل هذا بأسا يحتمل أن يرى القياس مقدما على أخبار الآحاد على ما روى عن مالك. وذلك لما يجوز على الراوى من السهو والغلط والصواب تقديم خبر الواحد العدل. لأن السهو والغلط يجوز فيه على الناظر المجتهد أكثر مما يجوز على الناقل الحافظ الفقيه. وقد بينت ذلك فى أحكام الفصول ويحتمل أن يرى تقديم أخبار الآحاد إلا أنه حمل النهى على المضروب بالمضروب دون المصوغ بالمضروب ورأى أن الصياغة معنى زائد ويجوز أن يكون عوضا للفضل على حسب ما يقول أبو حنيفة فيمن باع مائة دينار فى قرطاس بمائتى دينار أن ذلك جائز ويجعل القرطاس عوضا للمائة الأخرى.

''اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ''میں اس طرح کے سودے میں حرج نہیں سمجھتا'' میں احتمال ہے کہ آپ قیاس کو خبر واحد پر مقدم سمجھتے ہوں، جیسا کہ امام مالک سے بھی مروی ہے، اور یہ اس وجہ سے کہ راوی پر سہو اور غلطی کا طاری ہونا ممکن ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ عادل راوی کی خبر مقدم ہے اس لیے سہو اور غلطی کا امکان ناظر مجتہد پر اس ناقل سے زیادہ ہے جو حافظ فقیہ ہے۔ اس بات کو میں نے احکام الفصول میں میں بیان کیا ہے، اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ وہ خبر واحد کی تقدیم ہی کے قائل ہوں، مگر اس ممانعت کو وہ اس صورت پر محمول کرتے ہوں جس میں ڈھلے ہوئے سونے کو ڈھلے ہوئے سونے کے بدلے بیچا جائے اس صورت میں ممانعت نہ سمجھتے ہوں جب سونا ڈھلا ہوا ہو اور اس کو کسی سانچے میں ڈھلے ہوئے

سونے کے بدلے بیچا جائے اور ان کی رائے یہ ہو کہ جو بناوٹ ہے وہ ایک زائد امر ہے جو دوسری طرف سے ملنے والی زیادتی کے مقابل ہو جائے گا، جیسا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: جس نے سو دینار ایک کاغذ کے ساتھ دو سو دینار کے بدلے بیچے تو یہ جائز ہے اور جو دوسری طرف سے سو دینار زائد ہیں وہ اس کاغذ کے عوض ہو جائیں گے"۔

مزید فرماتے ہیں:

وقول أبي الدرداء من يعذرني من معاوية أنا أخبره عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم ويخبرني عن رأيه أنكار منه على معاوية التعلق برأي يخالف النص ولم يحمل ذلك من معاوية على التأويل وإنما حمله منه على رد الحديث بالرأي إما لأنه لم يرد بقوله عن مثل هذا إلا المصوغ بالمضروب وفيه نقل النهي فيمتنع التأويل والتخصيص وإما لأنه حمل قول معاوية ما أرى بمثل هذا بأسا على تجويز التفاضل بين الذهبين في الجملة دون تفصيل وأما التأويل فلا خلاف في جوازه وفيما قاله أبو الدرداء تصريح بأن أخبار الآحاد مقدمة على القياس والرأي وقوله لا أساكنك بأرض أنت فيها مبالغة في الإنكار على معاوية وإظهار لهجره والبعد عنه حين لم يأخذ بما نقل إليه من نهي النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم ويظهر الرجوع عما خالفه.

"اور حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان میرے لیے معاویہ کی طرف سے کیا عذر ہوگا کہ میں ان کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بات کی خبر دے رہا ہوں اور وہ مجھے اپنی رائے بتا رہے ہیں۔ یہ ان کا حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ایسی رائے سے دلیل پکڑنے کی وجہ سے انکار ہے جو نص کے خلاف ہے، اور آپ نے حضرت معاویہ کی اس بات کو تاویل پر محمول نہیں کیا، بلکہ اس کو رائے کے ذریعے حدیث کو رد کرنے پر محمول کیا، یا تو اس لیے کہ حضرت معاویہ نے اپنے قول "اس کی مثل میں حرج نہیں سمجھتا" سے سانچے میں ڈھلا ہوا سونا لیا تھا، اور اس بارے میں نہی منقول ہے تو تاویل اور تخصیص ممنوع ہوگئی، یا پھر آپ نے حضرت معاویہ کے قول "میں اس کی مثل میں حرج نہیں سمجھتا" کو مطلقا بغیر کسی تفصیل کے

سونے کو سونے کے بدلے زیادتی کے ساتھ بیچنے پر محمول کیا، بہر حال تاویل کے جواز میں تو کوئی اختلاف نہیں، اور جو کچھ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا یہ اس بات میں صریح ہے کہ اخبارِ آحاد قیاس اور رائے پر مقدم ہیں، اور آپ کا یہ فرمان کہ میں اس زمین میں نہیں رہوں گا جس میں آپ ہوں گے، یہ حضرت معاویہ پر انکار اور ان کو چھوڑنے اور ان سے دوری اختیار کرنے میں مبالغہ کرنا ہے، اس لیے کہ آپ نے اس کو اختیار نہ کیا جس کی ممانعت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کی، اور جو مخالفت آپ نے کی اس سے رجوع بھی آپ کا ظاہر نہ ہوا''۔

مزید فرماتے ہیں:

وقوله ثم قدم أبو الدرداء على عمر بن الخطاب فذكر ذلك له على معنى رفع ما ينكر إلى الإمام إذا لم يستطع على تغيير المنكر عنده فكتب عمر بن الخطاب إلى معاوية أن لا يبيع ذلك إلا وزنا بوزن على حسب ما يجب على الإمام من أمر حكامه بالحكم بالحق والتبصير لهم بصواب الأحكام (إلى أن قال) ولم ينكر عمر رضى الله عنه على معاوية ما راجع به أبو الدرداء لما احتمل من التأويل على ما قدمناه والله أعلم وأحكم.

''اور پھر حضرت ابو الدرداء، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس آئے اور یہ تمام معاملہ ذکر کیا، یہ اس طور پر ہے کہ امام تک وہ خرابی پہنچائی جائے جو اس کے نزدیک برائی ہے اور اس کو بدلنے پر قدرت نہیں رکھتا، تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف لکھ کر بھیجا کہ سونا برابر برابر ہی بیچا جائے، جیسا کہ امام پر واجب ہے کہ اپنے حکام کو حق بات کا حکم دے اور درست احکام کی طرف ان کی رہنمائی کرے اور حضرت عمر نے حضرت معاویہ پر اس بات کا انکار نہیں کیا جس کے ذریعے حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ان کے ساتھ مراجعت کی تھی کیونکہ اس میں تاویل کا احتمال تھا جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں''۔ (المنتقی ج ٤، ص ٢٦٢)

حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وكان معاوية يذهب إلى أن النهي والتحريم إنما ورد من رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم في الدينار المضروب والدرهم المضروب لا في التبر من الذهب والفضة بالمضروب ولا في المصوغ بالمضروب. وقيل: إن ذلك إنما كان منه في المصوغ خاصة والله أعلم" حتى وقع له مع عبادة ما يأتي ذكره في هذا الباب وقد سأل عن ذلك أبا سعيد بعد حين فأخبره عن النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم بتحريم التفاضل في الفضة بالفضة والذهب بالذهب تبرهما وعينهما وتبر كل واحد منهما بعينه.

وإنما كان سؤاله أبا سعيد استثباتا لأنه كان يعتقد أن النهي إنما ورد في العين ولم يكن والله أعلم علم بالنهي حتى أعلمه غيره وخفاء مثل هذا على مثله غير نكير لأنه من علم الخاصة وذلك موجود لغير واحد من الصحابة.

''حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب یہ تھا کہ ممانعت اور حرمت، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف سے محض اس صورت کے ساتھ ہے جب ڈھلے ہوئے دینار اور ڈھلے ہوئے درہم ہوں نا کہ بنا ڈھالے سونے اور چاندی کو ڈھالے ہوئے سونے چاندی کے بدلے بیچا جائے یا مخصوص سانچے میں ڈھالے ہوئے کو صرف ڈھالے گئے سونے چاندی کے بدلے بیچا جائے، اور کہا گیا ہے کہ آپ کی طرف سے اجازت اس صورت میں تھی جب کہ سونا کسی سانچے میں ڈھال لیا گیا ہو، پھر آپ کا اس حوالے سے حضرت سیدنا عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ بھی معاملہ پیش آیا تھا جس کا ذکر اس باب میں آئے گا اور آپ نے حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس بارے میں سوال کیا تو انہوں نے آپ کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے اس بات کی خبر دی سونے کے بدلے سونے میں زیادتی چاندی کے بدلے چاندی میں زیادتی چاہے پترے کی صورت میں ہو ان دونوں کا عین ہو یا ان دونوں میں ہر ایک پترے کی صورت میں ہو حرام ہے۔ آپ کا حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سوال کرنا اطمئنان حاصل کرنے کے لیے تھا اس لیے کہ آپ یہ سمجھتے تھے کہ ممانعت محض اس صورت پر وارد ہے جب کہ سونے کا عین ہو، (یعنی ڈھلا ہوا نہ ہو) واللہ اعلم آپ ممانعت کے

بارے میں نہیں جانتے یہاں تک کہ دوسروں نے آپ کو بتایا اور اس طرح کی بات کا علم نہ ہونا کوئی عجب بات نہیں کہ یہ خاص لوگوں کا علم ہے اور اس طرح کی بات کا نہ جاننا کئی صحابہ کرام علیہم الرضوان کے ساتھ ہوا ہے"۔ (التمهيد لما في الموطا من المعاني والأسانيد ج ٤ ص ٧٣)

ان ائمۂ اہل سنت کی تصریحات سے واضح ہوگیا کہ اگر چہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول یہاں مقبول نہیں، لیکن یہ ان کا اجتہاد تھا اور اس میں یہ تنہا نہیں تھے بلکہ ابتداء حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی یہی قول کرتے تھے لیکن انہوں نے بعد میں رجوع کرلیا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گورنر باقی رکھنے اور اس بیع سے منع کرنے کا واضح معنی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اس قول سے رجوع کرلیا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول کرنا اپنے اجتہاد کی بنیاد پر تھا اور حدیث سننے کے بعد آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو مصبوغ اور غیر مصبوغ کے بدلے بیچنے پر محمول کیا۔

حافظ ابوعبد الملک مروان بن علی البونی الاسدی القرطبی القطان البرقی المالکی التوفی ۴۴۰ھ لکھتے ہیں:

وقوله ما أرى بهذا بأسا بعد أن قال له أبو الدرداء: سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم ينهى عن مثل هذا: إنما ظن به الوهم في التأويل وفي قول أبي الدرداء ما يدل على ذلك لأنه قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم ينهى عن مثل هذا ولم يقل عن هذا

"حضرت امیر معاویہ حضرت نے سیدنا ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ سنا: "میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی مثل سے منع کرتے ہوئے سنا ہے" اس کے بعد یہ کہنا کہ میں اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتا یہ تاویل کے وہم کی وجہ سے تھا خود حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول میں اس تاویل کی گنجائش موجود ہے کیونکہ انہوں نے یوں کہا تھا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی "مثل" سے منع کرتے ہوئے سنا ہے یہ نہیں کہا "اس سے" منع کرتے ہوئے سنا ہے"۔ (تفسير الموطا للبوني ج ٢ ص ٧٦٣)

ان تمام ائمۂ اہلسنت کی تصریحات سے واضح ہوگیا:

(۱) یا تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ حدیث پہنچی ہی نہیں تھی۔

(۲) یا پھر اس بات کا احتمال ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس حدیث کا معنی یہ سمجھتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جو سونے کو کمی زیادتی کے ساتھ بیچنے سے منع فرمایا ہے اس سے مراد وہ سونا ہے جو ابھی ڈھالا نہ گیا ہے اگر وہ ڈھال لیا گیا یا کسی ڈیزائن میں بنالیا گیا تو اس سے منع نہیں فرمایا۔

(۳) اس بات کا بھی احتمال ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک جو بنوائی ہے وہ دوسری طرف سے ملنے والی زیادتی کے مقابل آجائے گی۔

(۴) اس بات کا بھی احتمال ہے کہ آپ حضرت سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی طرح صرف ربا النسیئۃ کو حرام سمجھتے ہوں ربا الفضل کو حرام نہ سمجھتے ہوں۔

(۵) اس طرح کی بات کا مخفی رہ جانا کوئی انوکھی بات نہیں، ایسا کئی صحابہ کرام علیہم الرضوان کے ساتھ ہوا۔

(۶) حضرت سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک جب یہ بات پہنچی تو آپ نے حضرت امیر معاویہ کو یہ معاملہ کرنے سے منع فرمایا لیکن عہدے پر برقرار رکھا جس کا واضح مطلب ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی سمجھتے تھے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ بات تاویل کی وجہ سے کہہ رہے ہیں ورنہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کبھی آپ کو گورنری پر باقی نہ رکھتے۔

(۷) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب منع فرمادیا اور آپ کو عہدے پر بھی باقی رکھا اس سے واضح ہوا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے مؤقف سے رجوع کرلیا۔

(۸) حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اہل فقہ واجتہاد میں سے تھے۔

یہ تو ائمہ اہلسنت کے کلام کا خلاصہ تھا، اب ذرا فیضی کے الفاظ ان حضرات کے لیے ملاحظہ فرمائیں موصوف لکھتے ہیں: ”بعض زائغین یا دافعین نے دفاع کرتے ہوئے کئی ٹامک ٹوئیاں کھائی ہیں، کسی نے کہا: وہ اس صورت میں سود نہیں سمجھتے تھے، گویا یہ کہہ کر ایسے لوگ انہیں منصب اجتہاد پر دکھلانا چاہتے ہیں، کسی نے کہا وہ حدیث کو نہیں جانتے تھے۔۔۔الخ“۔

موصوف کچھ تو خدا کا خوف کریں! کیا امام ابو الولید الباجی، امام زرقانی، امام ابن عبد البر، امام بونی، اور علامہ غلام رسول سعیدی صاحب رحمہم اللہ تعالیٰ سب زائغین یعنی راہ سے ہٹے ہوئے ہیں؟

لگے رہیں اپنے کام پر اور امت کے جس عالم نے بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دفاع کیا ہو اس کو زائغ، وکیلِ معاویہ، وغیرہ کہتے رہیں۔

ہم بھی پھر آپ جیسوں کے لیے یہی کہیں گے، من یکن یطعن فی معاویہ فھو کلب من کلاب الھاویة

کسی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حدیث کا علم نہ ہونا کس بات کی دلیل ہے۔؟

ایسا کئی بار واقع ہوا کہ ایک حدیث اجلہ صحابۂ کرام علیہم الرضوان کے علم میں نہیں تھی، جبکہ کم عمر اور بعد میں ایمان قبول کرنے والے صحابۂ کرام علیہم الرضوان کے علم میں تھی، یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ اکابر صحابہ کے علم میں کوئی نقص واقع ہوا یا شان میں کمی آئی، ہر بات کے جاننے کا علم کوئی نہیں کرتا تھا۔ چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں پھر فیضی بے فیض کا کلام ذکر کریں گے۔

مثال اول: قبیصہ بن ذؤیب راویت کرتے ہیں:

"جاءت الجدة إلى أبي بكر الصديق تسأله ميراثها. فقال: ما لك في كتاب الله تعالى شيء، وما علمت لك في سنة نبي الله -صلى الله تعالى عليه وآله وسلم- شيئا فارجعي حتى أسأل الناس. فسأل الناس فقال المغيرة بن شعبة: حضرت رسول الله -صلى الله تعالى عليه وآله وسلم- أعطاها السدس. فقال أبو بكر: هل معك غيرك؟ فقام محمد بن مسلمة فقال مثل ما قال المغيرة بن شعبة. فأنفذه لها أبو بكر

''ایک دادی حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس اپنے لیے میراث میں سے حصے کے لیے سوال کرنے کے لیے آئی، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میں تیرے لیے نہ کتاب اللہ میں کوئی چیز پاتا ہوں نہ اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سنت میں کوئی چیز پاتا ہوں، تو لوٹ جا میں لوگوں سے اس حوالے سے سوال کروں گا، پھر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں سے معلوم کیا تو حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر تھا، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جدہ کو سدس دیا تھا۔ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: کیا تمہارے ساتھ کوئی اور بھی ہے (جو اس بات کی گواہی دے)؟ تو حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کھڑے ہوئے اور انہوں نے وہی بات بیان کی جو مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کی تھی، تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے لیے سدس کا حکم ارشاد فرمایا''۔

(سنن أبي داود ج ٣ ص ٤٠٩ رقم ٢٨٨٦ باب في الجدة)

امام ابو الولید الباجی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وقول أبي بكر للمغيرة لما أخبره بقضاء رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم في ذلك هل معك غيرك على معنى التثبت وطلب تقوية غلبة الظن لا على معنى رد حديثه، لأن المغيرة من فضلاء الصحابة وفقهائهم فلا يرد حديث مثله، ولو لم يوجد معه غيره لأمضاه أبو بكر، ولكنه طلب رواية غيره في ذلك ليعلم الاتفاق عليها، لأن ذلك أبعد من السهو والغلط، وربما وجد ما يعدل به عن ظاهره بالتأويل.

''جب حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلے کے بارے میں حضرت سیدنا ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بتایا تو اس پر آپ کا حضرت سیدنا مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ کہنا: کیا تمہارے ساتھ کوئی دوسرا بھی ہے؟ یہ اس وجہ سے تھا تا کہ تثبت حاصل ہو اور غلبۂ ظن کو تقویت ملے، اس وجہ سے نہیں تھا کہ آپ ان کی حدیث کو رد کر رہے تھے، کیونکہ حضرت مغیرہ تو فاضل وفقہاء صحابہ میں سے تھے، ان کی مثل کی حدیث رد نہیں کی جاتی، اگر ان کے علاوہ کوئی اور نہ ملتا تو بھی سیدنا ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ فیصلہ جاری کر دیتے، آپ نے کسی اور کی روایت کو اس لیے طلب کیا تا کہ اس پر اتفاق کا علم حاصل ہو کیونکہ یہ بات سہو اور غلطی سے دور کرنے والی ہے، اور بعض اوقات وہ بات بھی کی جاتی ہے جس کے سبب تاویل کرتے ہوئے ظاہر سے عدول کیا جاتا ہے''۔ (المنتقى ج ٦ ص ٢٣٨)

مثال ثانی: عبید اللہ بن عمیر رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں:

أن أبا موسى الأشعري استأذن على عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه، فلم يؤذن له، وكأنه كان مشغولا. فرجع أبو موسى، ففرغ عمر. فقال: ألم أسمع صوت عبد الله بن قيس، ائذنوا له، قيل: قد رجع فدعاه، فقال: كنا نؤمر بذلك، فقال: تأتيني على

ذلك بالبينة، فانطلق إلى مجلس الأنصار، فسألهم، فقالوا: لا يشهد على هذا إلا أصغرنا أبو سعيد الخدري، فذهب بأبي سعيد الخدري، فقال عمر: أخفي هذا على من أمر رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم؟ ألهاني الصفق بالأسواق. يعني الخروج إلى تجارة

''حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے داخل ہونے کی اجازت چاہی تو ان کو اجازت نہیں دی گئی کیونکہ آپ مشغول تھے، حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ لوٹ گئے، جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فارغ ہوئے تو فرمایا: میں نے عبداللہ بن قیس (ابوموسی اشعری) کی آواز نہیں سنی تھی، انہیں بلاؤ، بتایا گیا وہ تو چلے گئے ہیں، آپ نے ان کو بلوایا، حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: ہمیں اسی بات کا حکم دیا گیا ہے (جب کسی کے یہاں داخلے کی اجازت نہ ملے تو واپس لوٹ جاؤ) اس پر حضرت سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اس حدیث پر گواہ لے کر آؤ، حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ انصار کی مجلس میں آئے اور ان سے حدیث کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے کہا: اس پر تو ہمارے سب سے کم عمر یعنی حضرت ابوسعید الخذری گواہی دیں گے، آپ، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو لے کر گئے (انہوں نے گواہی دی) تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: کیا مجھ پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہ معاملہ پوشیدہ رہ گیا؟ مجھے بازار میں کام کاج نے مشغول رکھا۔ یعنی تجارت کی مصروفیت نے''۔ (صحیح البخاري ج ۳ ص ۵۵ رقم ۲۰۶۲)

علامہ مفتی شریف الحق امجدی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: کتاب الاعتصام اور مسلم میں یہ بھی ہے، ورنہ تمہارے ساتھ یہ کرونگا تمہیں سزا دوں گا، اس سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقصود یہ نہیں تھا کہ خبرِ واحد مقبول نہیں، بلکہ چونکہ خود حضرت عمر بارگاہ رسالت کے حاضر باش تھے اور اسے نہ سنا تھا تو حیرت ہوئی اور مزید توثیق کے لیے یہ فرمایا موطا میں ہے: لا اتہمک میں تمہیں جھوٹا نہیں جانتا، اس سے یہ ضرور ثابت ہوا کہ خبر واحد مفید ظن ہے مفید یقین نہیں، مگر اب یہ سوال رہ جاتا ہے کہ حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اجلہ صحابۂ کرام اور خصوصی معتمدین میں سے تھے خود حضرت

عمر نے انہیں عامل بنایا، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں صدقات وصول کرنے کے لیے بھیجا، پھر حضرت عمر نے ان کی بات پر اعتماد کیوں نہیں کیا۔ بلکہ اس کی تائید نہ لانے کی صورت میں سزا کی بھی دھمکی دی۔ ہوسکتا ہے کہ اس وقت حضرت عمر کی خدمت میں کچھ نومسلم دوسرے بلاد کے رہے ہوں انہیں متنبہ کرنا مقصود رہا ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے روایت اتنی آسان نہیں، کہ جو چاہے کہہ دے اور مان لی جائے، تاکہ ان میں جو دل کے بیمار ہوں انہیں جرأت نہ ہو۔ کتاب الاستئذان میں ہے کہ یہ کہنے والے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، انہوں نے جو فرمایا کہ اس کی گواہی ہم میں جو سب سے چھوٹا ہے وہ دے گا یہ اظہار حیرت کے لیے کہ یہ حدیث بہت مشہور ومعروف ہے، تقریباً ہر شخص کو معلوم ہے یہاں تک کہ ہمارے چھوٹے بچوں کو بھی اور حضرت عمر اسے نہیں جانتے حالانکہ حضرت عمر کے علم کا عالم یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اگر عمر کا علم ایک پلڑے میں ہو اور پوری زمین کے زندہ افراد کا علم دوسرے پلڑے میں تو حضرت عمر کا علم بڑھ جائے گا۔

(نزہۃ القاری ج ۳ ص ۴۳۸)

فتح الباری میں ہے:

وفيه أن الصحابي الكبير القدر الشديد اللزوم لرسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم قد يخفى عليه بعض أمره ويسمعه من هو دونه

''اس حدیث میں اس بات پر دلیل ہے کہ جلیل القدر صحابی جنہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بہت زیادہ صحبت ملی، ان پر بھی نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بعض معاملات مخفی رہ جاتے ہیں اور جو ان سے مرتبے میں کم ہوتے ہیں وہ اس کو سن چکے ہوتے ہیں''۔ (فتح الباري ج ٤ ص ٣٤٥ باب الخروج في التجارة)

مثال ثالث: امام ترمذی وغیرہ محدثین روایت کرتے ہیں:

عن ابن مسعود، أنه سئل عن رجل تزوج امرأة ولم يفرض لها صداقا ولم يدخل بها حتى مات، فقال ابن مسعود: لها مثل صداق نسائها، لا وكس، ولا شطط، وعليها العدة، ولها الميراث، فقام معقل بن سنان الأشجعي، فقال: قضى رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم في بروع بنت واشق امرأة منا مثل الذي قضيت،

ففرح بها ابن مسعود.

''حضرت سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک ایسے شخص کے بارے میں سوال کیا جس نے کسی عورت سے نکاح کیا، نہ اس کا مہر مقرر کیا اور نہ ہی اس سے صحبت کی یہاں تک کہ انتقال کر گیا، تو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اس عورت کے لیے اس کے خاندان کی عورتوں کی مثل مہر ہوگا نہ کم نہ زیادہ، اور اس پر عدت بھی ہوگی اور اس کے لیے میراث بھی ہوگی، حضرت معقل بن سنان الاشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے اور فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بروع بنت واشق جو ہمارے قبیلے کی خاتون ہیں ان کے بارے میں اسی کی مثل فیصلہ فرمایا تھا، اس پر حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت خوش ہوئے''۔

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وقال بعض أهل العلم من أصحاب النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم منهم: علي بن أبي طالب، وزيد بن ثابت، وابن عباس، وابن عمر، إذا تزوج الرجل المرأة، ولم يدخل بها ولم يفرض لها صداقا حتى مات، قالوا: لها الميراث، ولا صداق لها، وعليها العدة، وهو قول الشافعي، قال: لو ثبت حديث بروع بنت واشق لكانت الحجة فيما روي عن النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم وروي عن الشافعي، أنه رجع بمصر بعد عن هذا القول، وقال بحديث بروع بنت واشق.

''نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کے اصحاب میں سے بعض اہل علم جن میں حضرت سیدنا علی بن ابی طالب، حضرت سیدنا زید بن ثابت، حضرت سیدنا ابن عباس اور حضرت سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم شامل ہیں ان کا فرمانا ہے کہ جب کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کرے اور اس سے صحبت نہ کی ہو اور اس عورت کے لیے کوئی مہر مقرر نہ کیا گیا ہو یہاں تک وہ شخص مر گیا تو اس عورت کو میراث میں سے حصہ ملے گا لیکن اس کے لیے مہر نہیں ہے، اور اس پر عدت ہوگی، یہی امام شافعی کا قول ہے، آپ فرماتے ہیں: اگر بروع بنت واشق کی حدیث ثابت ہو تو یہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہونے کے سبب حجت ہوگی، اور

امام شافعی کے بارے میں مروی ہے کہ جب آپ مصر پہنچے تو اپنے اس قول سے رجوع کر لیا تھا اور حضرت بروع بنت واشق رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث کے مطابق قول کیا''۔

(جامع الترمذی ج ۳ ص ۲۹۳-۲۹۴ رقم ۱۱٤٥ باب ما جاء في الرجل يتزوج المرأة فيموت.... إلخ)

شیخ محقق رحمہ اللہ تعالیٰ لمعات التنقیح میں لکھتے ہیں:

ومذهب علي وجماعة من الصحابة -رضي الله تعالى عنهم- في هذه المسألة أنه لا مهر لها لعدم الدخول، وللشافعي فيه قولان، أحدهما كقول علي -رضي الله تعالى عنه-. والآخر كقول ابن مسعود -رضي الله تعالى عنه-. ومذهبنا مذهب ابن مسعود.

''حضرت علی اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک جماعت کا اس مسئلے میں یہ مذہب ہے کہ ایسی عورت کے لیے مہر نہیں، کیونکہ اس سے دخول نہیں ہوا، اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس بارے میں دو قول ہیں، ایک قول حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کی طرح اور دوسرا حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کی طرح، اور ہمارا مذہب وہی ہے جو سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب ہے''۔

مثال رابع: امام نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں:

اختلف أبو هريرة وابن عباس في المتوفى عنها زوجها إذا وضعت حملها قال أبو هريرة: تزوج. وقال ابن عباس: أبعد الأجلين، فبعثوا إلى أم سلمة فقالت: توفي زوج سبيعة فولدت بعد وفاة زوجها بخمسة عشر نصف شهر، قالت: فخطبها رجلان، فحطت بنفسها إلى أحدهما، فلما خشوا أن تفتات بنفسها، قالوا: إنك لا تحلين، قالت: فانطلقت إلى رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم، فقال: قد حللت فانكحي من شئت

''حضرت سیدنا ابو ہریرہ اور حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اس عورت کی عدت کے بارے میں اختلاف ہوا جس کے خاوند کا انتقال ہو گیا ہو (وہ حاملہ ہو) اور اس کو وضع حمل ہو جائے، حضرت ابوھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے: اب وہ نکاح کر سکتی ہے، اور حضرت ابن

عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے: وہ دونوں عدتوں میں سے زیادہ طویل عدت گزارے گی، لوگوں نے (کسی کو) حضرت سیدتنا ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس بھیجا تو انہوں نے فرمایا: سبیعہ کے شوہر انتقال کر گئے، اس کے انتقال کے پندرہ دن بعد ہی ان کے یہاں ولادت ہوئی، پھر دو افراد نے ان کا پیغامِ نکاح دیا، وہ ان دونوں میں سے ایک سے نکاح کرنے کی طرف مائل ہوئی، جب خاندان والوں نے اس بات کا خوف کیا کہ یہ تنہا اپنی رائے سے ایسا کرلیں گی تو انہوں نے کہا: تم ابھی حلال نہیں ہوئی (یعنی عدت میں ہو اس میں نکاح کرنا جائز نہیں) وہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئیں تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تو حلال ہو چکی، جس سے چاہے نکاح کر''۔

(سنن النسائي ج ٣ ص ٥٠٣ رقم ٣٥٠٩)

یہ حدیث مبارک حضرت سیدنا مسور بن مخرمہ، حضرت سیدنا حارث بن عمیلہ ابو السنابل رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے علم میں تھی۔ (سنن نسائی ج ٣ ص ٥٠١-٥٠٢ رقم ٣٥٠٧-٣٥٠٨)

ان تمام روایات سے واضح ہوا کہ بسا اوقات کوئی حدیث اکابر صحابہ کرام علیہم الرضوان پر مخفی رہ جاتی ہے، اور ان سے کم درجے والے صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس حدیث کا علم رکھتے تھے۔

ایسی بکثرت مثالیں کتب حدیث میں موجود ہیں۔

امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب ''المدخل إلی السنن'' میں ایک باب مکمل اس حوالے سے باندھا ہے: ''باب الدليل على أنه قد كان يعزب على المتقدم الصحبة الواسع العلم الشيء يعلمه غيره'' اس بات پر دلیل کا باب کہ کبھی قدیم صحابہ جو وسیع علم والے ہوتے ہیں ان پر بھی کوئی بات مخفی رہ جاتی ہے جو ان کے علاوہ دوسرے جانتے ہیں۔ پھر اس میں کثیر احادیث ذکر کی ہیں جو اکابر صحابہ کرام علیہم الرضوان پر مخفی رہ گئیں۔ (المدخل إلی السنن ج ١ ص ١٧٩-١٩٣)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

إن الوقائع الخاصة قد تخفى على الأكابر ويعلمها من دونهم

''بیشک مخصوص باتیں کبھی اکابر پر مخفی رہ جاتی ہیں اور جو ان سے درجے میں کم ہوتے ہیں وہ جانتے ہیں''۔ (فتح الباري ج ١٢ ص ٢٥١)

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ ایک حدیث مبارک جس کا حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو علم نہیں تھا اس پر لکھتے ہیں:

قال ابن عبد البر: هذا مع منزلته من العلم والفضل دليل على أن الجهل ببعض المعلومات لا يدخل نقيصة على العالم إن كان عالما بالسنن، إذ الإحاطة بجميع المعلومات لا سبيل إليها

''ابن عبد البر فرماتے ہیں: ان کا اپنی جلالت علمی اور فضلیت کے بعد اس بات کو نہ جاننا اس بات کی دلیل ہے کہ بعض باتوں کا نہ جاننا عالم میں کسی طرح کا نقص داخل نہیں کرتا، جب کہ وہ سنن کا عالم ہو، اس لیے تمام معلومات کا احاطہ کرنے کی کوئی سبیل نہیں''۔

(تنویر الحوالک ج۱ ص ۱۲۹ رقم ۸۹ باب الوضوء من مس الفرج)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

أن العالم الكبير قد يخفى عليه بعض ما يدركه من هو دونه لأن العلم مواهب والله يؤتي فضله من يشاء

''بیشک کبھی عالم کبیر پر بھی بعض وہ باتیں مخفی رہتی ہیں جو ان سے کم رتبے والے حاصل کر لتے ہیں، اس لیے کہ علم اللہ تعالیٰ کی عطا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنا فضل جس کو چاہے دیتا ہے''۔

(فتح الباري ج۱ ص ۱۷۹ رقم ۶۱)

حافظ ابن عبد البر لکھتے ہیں:

غير نكير أن يخفى على الصاحب والصاحبين والثلاثة السنة المأثورة عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم ألا ترى أن عمر في سعة علمه و كثرة لزومه لرسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم قد خفي عليه من توريث المرأة من دية زوجها وحديث دية الجنين فغيرهما أحرى أن تخفى عليه السنة في خواص الأحكام

''اور یہ کوئی غیر معروف بات نہیں کہ کسی ایک یا دو یا تین پر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ماثورہ مخفی رہ جائے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر آپ کے کثرت علم اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بہت زیادہ رہنے کے باوجود مخفی رہ

گیا کہ عورت اپنے شوہر کی دیت سے وارث بنائی جائے گی، اور پیٹ کے بچے کی دیت کی حدیث بھی مخفی رہ گئی تو ان کے علاوہ پر اور سنتیں جو خاص احکام میں سے ہیں بدرجۂ اولی مخفی رہ سکتی ہیں"۔ (التمہید ج۱ص۱٦٠)

اس تمام تر تحقیق سے واضح ہوگیا کہ اگر کسی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر کوئی حدیث مخفی رہ جائے تو اس کا معنی یہ نہیں کہ ان کے علم میں کسی طرح کا نقص ہو، بسا اوقات خلفائے راشدین سمیت اجلہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر بعض احادیث مخفی رہ گئیں، اور ان سے کم مرتبہ حضرات اس حدیث کو جانتے تھے، کیا یہ ان اجلہ صحابۂ کرام علیہم الرضوان پر طعن کا سبب بن جائے گا؟ ہرگز نہیں! اس لیے کہ تمام باتوں کا احاطہ کرنے کا دعوی کوئی نہیں کرسکتا۔

اجلہ ائمہ کے اقوال آپ سماعت فرما چکے اب متعصب ظہور فیضی کا تعصبِ معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملاحظہ فرمالیں، موصوف نے اولا سود والی حدیث ذکر کرنے کے بعد ہیڈنگ لگائی: "جہالت حاکم" حاکم سے مراد اس کی سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، پھر کچھ باتیں لکھنے کے بعد (جن کا جواب ہماری بیان کردہ تفصیلات میں گزر چکا ہے) لکھتے ہیں: "اس سے معلوم ہوا کہ اس باطل خرید وفروخت کے وقت لوگوں نے ھادیا مھدیا واھد بہ کی ہدایت پر نہیں بلکہ سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیش کردہ حدیث پر عمل کیا اس سے واضح ہوا کہ معاویہ کی رعایا کے کچھ لوگ ان سے زیادہ ہدایت پر تھے اور سیدنا عبادہ بن صامت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی رعایا میں سے ایک تھے" پھر اس کے بعد ہیڈنگ لگاتے ہیں: "کیا وہ جلیل القدر علماء میں سے تھے؟" اور لکھتے ہیں: صحیح مسلم کی اس حدیث سے "اللھم علمه الکتاب" اے اللہ معاویہ کو قرآن سکھادے کا بطلان بھی واضح ہوگیا اور یہ بھی ثابت ہوگیا کہ وہ جلیل القدر علماء میں سے نہیں تھے بلکہ دوسرے حضرات ان سے بڑے عالم تھے۔"

مولوی صاحب! حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فقیہ مجتہد ہونا خود حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا ہے، اجلہ ائمہ نے آپ کے اہلِ فقہ ومجتہد ہونے کو بیان کیا ہے، جس کی کئی نصوص گزر چکی۔

ثانیاً: فیضی کے اس قاعدے کے مطابق "اگر کسی کو کسی حدیث کا علم نہ ہو تو جلیل القدر عالم نہیں رہتا بلکہ دوسرے اس سے بڑھ کر عالم ہوجاتے ہیں" نتیجہ یہ نکلے گا: سیدنا ابو بکر صدیق، سیدنا عمر فاروق، سیدنا

عثمان غنی، سیدنا علی المرتضی سمیت اجلہ صحابۂ کرام علیہم الرضوان جلیل القدر عالم نہیں رہیں گے، اور حضرت مغیرہ بن شعبہ اور محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے، حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت سیدنا ابوسعید خدری اور انصار کے اکثر افراد رضی اللہ تعالیٰ عنہم سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے، حضرت بروع بنت واسق رضی اللہ تعالیٰ عنہا، مولائے کائنات اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے، حضرت مسور بن مخرمہ اور حضرت ابو السنابل حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بڑے عالم قرار پائیں گے۔ کیونکہ ان اکابر کو متعلقہ امور کی احادیث معلوم نہیں تھیں، جبکہ ان سے درجے میں کم صحابہ کو معلوم تھیں۔ نہ جانے فیضی صاحب بغض معاویہ میں کس کس کو جاہل بناتے جائیں گے اور کس کس کو جلیل القدر علما کے درجے سے نکالتے جائیں گے؟

بہتر یہی ہے کہ جس کے کلام سے اجلہ صحابہ بلکہ کسی بھی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تنقیص لازم آئے ہم اسی کو جاہل کہہ دیں۔

ثالثاً: انہیں کے قاعدے ''اگر کسی ایک صحابی کی بات پر عمل کیا جائے اور دوسرے کی بات پر عمل نہ کیا جائے تو دوسرے لوگ اور روایت کرنے والا اس دوسرے صحابی سے زیادہ ہدایت پر ہوتے ہیں'' کے مطابق نتیجہ یہ نکلے گا، کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور مولائے کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہ سمیت اجلہ صحابہ سے بڑھ کر وہ لوگ ہوں گے جن کے علم میں حدیث تھی اور ان کی بات دوسروں نے مانی مثلاً سیدنا علی المرتضی کرم اللہ تعالیٰ وجھہ کا مذہب غیر مدخولہ جس کا مہر مقرر نہیں ہوا تھا اور اس کے شوہر کا انتقال ہوگیا اس کو مہر نہیں ملے گا، جبکہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مؤقف یہ ہے کہ اسے مہر مثل ملے گا۔ یہی فیصلہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، اسی کو عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فتوے پر عمل کرتے ہوئے عوام نے قبول کیا، اور احناف نے بھی اسے قبول کیا امام شافعی کا قول جدید بھی یہی ہے، فیضی کے قاعدے کے مطابق نتیجہ نکلا عبد اللہ بن مسعود بلکہ بروع بنت واشق رضی اللہ تعالیٰ عنہما سیدنا مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہدایت میں بڑھ گئے، یونہی احناف نے مولائے کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہدایت کو نہیں بلکہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہدایت کو لیا۔

فیضی صاحب جو سادات کا مال کھانے کے لیے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعریف کرتے ہیں یہ نتیجہ قبول کریں گے؟ اگر نہیں تو کیوں؟

تاویل الاحادی

صحابۂ کرام علیہم الرضوان نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے جب کوئی بات سنتے تو دل وجان سے اس پر عمل کیا کرتے تھے، حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی جو احادیث نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے سنی تھیں نہ صرف اس پر خود عمل کرتے بلکہ دوسروں کو اس ترغیب بر سر منبر بھی دیا کرتے بلکہ خلوت میں بھی رہنمائی کرتے تھے۔ اس کی کئی مثالیں کتب حدیث میں موجود ہیں۔

البتہ جب کسی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس کسی دوسرے صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واسطے سے حدیث پہنچتی تو وہ عموماً اسے قبول ہی کیا کرتے تھے لیکن بسا اوقات اس پر گواہ طلب کرتے جیسے اوپر سیدنا صدیق اکبر اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا عمل گزرا، اور بعض اوقات دوسری دلیل کی وجہ سے ان پر اس بات کا ظن غالب ہوتا ہے کہ بیان کرنے والے نے بات کا محمل صحیح طرح سے سمجھا نہیں ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''الانصاف في أسباب الاختلاف'' میں صحابۂ کرام علیہم الرضوان کے مابین مختلف مسائل شرعیہ میں واقع ہونے والے اختلافات کی وجوہ ذکر کی ہیں، دوسری وجہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: صحابہ میں سے دو کے مابین کسی مسئلے میں مناظرہ ہو، پھر کسی ایک کی طرف سے حدیث آئے جس کی وجہ سے ظن غالب ہوجاتا ہے تو وہ مجتہد صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے مؤقف سے رجوع کر لیتے ہیں۔ اس کی مثال دیتے ہیں:

مثاله ما رواه الأئمة من أن أبا هريرة رضي الله تعالى عنه كان من مذهبه من مذهبه أنه من أصبح جنبا فلا صوم له حتى أخبرته بعض أزواج النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم بخلاف مذهبه فرجع

''اس کی مثال وہ حدیث ہے جسے ائمہ نے راویت کیا: حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اولاً مذہب یہ تھا کہ جو حالتِ جنابت میں صبح کرے گا وہ روزہ نہیں رکھ سکتا، پھر آپ کو بعض ازواج مطہرات نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے عمل کی خبر دی تو انہوں نے اپنے مؤقف سے رجوع کرلیا ہے''۔

تیسری وجہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ یہ بیان کرتے ہیں ان کو اس طرح وہ حدیث نہ پہنچی جس سے ظنِ غالب حاصل ہوتا تو وہ اپنے اجتہاد کو نہیں چھوڑتے بلکہ اس حدیث کا حدیث ہونا تسلیم

نہیں کرتے۔ اس کی مثال دیتے ہیں:

مثاله ما رواه أصحاب الأصول من أن فاطمة بنت قيس شهدت عند عمر بن الخطاب بأنها كانت مطلقة الثلاث فلم يجعل لها رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم نفقة ولا سكنى فرد عمر شهادتها وقال لا نترك كتاب الله بقول امرأة لا ندري أصدقت أم كذبت لها النفقة والسكنى

''فاطمہ بنت قیس نے حضرت سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے حدیث بیان کی کہ ان کو تین طلاق ہو چکی تھیں تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے نہ ان کے لیے نفقہ مقرر کیا اور نہ سکنی، تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی اس گواہی کو رد کر دیا اور فرمایا: ہم اللہ تعالیٰ کی کتاب کو ایک عورت کے قول کی وجہ سے نہیں چھوڑ سکتے، ہم نے جانتے کہ اس نے سچ کہا ہے یا خطا کی ہے، ایسی عورت کے لیے نفقہ بھی ہے اور سکنی بھی''۔

دوسری مثال دیتے ہیں: صحیحین کی حدیث ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب یہ تھا کہ جنبی جو پانی نہ پائے اس کو تیمم کفایت نہیں کرے گا، آپ کے پاس حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ حدیث بیان کی کہ ہم دونوں ایک سفر میں تھے اس دوران وہ جنبی ہو گئے تھے، تو انہوں نے مٹی میں لوٹ لگائی تھی، پھر اس کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ذکر کیا تھا تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا: تمہیں یہ بات کافی تھی کہ تم اس طرح کرتے، پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہاتھ زمین پر مارے اور اس سے اپنے چہرے اور ہاتھوں کا مسح کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس بات کو قبول نہیں کیا، اور ان کی بات حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک اس رائے کے برابر نہ ہو سکی جو آپ نے قائم کی ہوئی تھی۔ حتی کہ یہ حدیث دوسرے طبقہ میں طرق کثیرہ سے اتنی مشہور ہوئی کہ حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں طعن کا عیب تھا وہ کمزور تر ہو گیا اور بعد والوں نے اس حدیث کو اختیار کیا۔

(الانصاف في بيان أسباب الاختلاف ص ٢٥-٢٦)

اعلیٰ حضرت امام اہلسنت رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: حضراتِ عالیہ صحابہ کرام سے لے کر پچھلے ائمہ مجتہدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین تک کوئی مجتہد ایسا نہیں جس نے بعض احادیث صحیحہ کو مؤول یا مرجوح یا

کسی نہ کسی وجہ سے متروک العمل نہ ٹھہرایا ہو۔

امیر المؤمنین عمر فارق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حدیث عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ در بارہ تیمم جنب پر عمل نہ کیا۔ اور فرمایا۔ اِتق اللہ یا عمار کما فی صحیح مسلم۔ (اے عمار! اللہ سے ڈر، جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے)

یونہی حدیث فاطمہ بن قیس دربارہ عدم النفقہ والسکنی للمبتوتہ پر اور فرمایا: لانترك کتاب ربنا ولا سنة نبینا بقول امرأۃ لاندری لعلها حفظت ام نسیت رواہ مسلم ایضًا ہم اپنے رب کی کتاب اور اپنے نبی کی سنت کو ایک ایسی عورت کے قول سے نہیں چھوڑیں گے جس کے بارے میں ہم نہیں جانتے کہ اس نے یاد رکھا، یا بھول گئی، اس کو بھی مسلم نے روایت کیا۔

یوں ہی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حدیث مذکور تیمم پر، اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: اولم تر عمر لم یقنع بقول عمار کما فی الصحیحین کیا تم نے نہیں دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول پر قناعت نہیں کی، جیسا کہ صحیحین میں ہے۔

یونہی حضرت ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حدیث مذکور فاطمہ پر، اور فرمایا: مالفاطمة ألا تتقی اللہ، رواہ البخاری۔ فاطمہ کو کیا ہے، کیا وہ اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتی۔ اس کو بخاری نے روایت کیا

یونہی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حدیث ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ: الوضوء مما مست النار۔ اس چیز کی وجہ سے وضو لازم ہے کہ جس کو آگ نے چھوا پر، اور فرمایا: أنتوضأ من الدهن أنتوضأ من الحميم رواہ الترمذی۔ کیا ہم تیل کی وجہ سے وضو کریں گے، کیا ہم گرم پانی کی وجہ سے وضو کریں گے۔ اس کو ترمذی نے روایت کیا ہے۔

یونہی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما: إنه لا نستلم هذين الركنين ہم ان دو رکنوں کو بوسہ نہیں دیتے۔ پر اور فرمایا: ليس شيء من البيت مهجورا کما فی البخاری بیت اللہ شریف میں سے کچھ بھی چھوڑنے کے لائق نہیں۔ جیسا کہ بخاری میں ہے۔

یوں ہی جماہیر ائمہ صحابہ و تابعین ومن بعد ہم نے حدیث الوضوء من لحوم الإبل۔ (اونٹوں کا گوشت کھانے کی وجہ سے وضو ہے۔) پر: وهو صحيح معروف من حديث البراء وجابر بن سمرة وغيرهما رضی اللہ تعالیٰ عنهم۔ اور یہ حدیث حضرت براء اور جابر بن سمرۃ اور دیگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ

عنہم سے صحیح ومعروف مروی ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۷ ۲ صفحہ ۶۶۔۶۸)

ان تمام تر تصریحات سے واضح ہوگیا کہ بعض صحابہ کرام علیہم الرضوان تک جب کوئی حدیث کسی واسطے سے پہنچتی تو بسا اوقات کسی دوسری دلیل کی وجہ سے اس کو مؤول ٹھہراتے تھے۔ اس کا معنی یہ نہیں ہوتا تھا کہ نعوذ باللہ وہ حدیث کا انکار کر رہے ہیں۔

لیکن چونکہ معاملہ حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تھا اس لیے فیضی صاحب نے صفحات کالے کر دیئے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حدیث پر ذاتی رائے کو ترجیح دی ہے۔ فیضی صاحب میں اگر جرأت ہے تو ان تمام صحابہ کرام علیہم الرضوان پر فتویٰ لگائیں کہ ان سب نے اپنی ذاتی رائے کو حدیث رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر ترجیح دی ہے۔

حدیث کا انکار یا راوی پر وہم کا شبہ

صحیح بخاری شریف میں ہے حضرت سیدنا محمود بن ربیع الانصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجمع عام میں جس میں حضرت سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی موجود تھے ایک طویل حدیث بیان کی جس کے آخر میں یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''فإن الله قد حرم على النار من قال لا إله إلا الله يبتغي بذلك وجه الله یعنی جس نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے لا الہ الا اللہ کہا، اللہ تعالیٰ اس پر جہنم حرام فرما دیتا ہے۔'' حضرت سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: والله ما أظن رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم قال ما قلت قط اللہ کی قسم میں میرا نہیں خیال کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی یہ بات ارشاد فرمائی ہو۔

علامہ بدر الدین عینی رحمہ اللہ تعالیٰ اس کے تحت لکھتے ہیں:

(فإن قلت) ما سبب الإنكار من أبي أيوب عليه (قلت) إما أنه يستلزم أن لا يدخل عصاة الأمة النار وقال تعالى ومن يعص الله ورسوله فإن له نار جهنم وإما أنه حكم باطن الأمر وقال نحن نحكم بالظاهر وإما أنه كان بين أظهرهم ومن أكابرهم ولو وقع مثل هذه القصة لاشتهر ولنقلت إليه وإما غير ذلك والله أعلم

''اگر تم کہو کہ حضرت ابو ایوب کی طرف سے انکار کا سبب کیا تھا؟ میں جوابا کہتا ہوں: اس لیے کہ اس حدیث سے یہ لازم آ رہا تھا کہ امت گنہگار جہنم میں داخل نہ ہوں، حالانکہ اللہ تعالیٰ

ارشاد فرماتا ہے: جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے اس کے لیے جہنم کی آگ ہے، یا انکار کی وجہ یہ تھی کہ اس حدیث میں امر باطن پر حکم لگایا گیا ہے اور ہم ظاہر پر حکم لگاتے ہیں، یا انکار کی وجہ یہ تھی کہ آپ بھی صحابۂ کرام علیہم الرضوان کے مابین تھے اور ان کے اکابر میں سے تھے اگر ایسا معاملہ ہوا ہوتا تو مشہور ہوتا اور آپ تک بھی پہنچتا، یا اس کے علاوہ کوئی اور وجہ بھی ہوسکتی ہے"۔ (عمدة القاري ج ۷ ص ۲٤۹)

امام قسطلانی اور قاضی ابو یحیی زکریا الانصاری رحمہا اللہ تعالیٰ نے اس اشکال کا جواب یہ دیا ہے کہ آیت میں مراد فقط داخلہ ہے اور حدیث میں ممانعت خلود یعنی ہمیشگی کی ہے۔

امام احمد، امام ابوداود امام بیہقی اور دیگر محدثین روایت کرتے ہیں:

عبدالله بن الصنابحي قال زعم أبو محمد أن الوتر واجب، فقال عبادة بن الصامت: كذب أبو محمد، أشهد أني سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم يقول: خمس صلوات افترضهن الله تعالى، من أحسن وضوءهن وصلاهن لوقتهن وأتم ركوعهن وخشوعهن كان له على الله عهد أن يغفر له، ومن لم يفعل فليس له على الله عهد إن شاء غفر له وإن شاء عذبه

"عبد اللہ بن صنابحی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ابو محمد (مسعود الانصاری البدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ) فرماتے ہیں: وتر واجب ہے، اس پر حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ابو محمد نے غلطی کی میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا ہے: پانچ نمازیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے فرض فرمایا ہے، جو ان کے لیے کامل وضو کرے اور وقت پر ان کو پڑھے اور اس میں رکوع اور خشوع کو مکمل کرے، تو اس اللہ تعالیٰ کے ذمۂ کرم پر ہے کہ اس کی مغفرت فرمادے، اور جو اس طرح نہ کرے، اس کا اللہ تعالیٰ کے پاس کوئی عہد نہیں، اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اس کو بخش دے اور اگر چاہے تو اسے عذاب دے"۔ (سنن أبي داود ج ۱ ص ۳۵۲ رقم ٤۲۸ باب المحافظة على الصلوات، السنن الكبرىٰ ج ۲ ص ۱۳ رقم الحديث ۲۲۲٦)

ان احادیث سے واضح ہے کہ بعض اوقات صحابہ نے کسی دوسرے صحابی سے حدیث سنی اور انکار کیا تو

مقصود بیان کرنے والے کو غلطی پر قرار دینا ہوتا تھا، نعوذ باللہ حدیث کو جھٹلانا بلکہ بیان کرنے والے کی بھی تکذیب مقصود نہیں ہوتی تھی بلکہ اس کو غلط فہمی میں سمجھتے تھے اور وجہ یہ ہوتی تھی کہ دیگر احادیث سے ان کے نزدیک حکم کچھ اور ثابت تھا جبکہ یہ حدیث ان کے مطابق اس کے معارض ہوتی تھی۔

لیکن چونکہ معاملہ حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تھا اس لیے فیضی صاحب لکھتے ہیں ''اگرچہ ان کے حلم کا ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے مگر یہاں ان کا حلم جواب دے گیا اور انہوں نے بلا تامل السابقون الاولون میں سے ایک نقیب انصاری صحابی کی تکذیب کر ڈالی اور حدیث نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بھی پرواہ نہ کی۔ ایک حدیث میں تو یہاں آیا ہے کہ سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ حدیث پیش کی تو معاویہ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بات عبادہ کو نہیں کہی۔۔۔الخ''۔

اب کیا فیضی صاحب اپنے اس اصول کے مطابق یہی فتوی حضرت سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلکہ خود حضرت سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بھی لگائیں گے کہ انہوں نے بھی انصاری صحابی کی تکذیب کر ڈالی اور حدیث کی پرواہ نہیں کی؟ اگر نہیں تو کیوں؟

احناف اور دیگر ائمہ کی اصولِ فقہ کی کئی کتب میں خبر واحد قیاس میں کون مقدم ہے اس پر بحث کرتے ہوئے یہ حدیث بیان کی گئی ہے:

> وبيان هذا في حديث معقل بن سنان أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم قضى لبروع بنت واشق الاشجعية بمهر مثلها حين مات عنها زوجها ولم يسم لها صداقا فإن ابن مسعود رضي الله تعالى عنه قبل روايته وسر به لما وافق قضاءه قضاء رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم. وعلي رضي الله تعالى عنه رده فقال: ماذا نصنع بقول أعرابي بوال على عقبه حسبها الميراث لا مهر لها.

''(قیاس کو خبر پر مقدم کرنے والوں کی دلیل کا) بیان معقل بن سنان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بروع بنت واشق اشجعیہ کے لیے مہر مثل کا فیصلہ فرمایا جب ان کے شوہر کا انتقال ہو گیا تھا اور ان کا مہر بھی مقرر نہیں کیا گیا تھا، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ حدیث قبول کی تھی اور اپنے فیصلے کے

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلے کے موافق ہونے کی وجہ سے بہت مسرور ہوئے تھے، اور حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس حدیث کو قبول نہیں کیا تھا، اور فرمایا: ہم اس اعرابی کے قول کا کیا کریں جو اپنی ایڑیوں پر پیشاب کرنے والا ہے، اس عورت کو صرف میراث ملے گی، اس کے لیے کوئی مہر نہیں ہے''۔ (اصول السرخسي ج١ ص ٣٤٣)

فیضی صاحب اگر حلوے مانڈے اور بادام پستے بند ہونے کا خوف نہ ہو تو ذرا لگایئے فتویٰ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ مولائے کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہ وکرم اللہ تعالیٰ وجھہ فداہ روحی پر کہ ان تمام ناقلین کے مطابق آپ نے ذاتی رائے کی وجہ سے صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بھی تکذیب کرڈالی اور حدیث رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بھی پرواہ نہ کی۔

صحیح فرمایا بزرگوں نے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابۂ کرام علیہم الرضوان کے لیے پردے کی حیثیت رکھتے ہیں جوان پر طعن کرتا ہے وہ دیگر صحابۂ کرام علیہم الرضوان پر طعن کرنے پر بھی جری ہوجاتا ہے۔

موصوف کا معیار ایک ہی ہے اس لیے بلا تحقیق آنکھیں بند کر کے لکھتے ہیں: ایک اور مقام پر ہے کہ معاویہ نے سیدنا عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کہا: اس حدیث کو بیان سے خاموشی اختیار کر، اس پر سیدنا عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: کیوں نہیں! ہم بیان کریں گے اگرچہ معاویہ کی رسوائی ہو۔

(تاریخ دمشق ج٢٦ ص١٩٩)

حالانکہ اس کی سند میں واضح طور پر لکھا ہوا ہے:

عن رجل من أهل البصرة عن الحسن قال كان عبادة بن الصامت

فیضی صاحب ذرا رجل بصری کے بارے میں اپنے شیخ سے گزارش کریں کہ عالم رویا میں بطریقِ منام اس کی تعیین کروادیں، نیز ذرا کتب رجال اٹھا کر دیکھیں کیا حضرت سیدنا حسن بصری کا حضرت سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سماع ثابت ہے؟

یہ ہے ان کا معیار تحقیق اور اس طرح کی مغالطہ آرائیوں اور دھوکہ دہی کے ذریعے یہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث حسن ((اللهم اجعله هاديا مهديا)) کو رد کرنا چاہتے ہیں۔

حدیث کا انکار کرنے کا الزام اور اس کا جواب:

تاجدارِ گولڑہ حضرت سیدنا پیر مہر علی شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی تصنیف ''تصفیہ مابین سنی شیعہ'' میں لکھتے ہیں: سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت صحیح بخاری میں ہے آپ (علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) فرماتے ہیں کہ (ایک دفعہ) رات کے وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میرے اور فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (بنتِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس آئے، ہم سے فرمایا: کیا تم نماز (تہجد) نہیں پڑھتے؟ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم! ہماری روحیں اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں، وہ جب ہمیں اٹھانا چاہتا ہے ہم اٹھ جاتے ہیں، جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے یہ کہا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علی وآلہ وسلم واپس ہوئے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کچھ جواب نہ دیا، اور پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو کہتے سنا جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم واپس ہو رہے تھے اور اپنی ران پر ہاتھ مار کر فرما رہے تھے **وکان الانسان اکثر شیء جدلًا** اور انسان سب چیزوں سے بڑھ کر جھگڑنے والا ہے۔

اس حدیث شریف میں سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو مناسب جواب نہ دینا ظاہر ہے۔ (کچھ باتیں مزید ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:) اس طرح کے واقعات میں صحابۂ کرام علیہم الرضوان سے جو لغزشیں ہوئی ہیں وہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے بخش دی ہیں۔

(تصفیہ مابین سنی وشیعہ صفحہ ۲۴)

صحیح مسلم کی حدیث میں سیدنا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے حضرت سیدنا علی المرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے یہ الفاظ استعمال کیے: **الکاذب الآثم الغادر الخائن**۔ (صحیح مسلم ج ۳ ص ۱۳۷۷ رقم ۱۷۵۷)

جبکہ بخاری شریف میں حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مولائے کائنات مولی مشکل کشا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے ظالم کے لفظ استعمال کیے، نیز اسی میں ہے استبا یعنی دونوں نے ایک دوسرے کو برا بھلا کہا۔ (صحیح البخاري رقم الحدیث ۷۳۰۵)

اب فیضی کے اصول کے مطابق تو اس میں تاویل ہو نہیں سکتی، لہٰذا اس روایت کو اسی طرح رکھا جائے

گا اور ان کے نزدیک چونکہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کے مشاجرات کو بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں، تو عوام کے سامنے اس کو بیان بھی کیا جائے گا۔ لیکن ہمارے ائمۂ اہلسنت کا مؤقف یہ نہیں بلکہ کیا ہے ملاحظہ فرمائیں کس قدر پیاری گفتگو فرمائی گئی ہے

امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

وقال القاضى عياض: قال المازرى: هذا اللفظ الذى وقع لا يليق ظاهره بالعباس، وحاش لعلى أن يكون فيه بعض هذه الأوصاف فضلا عن كلها، ولسنا نقطع بالعصمة إلا للنبى صلى الله تعالى عليه وآله وسلم ولمن شهد له بها، لكنا مأمورون بحسن الظن بالصحابة رضى الله تعالى عنهم أجمعين، ونفى كل رذيلة عنهم، وإذا انسدت طرق تأويلها نسبنا الكذب إلى رواتها، قال: وقد حمل هذا المعنى بعض الناس على أن أزال هذا اللفظ من نسخته تورعا عن إثبات مثل هذا، ولعله حمل الوهم على رواته، قال المازرى: وإذا كان هذا اللفظ لا بد من إثباته ولم نضف الوهم إلى رواته فأجود ما حمل عليه أنه صدر من العباس على جهة الإدلال على ابن أخيه لأنه بمنزلة ابنه، وقال ما لا يعتقده وما يعلم براءة ذمة ابن أخيه منه، ولعله قصد بذلك ردعه عما يعتقد أنه مخطئ فيه، وأن هذه الأوصاف يتصف بها لو كان يفعل ما يفعله عن قصد، وأن عليا كان لا يراها إلا موجبة لذلك فى اعتقاده، وهذا كما يقول المالكى: شارب النبيذ ناقص الدين، والحنفى يعتقد أنه ليس بناقص، فكل واحد محق فى اعتقاده، ولا بد من هذا التأويل لأن هذه القضية جرت فى مجلس فيه عمر رضى الله تعالى عنه وهو الخليفة وعثمان وسعد وزبير وعبد الرحمن رضى الله تعالى عنهم ولم ينكر أحد منهم هذا الكلام مع تشددهم فى إنكار المنكر، وما ذلك إلا لأنهم فهموا بقرينة الحال أنه تكلم بما لا يعتقد ظاهره مبالغة فى الزجر

''قاضی عیاض مالکی فرماتے ہیں امام مارزی نے فرمایا: یہ الفاظ جو واقع ہوئے ہیں اپنے ظاہر

کے اعتبار سے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لائق نہیں تھے کہ آپ یہ استعمال فرماتے ہیں، اور بعید تر ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ان میں سے کوئی ایک وصف ہو چہ جائیکہ یہ تمام کے تمام اوصاف ہوں، ہم عصمت کا قطعی عقیدہ صرف نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے اور جن کے لیے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے گواہی دی (مثلاً دیگر انبیائے کرام اور فرشتے) کے لیے رکھتے ہیں، لیکن ہمیں تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے حسن ظن کا حکم دیا گیا، اور ان سے ہر برائی کی نفی کرنے کا حکم دیا گیا، اور جب اس حوالے سے باب تاویل نہ رہے، تو ہم راویوں کی طرف کذب کی نسبت کریں گے، امام مازری کہتے ہیں: بعض لوگوں کو اسی بات نے اس پر ابھارا کہ اس طرح کے الفاظ کے اثبات سے بچتے ہوئے انہوں نے اپنے نسخے سے ان الفاظ کو مٹادیا، شاید انہوں نے ان الفاظ کو راویوں کے وہم پر محمول کیا ہے، امام مازری کہتے ہیں: جب یہ لفظ ثابت ہی ہیں اور ہم وہم کی نسبت رواۃ کی طرف بھی نہیں کرسکتے، تو اس کا سب سے بہتر محمل یہ ہے کہ شاید یہ الفاظ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اپنے بھتیجے کے لیے بطور شفقت صادر ہوئے کیونکہ مولائے کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے بیٹے کے بمنزلہ تھے، تو آپ نے وہ بات کہی جس کا آپ اعتقاد نہیں رکھتے تھے اور وہ بات کہی جس سے اپنے بھتیجے کے بری ہونے کو جانتے تھے۔ اور شاید اس کے ذریعے آپ اس بات کا کو دور کرنا چاہتے تھے جو آپ کے بارے میں خیال کرتے تھے کہ آپ خطا پر ہیں، اور جو کچھ مولائے کائنات کررہے ہیں اگر وہ قصداً ایسا کریں تو وہ ان اوصاف کے ساتھ متصف قرار پائیں گے، جبکہ مولائے کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان امور کو ان القابات کا موجب نہیں سمجھتے تھے، اور یہ ایسے ہی ہے جیسے مالکی اس بات کا اعتقاد رکھے کہ نبیذ کا پینا دین کو ناقص کرنے والا ہے، جبکہ حنفی اس کے ناقص ہونے کا اعتقاد نہیں رکھتا، تو ان میں سے ہر ایک اپنے اعتقاد میں حق پر ہے، اور یہ تاویل ضروری ہے کیونکہ یہ قضیہ اس مجلس میں ہوا جس میں خلیفۃ المؤمنین حضرت عمر، نیز حضرت عثمان، حضرت سعد، حضرت زبیر اور حضرت عبد الرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی موجود تھے، اور ان میں سے کسی نے بھی اس کا انکار نہیں کیا حالانکہ یہ حضرات بری بات کا شدت سے انکار کرنے والے تھے،

بات یہی ہے کہ قرینۂ حال سے یہی سمجھا کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ کلام کیا ہے جس کے ظاہر کا آپ اعتقاد نہیں رکھتے تھے، اور زجر میں مبالغہ کرنے کے لیے فرمایا تھا''۔

(شرح النووي على صحيح مسلم ج۔٦ ص ٣١٧ كتاب الجهاد والسير باب حكم الفيء)

امام تاج الدین سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ينبغي لك أيها المسترشد أن تسلك سبيل الأدب مع الأئمة الماضين، وأن لا تنظر إلى كلام بعضهم في بعض إلا إذا أتى ببرهان واضح، ثم إن قدرت على التأويل وتحسين الظن فدونك وإلا فاضرب صفحا عما جرى بينهم فإنك لم تخلق لهذا. فاشتغل بما يعنيك ودع ما لا يعنيك، ولا يزال طالب العلم عندي نبيلا حتى يخوض فيما جرى بين السلف الماضين ويقضي لبعضهم على بعض، فإياك ثم إياك أن تصغي إلى ما اتفق بين أبي حنيفة وسفيان الثوري أو بين مالك وابن أبي ذئب أو بين أحمد بن صالح والنسائي أو بين أحمد بن حنبل والحارث المحاسبي وهلم جرا إلى زمان الشيخ عز الدين بن عبد السلام والشيخ تقي الدين بن الصلاح، فإنك إن اشتغلت بذلك خشيت عليك الهلاك، فالقوم أئمة أعلام ولأقوالهم محامل ربما لم نفهم بعضها فليس لنا إلا الترضي عنهم والسكوت عما جرى بينهم كما يفعل فيما جرى بين الصحابة رضي الله عنهم

''اے ہدایت کے طالب تجھے یہی لائق ہے کہ تو گزرے ہوئے ائمہ کے ساتھ ادب کی راہ پر چلے، اور ان کے ایک دوسرے کے کلام میں نظر نہ کرے، مگر یہ کہ ان میں سے کوئی واضح دلیل لے کر آئے، پھر بھی اگر تو اس پر قادر ہے کہ اس کی تاویل کر سکے یا حسن ظن اختیار کر سکے تو تو تجھ پر یہی لازم ہے، اور اگر اس پر قادر نہیں تو جو ان کے درمیان ہوا اس سے صرف نظر کر، کیونکہ تو اس کام کے لیے نہیں پیدا کیا گیا، با مقصد کاموں میں مشغول ہو، لا یعنی کام چھوڑ دے، میرے نزدیک طالب علم دانا ہی رہتا ہے یہاں تک کہ وہ گزرے ہوئے بزرگوں کے معاملات میں خوض کرنے لگتا ہے، اور ان کے درمیان فیصلہ کرنے لگتا ہے، تو تو بچ لازمی بچ کہ اس معاملے کی طرف مائل ہو جو امام ابو حنیفہ اور سفیان ثوری کے درمیان ہوا، یا امام مالک اور

ابن ابی ذئب کے مابین ہوا یا احمد بن صالح اور نسائی کے مابین ہوا یا امام احمد بن حنبل اور حضرت حارث محاسبی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مابین ہوا یہاں تک جو شیخ عز الدین بن عبد السلام اور شیخ تقی الدین ابن الصلاح کے مابین معاملہ ہوا (ان میں نہ پڑو) کیونکہ اگر تو ان معاملات میں مشغول ہوجائے گا تو میں تجھ پر ہلاکت کا خوف رکھتا ہوں، کیونکہ یہ بڑے بڑے ائمہ ہیں، ان کے اقوال کے محامل ہیں، ہم ان میں سے کچھ کو بعض اوقات سمجھ نہیں سکتے، تو ہم پر ان سے راضی رہنا لازم ہے، اور جو ان کے آپس کے معاملات ہیں اس میں خاموش رہنا ہی ضروری ہے، جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مابین ہونے والے معاملات میں کیا جاتا ہے"۔ (طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج ۲ ص ۲۷۸)

حاصل یہ کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان سے لغزش ہوئی اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے معاف فرمادیں۔

بقول سیدنا پیر مہر علی شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ "اس حدیث شریف میں سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو مناسب جواب نہ دینا ظاہر ہے" لیکن بہرحال اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے یہ لغزش معاف فرمادی۔

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو الفاظ استعمال فرمائے وہ ظاہرا بہت سخت تھے، لیکن اصول اہل سنت کے مطابق اولا تو اس طرح کی بات جو صحابۂ کرام علیہم الرضوان کے بارے میں مروی ہو اس کو راوی کے وہم پر محمول کیا جائے گا، اور یہ ممکن نہ ہو تو اس کی بہترین تاویل کی جائے گی، اگر تاویل ممکن نہ ہو تو ایسی روایت کو رد کر دیا جائے گا، صحابہ کرام علیہم الرضوان کا معاملہ تو بلند وبالا ہے، اکابر ائمہ کے مابین جو ناپسندیدہ باتیں واقع ہوئیں اول تو ان میں پڑا ہی نہ جائے گا، اگر کوئی بات دلیل سے ثابت ہے تو بھی حسن ظن پر قادر اس میں حسنِ ظن کا پہلو نکالے گا، ورنہ اس کی طرف نظر ہی نہیں کرے گا وجہ یہ ہے کہ یہ بڑے بڑے ائمہ ہیں ان کے اقوال کے محامل ہوتے ہیں جن کو بسا اوقات ہم سمجھ نہیں سکتے۔

یہ تو ائمہ اہلسنت کے حسین اصول وضوابط ہیں، لیکن فیضی صاحب کا اصول ہے کہ دن رات کی تگ ودو سے ان صحابۂ کرام علیہم الرضوان کے ایسے واقعات کو تلاش کیے جائیں بالخصوص سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اور پھر ان پر طعن کیا جائے۔

موصوف لکھتے ہیں ''تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ جو حدیث بعض طلقاء کے مفاد کے منافی ہوتی تو وہ اس حدیث سے منہ پھیر لیتے تھے اور اگر کوئی شخص وہ حدیث بیان کرنے لگ جاتا تو وہ غضبناک ہوجاتے تھے۔ چنانچہ جنگ صفین میں جب انہی کے ساتھی حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بغاوت کی وہ حدیث پیش کی جو خود ان کے گروہ پر صادق آرہی تھی تو معاویہ غضب ناک ہوکر کہنے لگے ألا تنهى عنا مجنونك هذا يا عمرو؟ ''اے عمرو! تم اپنے اس پاگل سے ہماری جان کیوں نہیں چھڑاتے؟۔۔الخ''۔

(الاحادیث الموضوعات ص ۳۱۲)

فیضی سے تو انصاف کی کوئی امید نہیں، ذرا قارئین بتائیں کیا اگر اس قاعدے کو بعینہ تسلیم کرلیا جائے تو کیا یہی بات مولائے کائنات مولا مشکل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات کے لیے بھی اختیار کی جاسکتی ہے؟ مثال اوپر تاجدارِ گولڑہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے کلام سے بھی گزری اور اس سے قبل بھی روایت گزر چکی ہے۔ مولوی فیضی کے حلوے مانڈے بند ہوجائیں گے اگر وہ یہ بات کہہ دے۔

ثانیاً: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ کلام اس وقت کا ہے جب ان کے سامنے حضرت سیدنا عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی حدیث پیش کی گئی، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ چونکہ اس بات کو تسلیم ہی نہیں کرتے تھے کہ حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہم نے شہید کیا وہ یہ کہتے تھے حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان (حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے گروہ نے شہید کیا کیونکہ یہی لوگ حضرت سیدنا عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو میدان جنگ میں لے کر آئے اور اسی وجہ سے یہ شہید ہوئے، اس کا جوابِ لاجواب مولائے کائنات مولا مشکل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیا لیکن یہ واضح ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ چونکہ اس حدیث کی تاویل کرتے تھے اس لیے خود کو اور اپنے ساتھیوں کو اس کا مصداق نہیں سمجھتے تھے اس لیے آپ نے یہ سخت لفظ استعمال کیے۔ اوپر جو اصول بیان ہوا اور جو الفاظ حضرت عباس نے مولائے کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے لیے استعمال کیے اس کے تحت آپ ائمہ اہل سنت کے فرمودات ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ جب دوسروں کے لیے یہ تاویل کی جائے گی تو سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں بھی یہ تاویل کی جائے گی۔

اس کے بعد موصوف لکھتے ہیں ''ایک اور مقام پر ہے جب حضرت عبد اللہ بن عمرو نے اپنے والد کو حدیث نبوی یاد دلائی اور حضرت عمرو بن العاص نے معاویہ کو کہا سنو یہ عبد اللہ کیا کہہ رہا ہے؟ تو معاویہ نے

کہا: لا یزال یأتینا بھنة بعد ھنة أنحن قتلناه'' وہ ایک کے بعد دوسری شرارت وفساد کی بات لاتا رہتا ہے، کیا ہم نے اس کو قتل کیا ہے؟ (الاحادیث الموضوعات ص ۳۱۴)

اوّلاً تو یہ روایت ہی ضعیف ہے۔

اس کی علت اولیٰ: اس میں امام اعمش ہیں جو مدلس ہیں اور عن کے ساتھ روایت کر رہے ہیں۔

دوسری علت: عبد الرحمن بن زیاد ہیں جو مختلف فیہ راوی ہیں، اگرچہ بعض ائمہ نے ان کی توثیق کی ہے لیکن امام بخاری نے ان کے بارے میں لکھا ہے: فیہ نظر۔ اور فیضی صاحب کی اپنی تحقیق جو اسی کتاب میں مذکور ہے کے مطابق امام بخاری جب کسی راوی کے بارے میں فیہ نظر کہیں تو اس کی حدیث موضوع ہوتی ہے۔

ثانیاً: اہل علم بخوبی جانتے ہیں کہ ایک لفظ کے کئی معانی ہوتے ہیں اور سیاق وسباق اور مقتضائے کلام کے مطابق معنی کا تعین کیا جاتا ہے۔ جنگ صفین کے موقع پر جب حضرت سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہو گئے تو حضرت سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے والد حضرت سیدنا عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ حدیث میں ہے کہ عمار کو باغی گروہ قتل کرے گا، یہ حدیث حضرت سیدنا عمرو نے حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بیان کی تو چونکہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ مؤقف رکھتے تھے کہ حضرت سیدنا عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شہادت کا سبب حضرت سیدنا مولائے کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گروہ بنا ہے جو ان کو میدانِ جنگ میں لایا جیسا کہ اوپر گزرا اس بنیاد پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے کہا: ولا تزال تأتینا بھنة بعد ھنة تم ایک کے بعد ایک نادانی کی بات کرتے رہتے ہو، حافظ ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں: وقد ذکر الحمیدی أن معناه البلهاء فهو نسبة إلى البله وقلة المعرفة قال معاوية لعبد الله بن عمر ولا تزال تأتينا بهنة حمیدی نے ذکر کیا ہے کہ ھنة کا معنی نادان اور کمزور رائے والا ہونا ہے بلہاء، نادانی اور قلت معرفت کی طرف منسوب ہے، حضرت معاویہ نے حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے کہا: تم ہمارے پاس نادانی کی بات کرتے ہی رہتے ہو۔ (غریب الحدیث ج ۲ ص ۵۰۳)

لیکن موصوف کا بس نہیں چلتا کہ دنیا کی ہر خرابی اور برائی، نبی محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ایک صحابی کے حق میں ثابت کر سکیں۔ مکمل روایت سے بات واضح ہے کہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیث کے حوالے سے گفتگو نہیں کر رہے بلکہ یہ بات سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی طرف نسبت کرتے ہوئے کہہ رہے ہیں، لیکن برا ہو تعصب کا کہ فیضی نے پہلے تو ھنۃ کا معنی شر وفساد لسان العرب سے ذکر کیا حالانکہ اس کا معنی نادانی اور کمزور رائے بھی ہے، پھر اس کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ذاتی مفاد کے لیے حدیث کو رد کرنے کا الزام لگا دیا، اس طرح کی پوچ حرکتوں سے موصوف، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث حسن اللھم اجعله هادیا مهدیا کو رد کرنا چاہتے ہیں۔

سب سے پہلے سنت کو بدلنے والا

احادیث طیبہ کی روشنی میں اور ائمہ اہلسنت کی تصریحات کے مطابق سنت کو بدلنے کی ابتداء کرنے والا یزید ہے، البتہ ظہور فیضی کے لیے بغض معاویہ میں یہ بات ظاہر ہوئی کہ سنت میں تبدیلی کی ابتداء سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کی، اس کے لیے موصوف نے حدیث میں جانتے بوجھتے خیانت سے کام لیا، تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

ابو العالیہ سے مروی ہے، کہتے ہیں:

لما كان يزيد بن أبي سفيان أميرا بالشام غزا المسلمون فسلموا وغنموا، وكان في غنيمتهم جارية نفيسة، فصارت لرجل من المسلمين، فأرسل إليه يزيد فانتزعها منه، وأبو ذر يومئذ بالشام، فاستعان الرجل بأبي ذر على يزيد، فانطلق معه، فقال ليزيد: رد عليه جاريته، فتلكأ- ثلاث مرار- قال أبو ذر: أما والله لئن فعلت، لقد سمعت رسول الله-صلى الله تعالى عليه وآله وسلم -يقول: ((إن أول من يبدل سنتي لرجل من بني أمية)) ثم ولى عنه فلحقه يزيد، فقال: أذكرك بالله، أنا هو؟ قال: اللهم لا. ورد على الرجل جاريته

"جب یزید بن ابی سفیان شام کے امیر تھے، مسلمانوں نے ایک غزوہ کیا جس میں ان کو مالِ غنیمت حاصل ہوا، اس مالِ غنیمت میں ایک خوبصورت باندی تھی جو مسلمانوں میں سے کسی شخص کے حصے میں آئی، یزید بن ابی سفیان نے اس کو اپنے پاس بلوا کر وہ باندی اس سے لے لی، ان دنوں حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ شام میں تھے، راوی کہتے ہیں، اس شخص نے

حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مدد چاہی، حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس شخص کے ساتھ گئے اور یزید بن ابی سفیان سے کہا: اس کی باندی اس کو لوٹا دو، انہوں نے تین بار اس پر عذر پیش کیا، اس پر حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اگر ایسے ہے تو اللہ کی قسم میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے: ((سب سے پہلا شخص جو میری سنت کو تبدیل کرے گا وہ بنو امیہ کا ایک شخص ہوگا)) راوی کہتے ہیں: یہ کہہ کر حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہاں سے لوٹے تو یزید بن ابی سفیان آپ کے پیچھے آئے اور کہا: میں آپ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا وہ میں ہوں؟ ارشاد فرمایا: واللہ نہیں، پھر انہوں نے اس باندی کو اس شخص کو لوٹا دیا"۔ (اتحاف الخیرۃ المہرۃ ج ۸ ص ۸۵ رقم ۷۵۳۵) (تاریخ دمشق ج ۶۵ ص ۲۵۰)

یہ الفاظ اتحاف الخیرۃ المھرہ میں امام ابوصیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے ابن ابی شیبہ اور ابو یعلی کے حوالے ذکر کیے ہیں۔ تاریخ دمشق میں بھی یہ حدیث موجود ہے۔ اور اس سے قبل اسی مقام پر ابو العالیہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے ہی سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی حدیث میں الفاظ ہیں: یقال لہ یزید سنت میں تبدیلی لانے والے اس شخص کو یزید کہا جائے گا۔

اس حدیث سے واضح ہوا کہ دین میں اولا تبدیلی لانے والا یزید تھا۔

یہ حضرت سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے۔ اسی طرح حضرت مکحول شامی رحمہ اللہ تعالیٰ عنہ حضرت سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم: لا يزال أمر أمتي قائما بالقسط حتى يكون أول من يثلمه رجل من بني أمية، يقال له: يزيد

"رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری امت کا معاملہ ہمیشہ انصاف کے ساتھ قائم رہے گا یہاں تک کہ پہلا شخص جو اس میں رخنہ ڈالے گا وہ بنو امیہ کا ایک شخص ہوگا جس کو یزید کہا جائے گا"۔

امام بوصیری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

رواه أحمد بن منيع، والحارث بن أبي أسامة، وأبو يعلى بسند منقطع.

''اس حدیث کو احمد بن منیع، حارث بن اسامہ اور ابو یعلی نے سند منقطع کے ساتھ روایت کیا ہے''۔ (اتحاف الخیرۃ المہرۃ ج ۸ ص ۸۵ رقم ۷۵۳۳)

فیضی کی حدیث میں تحریف

موصوف فیضی نے حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث تاریخ دمشق ج ۶۵ ص ۲۵۰، اور اتحاف الخیرۃ المھرۃ ج ۶ ص ۴۰۸ کے حوالے سے نقل کی۔ پھر ابو العالیہ کا حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سماع ثابت کیا اور لکھا: ''اس سے معلوم ہوا کہ واقعی ''یقال لہ: یزید'' کے الفاظ بعد کی ایجاد ہیں۔ اگر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حدیث میں کسی اموی شخص کو نامزد کیا ہوتا تو سیدنا ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اس حد تک صاف اور واضح بات کرنے کے عادی تھے کہ توریہ، تعریض اور کنایہ وغیرہ کے روادار بھی نہیں تھے، وہ ضرور یزید بن ابی سفیان کو فرما دیتے کہ ہاں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کسی یزید کا نام تو لیا تھا لیکن معلوم نہیں کہ وہ تم ہو یا کوئی اور۔ خیال رہے کہ سیدنا ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصال ۳۱ یا ۳۲ھ میں ہوا تھا اور وقت یزید بن معاویہ کی عمر چھ سات سال کی تھی اور وہ اس وقت کوئی قابل ذکر چیز نہیں تھا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں جب اسے اقتدار ملا اور اس کے پر پرزے نکلے یعنی اس کی اصلیت ظاہر ہوئی تو یہ سب کچھ دیکھنے کے بعد بعض لوگوں نے ''یقال لہ: یزید'' کے الفاظ کا اضافہ کر دیا ورنہ اصلا یہ الفاظ سیدنا ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ثابت نہیں ہیں۔''

(الاحادیث الموضوعات ص ۲۷۶)

ہم نے کہا تھا کہ موصوف بغضِ معاویہ میں کچھ بھی کر سکتے ہیں، جن دو کتابوں کا موصوف نے حوالہ دیا ان میں تاریخ دمشق میں اسی مقام پر اس سے پہلے والی روایت میں سیدنا ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں الفاظ ہیں ''یقال لہ: یزید'' یہی واقعہ ہے، جس میں حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صراحت کی ہے۔ لیکن چونکہ معاملہ یزید کو بچانے کا تھا تا کہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے طعن کا نشانہ بنا سکیں۔ اس لیے موصوف کہتے ہیں حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ الفاظ ثابت ہی نہیں۔

پھر اتحاف الخیرہ میں امام بوصیری نے بھی اس سے قبل حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث روایت کی ہے جس میں اس کی تصریح موجود ہے۔ لیکن موصوف اس کو بھی نظر انداز کر گئے۔

ائمہ اہلسنت رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصریحات

علامہ عبد الرؤف المناوی اور علامہ عزیزی رحمہا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

(أول من يبدل سنتي) أي طريقتي وسيرتي القويمة الاعتقادية والعملية (رجل من بني أمية) بضم الهمزة زاد الروياني وابن عساكر في روايتهما (يقال له يزيد) قال البيهقي هو يزيد بن معاوية (ع عن أبي ذر) الغفاري

''(میری سنت کو سب سے پہلے بدلنے والا) یعنی سنت سے مراد میرا سیدھا راستہ اور درست سیرت اعتقادی اور عملی کو بدلنے والا (بنو امیہ کا ایک شخص ہوگا) امام رویانی اور حافظ ابن عساکر نے یہ الفاظ زائد ذکر کیے ہیں: اس کو یزید کہا جائے گا، امام بیہقی فرماتے ہیں اس سے مراد یزید بن معاویہ ہے''۔

(السراج المنير شرح الجامع الصغير ج٢ ص٩٠) (التيسير شرح الجامع الصغير ج١ ص٣٩٩)

جمع طرق کا فائدہ

علما یہ اصول بیان کرتے ہیں ایک حدیث کے ذریعے دوسری حدیث کی تفسیر ہوتی ہے شرح زرقانی علی المؤطا میں ہے: إن الأحاديث يفسر بعضها بعضا یعنی احادیث ایک دوسرے کی تفسیر کرتی ہیں۔

(شرح الزرقاني ج١ ص٢٨١ تحت رقم ١٩٢)

حافظ عراقی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

والروايات يفسر بعضها بعضا والحديث إذا جمعت طرقه تبين المراد منه

''روایات ایک دوسرے کی تفسیر کرتی ہیں اور حدیث کے جب طرق جمع کیے جاتے ہیں تو اس حدیث کی مراد واضح ہوجاتی ہے''۔ (طرح التثريب ج٤ ص١٠٦)

علامہ عینی فرماتے ہیں:

وقد علم أن الأحاديث يفسر بعضها بعضا ولا سيما إذا كانت في قضية واحدة

''اور یہ بات معلوم ہے کہ احادیث ایک دوسرے کی تفسیر کرتی ہیں خاص طور پر جب ایک ہی بات سے متعلق ہوں''۔ (عمدة القاري تحت رقم الحديث ٨٤٢١)

اس قاعدے کے مطابق علامہ مناوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی یہ شرح ملاحظہ فرمائیں، فیض القدیر میں ارشاد

فرماتے ہیں:

قال البیهقی فی کلامه علی الحدیث: هو یزید بن معاویة لخبر أبی یعلی والبیهقی وأبی نعیم وابن منیع: لا یزال أمر أمتی قائما بالقسط حتی یکون أول من یثلمه رجل من بنی أمیة یقال له یزید

''امام بیہقی نے اس حدیث پر کلام کرتے ہوئے فرمایا: وہ یزید بن معاویہ ہے (علامہ مناوی فرماتے ہیں) ابو یعلی، بیہقی، ابو نعیم اور ابن منیع کی حدیث کی سبب کہ میری امت کا معاملہ انصاف کے ساتھ قائم رہے گا حتی کہ پہلا شخص جو اس میں رخنہ ڈالے گا وہ بنو امیہ کا ایک شخص ہوگا جسے یزید کہا جائے گا''۔ (فیض القدیر ج ۳ ص ۱۱۳ رقم ۲۸۴۱)

اسی طرح حافظ ابن عدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ بیان کیا: وفی بعض الأخبار مفسرا ازاد. یقال له: یزید بعض احادیث میں مفسراً آیا ہے اس میں یہ زیادتی موجود ہے اس کو یزید کہا جائے گا۔

(الکامل فی ضعفاء الرجال ج ۵ ص ۱۲ رقم ۷۰۲۳ ترجمة رفیع بن مهران بصری)

فیضی صاحب کا نیا قاعدہ

امیر صنعانی جیسا متعصب شخص مان گیا کہ جب نص میں یزید کی تصریح آگئی تو اب قیاس کی کیا گنجائش، لیکن قربان جائیں فیضی صاحب کی کدو کاش پر موصوف لکھتے ہیں: اس حدیث کی تشریح کے آخر میں علامہ صنعانی نے یہ بھی لکھا ہے: ''وورود النص بانه ابنه لا مجال للنظر ''نص کی موجودگی اس سے ان کا بیٹا مراد ہے (التنویر شرح الجامع الصغیر ج ۴ ص ۳۴۴) لیکن بادی النظر میں ''یقال له یزید'' کا تفسیری جملہ مدرج معلوم ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کو کچھ محدثین نے نقل ہی نہیں کیا۔ چنانچہ امام ابن عدی جیسے ماہر محدث کے کلام سے بھی یہ تأثر ملتا ہے کہ یہ الفاظ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہیں اور نہ ہی سیدنا ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ثابت ہیں، بلکہ یہ کسی اور شخص نے اپنی طرف سے وضاحتاً شامل کردیے ہیں وہ لکھتے ہیں: وفی بعض الأخبار مفسرا ازاد. یقال له: یزید بعض روایات میں وضاحتی اضافہ ہے کہ اس کو یزید کہا جائے گا''۔ (الاحادیث الموضوعات ص ۲۷۴)

کون سی نظر ہے جس کے ذریعے اس کے مدرج ہونے کا تأثر ملتا ہے۔ سیدھا معنی ہے کہ بعض احادیث میں رجل من بنی امیہ کی صراحت آئی ہے اور اس میں یہ الفاظ زائد ہیں کہ اس کو یزید کہا جائے

گا۔ جب سند کے ساتھ ثابت ہے کہ سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود یہ الفاظ روایت کیے اور یونہی سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں بھی اس کی صراحت موجود ہے تو پھر ادراج کہاں سے ثابت ہوگیا۔ حافظ ابن عدی نے مذکورہ قاعدے کے پیش نظر ہی فرمایا کہ بعض روایات میں رجل من بنی امیہ کی تفسیر یزید کے نام کے ساتھ موجود ہے۔

اس کے بعد موصوف نے ابن عساکر کی وہی حدیث ذکر کی جس سے پہلے والی روایت جو اسی صفحہ پر موجود ہے اور اس میں یقال لہ یزید کے الفاظ موجود ہیں۔ لیکن موصوف نے اس جملے سے بالکل کبوتر کی طرح آنکھیں بند کرلیں۔

ساری محنت کس کے لیے

موصوف کی یہ ساری خیانتیں بنام تحقیق اس لیے ہیں تاکہ یزید کو بچایا جاسکے اور حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر یہ الزام عائد کیا جاسکے کہ آپ نے سنت میں تبدیلی کی۔ یہاں تین باتیں موصوف نے ذکر کیں کہ عیدین سے پہلے اذان کا شروع کروانا، تکبیرات کا کم کردینا، اور عید کے خطبے کو نماز سے مقدم کروانا۔ اس پر موصوف نے جتنی عبارات نقل کی ہیں اس میں سے چند جملے اٹھالیے، مکمل عبارات نقل نہیں کیں تاکہ عوام آگاہ نہ ہوجائیں۔

عیدین میں اذان کی ابتداء کس نے کی

اقول وباللہ التوفیق! اوّلاً: تو اسی میں شدید اختلاف ہے کہ عیدین میں اذان کی ابتدا کرنے والا کون تھا۔ کسی سند صحیح سے یہ بات ثابت نہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی ابتداء فرمائی ہو۔ بعض نے ذکر کیا ہے تو اس کی سند منقطع ہے، ابن ابی شیبہ کی سند میں بھی انقطاع ہے۔ کما سیاتی

اس کی ابتداء کرنے والوں میں مروان، زیاد، حجاج کا نام بھی ذکر کیا گیا ہے، اور بعض نے سیدنا امیر معاویہ اور سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا نام ذکر کیا ہے۔

امام زرقانی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

واختلف فی أول من أحدث الأذان فیها. فروی ابن أبی شیبة بسند صحیح. عن سعید بن المسیب أنه معاویة. وللشافعی عن الثقة. عن الزهری مثله. وزاد: فأحدثه الحجاج حین أمر علی المدینة. ولابن المنذر عن حصین بن عبد الرحمن: أول من

أحدثه زیاد بالبصرة.وقال الداودی: مروان. وکل هذا لا ینافی أنه معاویة. وقال ابن حبیب: أول من أحدثه هشام. وروی ابن المنذر. عن أبی قلابة: أول من أحدثه عبدالله بن الزبیر. وفی البخاری: أن ابن عباس أخبره أنه لم یکن یؤذن لها -بالبناء للمجهول -. لکن فی ابن أبی شیبة أن ابن عباس قال لابن الزبیر: لا تؤذن لها ولا تقم. فلما ساء ما بینهما أذن وأقام، أی: ابن الزبیر

''اس میں اختلاف کیا گیا ہے کہ عیدین میں اذان کس نے سب سے پہلے شروع کروائی۔ ابن ابی شیبہ سند صحیح کے ساتھ سعید بن مسیب سے روایت کرتے ہیں کہ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور امام شافعی ثقہ راوی سے امام زہری سے اس کی مثل روایت کرتے ہیں، اور اس یہ زائد کرتے ہیں کہ حجاج نے اس وقت اس کو ایجاد کیا جب وہ مدینہ پر گورنر بنایا گیا۔ ابن منذر حصین بن عبد الرحمن سے روایت کرتے ہیں، بصرہ میں زیاد نے سب سے پہلے اسے ایجاد کیا۔ داودی کا کہنا ہے مروان نے یہ بدعت نکالی۔ یہ تمام اس کے منافی نہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو ایجاد کیا۔ ابن حبیب کہتے ہیں: سب سے پہلے ہشام نے ایجاد کیا ابن منذر حضرت ابو قلابہ سے روایت کرتے ہیں سب سے پہلے یہ عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے شروع کی اور بخاری میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ان کو خبر دی کہ عید کی نماز کے لیے اذان نہیں دی جاتی، لیکن مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کہا نہ اس کے لیے اذان کہو نہ اقامت کہو، پھر جب انہوں ان دونوں کے درمیان ناچاقی ہوئی تو عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے لیے اذان واقامت کہی''۔ (شرح الزرقانی علی المواهب ج۱ص ۵۳۲، تحت رقم الحدیث ۴۲۷، باب العمل فی غسل العید-ین والنداء فیه ما والاقامة)

مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۲۰۴ رقم ۵۷۱۲ کی جس سند سے سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف احداث اذان کی نسبت کی گئی ہے اس کے راوی قتادہ رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں جو ثقہ ثبت راوی ہیں لیکن مشہور مدلس ہیں اور یہاں یہ عن سے روایت کررہے ہیں۔ (طبقات المدلسین ص ۴۳ رقم ۹۲)

لہٰذا موصوف فیضی کا الزام ہی سرے سے باطل ہوگیا۔

تکبیرات میں کمی کس نے کی؟

تکبیر میں کمی کی نسبت حضرت سیدنا عثمان غنی حضرت سیدنا امیر معاویہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم، اور بعض دیگر اسلاف کی طرف کی گئی ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

عن مطرف، قال: قلنا يعني لعمران بن حصين يا أبا نجيد هو بالنون والجيم مصغر. من أول من ترك التكبير؟ قال: عثمان بن عفان حين كبر وضعف صوته. وهذا يحتمل إرادة ترك الجهر. وروى الطبراني عن أبي هريرة: أن أول من ترك التكبير معاوية، وروى أبو عبيد أن أول من تركه زياد. وهذا لا ينافي الذي قبله، لأن زيادا تركه بترك معاوية، وكأن معاوية تركه بترك عثمان، وقد حمل ذلك جماعة من أهل العلم على الإخفاء. ويرشحه حديث أبي سعيد الآتي في باب يكبر وهو ينهض من السجدتين، لكن حكى الطحاوي أن قوما كانوا يتركون التكبير في الخفض دون الرفع. قال: وكذلك كانت بنو أمية تفعل، وروى ابن المنذر نحوه عن ابن عمر، وعن بعض السلف: أنه كان لا يكبر سوى تكبيرة الإحرام

''مطرف کہتے ہیں ہم نے عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا: سب سے پہلے تکبیر کس نے کم کی؟ فرمایا: حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے، جب آپ کی عمر بڑی ہوگئی اور آواز کمزور ہوگئی، اور اس میں احتمال ہے جہر کو ترک کرنا مراد ہو، امام طبرانی، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں سب سے پہلے تکبیر کو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ترک کیا، اور ابو عبید نے روایت کیا: سب سے پہلے تکبیر کو ترک کرنے والا زیاد ہے، اور یہ اس سے پہلے والے کے منافی نہیں، اس لیے کہ زیاد نے حضرت امیر معاویہ کے ترک کرنے کی وجہ سے ترک کیا اور حضرت معاویہ نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی وجہ سے ترک کیا، اور اہل علم کی ایک جماعت نے اس فعل کو اخفا پر محمول کیا ہے، امام طحاوی نے حکایت کیا ہے کہ ایک قوم رکوع سجدے میں جاتے ہوئے تو تکبیر کو ترک کرتی تھی اٹھتے وقت نہیں چھوڑتی تھی، فرماتے ہیں: اسی طرح بنو امیہ کیا کرتے تھے، اور ابن منذر نے اسی کی مثل ابن عمر سے نقل کیا ہے، اور بعض اسلاف سے نقل کیا وہ تکبیر تحریمہ کے علاوہ تکبیر نہیں کہا کرتے

تھے''۔ (فتح الباري ج ۲ ص ۳۱۳ رقم ۷۸٤)

فیضی کی جہالت

موصوف فیضی کی تحقیق ملاحظہ فرمائیں لکھتے ہیں: ''پھر وہ سنت میں کمی بیشی اور تبدیلی کے بھی مرتکب ہوئے۔ مثلاً امام سیوطی لکھتے ہیں: پہلا شخص جس نے عید میں اذان کی بدعت نکالی معاویہ ہے، اس کو امام ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے، اور فرمایا ہے: اول شخص جس نے عید کی تکبیریں کم کی تھیں وہ بھی معاویہ ہے۔ (تاریخ الخلفاء للسیوطی ص ۳۳٦)

اقول وباللہ التوفیق! میں نے بعض مقامات پر فیضی صاحب کی جگہ صرف فیضی لکھا میرے ذہن میں یہ خیال بار بار آتا رہا ہے کہ ان کے محبین اس پر بہت سیخ پا ہوں گے کہ یہ کس طرح نام لیا ہے۔ ذرا غور فرمائیں یہ بدباطن شخص کس طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام ذکر کرتا ہے۔

علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس میں سند ذکر کی ہے؟ پھر آپ تو الزام دیتے ہیں کہ تحقیق امراء نہیں کرتے۔ آپ امیر کہاں سے ہوگئے؟ آپ تو مفتی خان قادری صاحب کے ادارے میں نوکر ہیں، پھر آپ نے سند کی تحقیق کیوں نہیں کی؟

علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ بات امام ابن ابی شیبہ کی کتاب مصنف کی کتاب الاوائل سے ذکر کی ہے۔ وہاں اس کو حضرت سعید بن مسیب سے قتادہ بن دعامہ نقل کررہے ہیں جو مشہور مدلس ہیں اور روایت بھی عن کے ساتھ کررہے ہیں۔ این تحقیقك؟

یہاں یہ روایت کررہے ہیں حضرت سیدنا سعید بن مسیبؒ رحمہ اللہ تعالیٰ سے، حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں: اسماعیل القاضی نے احکام القرآن میں بیان کیا ہے میں نے امام علی بن مدینی رحمہ اللہ تعالیٰ کو قتادہ کی حضرت سعید بن مسیب سے مروی احادیث کی سخت تضعیف کرتے سنا اور وہ فرماتے ہیں: میرے خیال ہے کہ اکثر روایات جو قتادہ نے حضرت سعید سے روایت کی ان کے مابین بہت سے رجال ہیں۔ (تہذیب التہذیب ج ٦ ص ٤٨٦ رقم ٥٧٠٦)

فیضی صاحب کی کمال مہارت

قارئین کرام! اوپر آپ پڑھ کر آئے ہیں کہ یہاں گفتگو نماز میں رکوع سجدے میں جانے اور ان سے اٹھتے وقت تکبیر کہنے کی ہو رہی ہے۔ لیکن موصوف ترجمہ کرتے ہیں ''اول شخص جس نے عیدین کی

تکبیریں کم کی تھیں'' ذرا بتائیں یہ عیدین کا ترجمہ کس لفظ کا ہے؟ تحقیق تو امراء نہیں کرتے۔

خطبۂ عیدین کی تقدیم

اسی طرح خطبۂ عیدین کی تقدیم کے بارے میں بھی مختلف اقوال ہیں، یہاں تو حضرت سیدنا عمر بن الخطاب اور حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی تقدیم منقول ہے، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۲۱۰ رقم ۵۷۳۴ ورقم ۳،۱۳۶۷، میں اس کی مشہور نسبت مروان شیطان کی طرف ہے جس کا مقصود نعوذ باللہ حضرات اہل بیت اطہار علی جدہ وعلیہم الصلاۃ والسلام پر سب وشتم کرنا ہوتا تھا۔

یونہی مسلم شریف میں ہے:

قوله: أول من بدأ بالخطبة يوم العيد قبل الصلاة

''مروان نمازِ عید سے پہلے خطبے کی ابتداء مروان نے کی''۔ (صحیح مسلم ج۱ص۵۰ رقم ۱۸۶)

امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

هذا أصح ما روى في أول من قدم الخطبة على الصلاة. وقد روى: أول من فعل ذلك عمر. وقيل: عثمان. وقيل: ابن الزبير. وقيل: معاوية رضي الله تعالى عنهم.

قال المؤلف رحمه الله تعالى: وبعيد أن يصح شيء من ذلك عن مثل هؤلاء، لأنهم شاهدوا رسول الله - صلى الله تعالى عليه وآله وسلم -. وصلوا معه أعيادا كثيرة. والصحيح المنقول عنه، والمتواتر عند أهل المدينة: تقديم الصلاة على الخطبة، فكيف يعدل أحد منهم عما فعله النبي - صلى الله تعالى عليه وآله وسلم - وداوم عليه إلى أن توفي؟ فإن صح عن واحد من هؤلاء أنه قدم ذلك، فلعله إنما فعله لما رأى من انصراف الناس عن الخطبة، تاركين لسماعها مستعجلين، أو ليدرك الصلاة من تأخر وبعد منزله. ومع هذين التأويلين، فلا ينبغي أن تترك سنة رسول الله - صلى الله تعالى عليه وآله وسلم - لمثل ذلك، وأولئك الملأ أعلم وأجل من أن يصيروا إلى ذلك، والله أعلم.

وأما مروان وبنو أمية، فإنما قدموها، لأنهم كانوا في خطبهم ينالون من علي - كرم الله تعالى وجهه - ويسمعون الناس ذلك. فكان الناس إذا صلوا معهم، انصرفوا عن

سماع خطبهم لذلك، فلما رأى مروان ذلك أو من شاء الله من بني أمية، قدموا الخطبة، ليسمعوا الناس من ذلك ما يكرهون، والصواب: تقديم الصلاة على الخطبة، كما تقدم، وقد حكى فيه بعض علمائنا الإجماع.

''خطبے کو نماز پر مقدم کرنے والے کے بارے میں سب سے صحیح بات یہی ہے، (یعنی مروان کا مقدم کرنا)، اور مروی ہے کہ سب سے پہلے حضرت عمر نے مقدم کیا، کہا گیا ہے کہ حضرت عثمان نے، کہا گیا کہ حضرت ابن زبیر نے، کہا گیا ہے کہ حضرت معاویہ نے رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین: مؤلف کہتے ہیں: یہ بات بعید ہے کہ ان جیسے حضرات سے اس طرح کی بات بعید ہے اس لیے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی زیارت کی، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ کئی عید کی نمازیں پڑھیں اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے جو بات صحیح منقول ہے اور اہل مدینہ کے نزدیک متواتر بھی ہے وہ نماز کا خطبے پر مقدم کرنا ہے تو ان حضرات میں سے کوئی اس فعل سے عدول کیسے کرسکتا ہے جو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے کیا ہو اور اس پر مداومت اختیار کی ہو۔؟ اگر ان میں سے کسی نے مقدم کیا بھی تو اس وجہ سے کہ انہوں نے لوگوں کو جلدی کی وجہ سے خطبے کا سننا چھوڑتے ہوئے دیکھا، یا اس لیے مقدم کیا کہ جو تاخیر سے آئے یا دور رہتا ہے وہ نماز کو پالے۔ ان دونوں تاویلوں کے باوجود (ہمارے لیے یہی حکم ہے) کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی سنت کو اس وجہ سے چھوڑنا مناسب نہیں، اور یہ گروہ (صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم) جو انہوں نے اختیار کیا اس کو زیادہ جاننے والے ہیں، بہر حال مروان اور بنو امیہ، تو انہوں نے خطبہ مقدم کیا کیونکہ اپنے خطبے میں حضرت سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجھہ کی تنقیص کرتے تھے۔ اور لوگوں کو سناتے بھی تھے، پھر لوگ جب ان کے ساتھ نماز پڑھ لیتے تو اس وجہ سے ان کا خطبہ سنے بغیر چلے جاتے، جب مروان یا بنو امیہ میں سے کسی اور نے بھی یہ معاملہ دیکھا تو خطبے کو مقدم کردیا تاکہ لوگوں کو وہ باتیں سناسکیں جو وہ ناپسند کرتے تھے۔ درست یہی ہے کہ نماز کو خطبے پر مقدم کیا جائے گا۔ جیسا کہ گزر چکا ہے، اس پر ہمارے بعض علما نے اجماع نقل کیا ہے''۔

(المفہم لما أشکل من تلخیص کتاب مسلم ج۱ ص۲۳۱-۲۳۲)

امام قرطبی کی اس عبارت سے واضح ہوا:

(۱) تقدیم خطبہ کی نسبت صحابہ کرام علیہم الرضوان میں سے حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت عبداللہ بن زبیر، اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرف کی گئی ہے۔

(۲) اول تو ان کی طرف اس کی نسبت کرنا ان کے حال سے بعید ہے۔

(۳) اگر ان حضرات نے مقدم کیا تو ان کے پیش نظر یہ حکمت تھی کہ جن لوگوں نے جلدی کی وجہ سے خطبہ سننا چھوڑ دیا ہے وہ بھی سن لیں، یا جو دور رہتے ہیں یا تاخیر سے پہنچ پاتے ہیں وہ نماز پالیں۔

(۴) اصل تقدیم مروان نے کی یا بنو امیہ کے کسی اور شخص نے کی۔ اس کا مقصود نعوذ باللہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تنقیص تھا۔

جب یہ کام کسی اور کا ہے تو فیضی صاحب کو کس نے اختیار دیا ہے کہ اس کی نسبت حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف کریں۔

باقی ائمہ بسا اوقات کچھ اقوال میں تطبیق دیتے ہیں لیکن ان کا مقصود فقط دو متعارض اقوال میں تطبیق مقصود ہوتی ہے نہ یہ کہ وہ قول ان کے نزدیک مختار بھی ہو۔

موصوف نے فتح الباری اور تاریخ الخلفاء کے حوالے سے اس کی نسبت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف کی حالانکہ اگر فتح الباری کی مکمل عبارت نقل کرتے تو بات واضح ہو جاتی۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

واختلف فی أول من غیر ذلك فروایة طارق بن شهاب عن أبی سعید عند مسلم صریحة فی أنه مروان كما تقدم فی الباب قبله وقیل بل سبقه إلى ذلك عثمان وروى بن المنذر بإسناد صحیح إلى الحسن البصری قال: أول من خطب قبل الصلاة عثمان صلى بالناس ثم خطبهم یعنی علی العادة فرأى ناسا لم یدركوا الصلاة ففعل ذلك أی صار یخطب قبل الصلاة وهذه العلة غیر التی اعتل بها مروان لأن عثمان رأى مصلحة الجماعة فی إدراكهم الصلاة وأما مروان فراعى مصلحتهم فی إسماعهم الخطبة لكن قیل إنهم كانوا فی زمن مروان یتعمدون ترك سماع خطبته لما فیها من سب من لا یستحق السب والإفراط فی مدح بعض الناس فعلى هذا إنما راعى

مصلحة نفسه ويحتمل أن يكون عثمان فعل ذلك أحيانا بخلاف مروان فواظب عليه فلذلك نسب إليه وقد روى عن عمر مثل فعل عثمان قال عياض ومن تبعه: لا يصح عنه، وفيما قالوه نظر لأن عبد الرزاق وابن أبي شيبة روياه جميعا عن ابن عيينة عن يحيى بن سعيد الأنصاري عن يوسف بن عبد الله بن سلام وهذا إسناد صحيح لكن يعارضه حديث ابن عباس المذكور في الباب الذي بعده وكذا حديث ابن عمر فإن جمع بوقوع ذلك منه نادرا وإلا فما في الصحيحين أصح، وقد أخرج الشافعي عن عبد الله بن يزيد نحو حديث ابن عباس وزاد حتى قدم معاوية فقدم الخطبة، فهذا يشير إلى أن مروان إنما فعل ذلك تبعا لمعاوية لأنه كان أمير المدينة من جهته، وروى عبد الرزاق عن ابن جريج عن الزهري قال: أول من أحدث الخطبة قبل الصلاة في العيد معاوية، وروى ابن المنذر عن ابن سيرين أن أول من فعل ذلك زياد بالبصرة، قال عياض: ولا مخالفة بين هذين الاثرين وأثر مروان لأن كلا من مروان وزياد كان عاملا لمعاوية فيحمل على أنه ابتدأ ذلك وتبعه عماله. والله أعلم

''اس میں اختلاف ہے کہ کس نے اس میں تبدیلی کی، طارق بن شہاب کی ابوسعید سے روایت صحیح مسلم میں اس حوالے سے صریح ہے کہ وہ مروان ہے جیسا کہ اس سے پہلے والے باب میں گزر چکا ہے، اور کہا گیا ہے اس سے بھی پہلے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خطبہ مقدم کیا، ابن المنذر سند صحیح کے ساتھ حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں سب سے پہلے نماز عید سے خطبے کی تقدیم حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کی، آپ پہلے عادت کے مطابق پہلے نماز پڑھاتے پھر خطبہ دیتے، پھر آپ نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ نماز نہیں پاسکتے تو انہوں نے خطبہ نماز سے پہلے دینا شروع کیا، اور یہ اس علت سے جدا علت ہے جو مروان کا مقصود تھی، اس لیے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کے جماعت میں شامل ہونے کی مصلحت کے پیش نظر ایسا کیا، بہر حال مروان تو اس کا مقصود لوگوں کو خطبہ سنانا ہوتا تھا، لیکن کہا گیا کہ مروان کے زمانے میں لوگوں نے خطبہ سننا چھوڑ دیا تھا کیونکہ خطبے میں ایسی

ہستیوں کو برا کہا جاتا تھا جو سب کیے جانے کے مستحق نہیں تھے، اور بعض لوگوں کی تعریف میں مبالغہ کیا جاتا تھا تو اس نے اپنی ذات کی مصلحت دیکھی، اور یہ بھی احتمال ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کبھی کبھی ایسا کیا ہو، اور اس مروان نے اس کی عادت بنالی اس لیے اس کی طرف منسوب کیا گیا ہے، اور اس کی نسبت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف بھی کی گئی ہے، قاضی عیاض مالکی اور ان کے متبعین کہتے ہیں کہ یہ بات حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صحیح ثابت نہیں، اور ان حضرات کا یہ کہنا درست نہیں اس لیے کہ حافظ عبد الرزاق اور امام ابن ابی شیبہ نے سفیان بن عیینہ انہوں نے یحیی بن سعید الانصاری سے انہوں نے یوسف بن عبد اللہ بن سلام سے یہ بات روایت کی ہے، یہ اسناد صحیح ہے، اور اس کے معارض حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث ہے جو اس باب کے بعد مذکور ہے، اور اسی طرح ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث ہے، اگر اس کو نادر ہونے پر محمول کیا جائے تو درست ہے، ورنہ جو حدیث صحیحین میں ہے وہی زیادہ صحیح ہے اور امام شافعی نے عبد اللہ بن یزید سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث روایت کی اور یہ زائد کیا: جب حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے تو خطبے کو مقدم کیا، یہ اشارہ کرتا ہے کہ مروان نے حضرت امیر معاویہ کی پیروی کرتے ہوئے ایسا کیا تھا کیونکہ وہ اس وقت مدینے پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے مقرر تھا اور حافظ عبد الرزاق نے ابن جریج سے انہوں نے زہری سے روایت کیا وہ کہتے ہیں: عید کی نماز سے پہلے خطبے کی ابتداء حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کی، اور ابن منذر حضرت ابن سیرین رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ بصرہ میں اس کی ابتداء کرنے والا زیاد تھا، قاضی عیاض فرماتے ہیں: یہ دونوں اثر مروان کے اثر کے منافی نہیں، اس لیے کہ مروان اور زیاد حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عامل تھے، تو اس پر محمول کیا جائے گا کہ ابتداء حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمائی اور آپ کے عمال نے آپ کی اقتداء کی''۔ (فتح الباري ج ۲ ص ۵۱۸ باب المشي والركوب إلى العيد والصلاة قبل الخطبة وبغير أذان ولا إقامة)

اول تو اس سے واضح ہوگیا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اس کی تقدیم

حضرت عمر، حضرت عثمان، رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے، نیز عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی، جہاں تک رہا مروان کا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تابع ہونا اس سے ہر گز مقصد کا ایک ہونا لازم نہیں آتا، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقصود امام قرطبی بیان فرما چکے اور مروان کے مقاصد بھی انہوں نے واضح فرما دیئے ہیں۔

پھر دھوکہ

ظہور فیضی نے علامہ کاسانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے کلام سے بھی اپنے مطلب کی عبارت نقل کی ورنہ علامہ علاء الدین کاسانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت سے بات بالکل واضح ہے کہ یہ فعل قبیح مروان کا ہے آپ کی مکمل عبارت یہ ہے:

والدليل على أنها بعد صلاة العيد ما روى أن مروان لما خطب العيد قبل الصلاة قام رجل فقال: أخرجت المنبر يا مروان ولم يخرجه رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم، وخطبت قبل الصلاة، وكان رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم يخطب بعد الصلاة. فقال مروان: ذاك شيء قد ترك. فقال أبو سعيد الخدري: أما هذا فقد قضى ما عليه سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم يقول: من رأى منكم منكرا فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه، وذلك أضعف الإيمان أي أقل شرائع الإيمان

وإنما أحدث بنو أمية الخطبة قبل الصلاة لأنهم كانوا يتكلمون في خطبتهم بما لا يحل، وكان الناس لا يجلسون بعد الصلاة لسماعها فأحدثوها قبل الصلاة ليسمعها الناس

''اور خطبہ عید کے نماز کے بعد ہونے پر دلیل یہ ہے کہ مروان نے جب عید کی نماز سے پہلے خطبہ دیا تو ایک شخص کھڑے ہوئے اور کہا: تو منبر پر کھڑا ہو گیا: اے مروان، جبکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس وقت منبر نہیں رکھوایا، تو نے نماز سے پہلے خطبہ دیا جبکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نماز کے بعد خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے، مروان نے کہا: یہ ایک کام تھا جو چھوڑ دیا گیا، اس پر حضرت سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: یہ وہ

شخص ہے اس پر تو جو ہے وہ مقرر ہو چکا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: جو تم سے کوئی برائی دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے روک دے، اگر اس کی استطاعت نہیں رکھتا تو زبان سے، اگر اس کی بھی استطاعت نہیں رکھتا تو دل کے ذریعے، اور ایمان کا ضعیف ترین درجہ ہے۔ یعنی ایمان کے شرائع میں سے کم تر درجہ ہے۔

عید کی نماز سے پہلے خطبہ بنو امیہ نے اس لیے شروع کیا تاکہ اپنے خطبے میں وہ کلام کریں جو حلال ہی نہیں، اور لوگ نماز کے بعد ان کا خطبہ سننے کے لیے بیٹھتے نہیں تھے، تو لوگوں کو سنانے کے لیے انہوں نے خطبے کو نماز سے پہلے کر دیا۔ (بدائع الصنائع ج ۲ ص ۲۴۱)

امام کاسانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی اس مکمل عبارت سے واضح ہو گیا کہ بنو امیہ سے مراد یہاں مروان ہے۔

لیکن فیضی صاحب نے آخر کی عبارت نقل کر دی تاکہ اپنے مذموم مقاصد کو پورا کر سکیں۔

اسی طرح کی خیانتیں ہیں جس سے فیضی اینڈ کمپنی استدلال کرتی ہے، کوئی ایسی صریح دلیل ان لوگوں کے پاس نہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مولائے کائنات مولا مشکل کشا رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر سب وشتم کرتے یا اس کا کسی کو حکم دیتے تھے۔

مروان بدبخت یا بنو امیہ کے دیگر افراد کے فعلِ قبیح کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی کی طرف کرنا کہاں کا انصاف ہے؟

حدیث میں تحریف، یزید کا دفاع، محدثین کی عبارت میں خیانت، ادھوری عبارتوں کو نقل کرنا اور جھوٹے الزامات لگا کر فیضی صاحب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث اللّٰھم اجعلہ ھادیا مھدیا کا رد کرنے چلے ہیں۔ کیا یہی معیارِ تحقیق ہے؟

مولائے کائنات مولا مشکل کشا رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر سب وشتم کرنے کا الزام

حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، مولائے کائنات مولا مشکل کشا حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نہ صرف خود سے افضل سمجھتے تھے، بلکہ آپ سے بہت محبت کرتے اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل کثرت سے بیان کیا کرتے اور سنا کرتے تھے۔ ان تمام باتوں کی تفصیل ائمہ اہل سنت نے اپنی کتب میں بیان فرمائی ہے۔

حافظ ابن عدی رحمہ اللہ تعالیٰ الکامل میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں آپ

فرماتے ہیں:

كنا عند معاوية فذكر عليا فأحسن ذكره وذكر ابنه وأمه ثم قال: وكيف لا أقول هذا لهم؛ هم خيار خلق الله وعترة نبيه أخيار بنو أخيار

"یعنی ہم حضرت امیر معاویہ کے پاس تو انہوں سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تذکرہ اور بہترین تذکرہ کیا، ان کے بیٹے اور (بیٹے کی) والدہ (سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا) تذکرہ کیا، پھر فرمایا: میں ان کے بارے میں ایسا کیوں بیان نہ کروں؟ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں بہترین لوگ ہیں، اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد ہیں، بہترین لوگ بہترین لوگوں کی اولاد ہیں"۔

(الكامل في ضعفاء الرجال ج ٨ ص ٧٠ رقم ١٢٥١٥ ترجمة عثمان بن عبد الله بن عمرو بن عثمان بن عفان)

حافظ عسقلانی اور حافظ قسطلانی رحمہا اللہ تعالیٰ اپنی اپنی بخاری شریف کی شرح میں لکھتے ہیں:

وقد ذكر يحيى بن سليمان الجعفي أحد شيوخ البخاري في كتاب صفين في تأليفه بسند جيد عن أبي مسلم الخولاني: أنه قال لمعاوية: أنت تنازع عليا في الخلافة أو أنت مثله؟ قال: لا وأني لأعلم أنه أفضل مني وأحق بالأمر

"امام بخاری کے استاد یحیی بن سلیمان الجعفی سند جید کے ساتھ اپنی تصنیف کتاب صفین میں حضرت سیدنا ابو مسلم خولانی رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کی: آپ حضرت علی المرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے خلافت کے معاملہ تنازع کر رہے ہیں یا آپ ان کی مثل ہیں؟ اس پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا: میں بخوبی جانتا ہوں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجھ سے افضل ہیں اور وہی خلافت کے زیادہ حقدار ہیں۔ (پھر آپ نے اس تنازع کی وجہ بیان فرمائی)"۔

(فتح الباري ج ١٣ ص ١٠٠ رقم ٧١٢١) (إرشاد الساري ج ١١ ص ٤٦٣)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر یہ جھوٹا الزام ہے کہ آپ مولائے کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو برا بھلا کہتے اور برا بھلا کہنے کا حکم دیتے تھے، اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں، ماقبل میں وہ واقعات گزر چکے جو آپ کی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے محبت پر واضح دلالت کرتے ہیں۔ کسی بھی صحیح سند سے مولائے کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر حضرت معاویہ کا سب وشتم کرنا یا اس کا حکم دینا ثابت نہیں، معاندین

مسلم شریف کی ایک مجمل روایت پیش کرتے اور اس سے اپنے فاسد و باطل عقیدے پر استدلال کرتے ہیں۔

ہم ائمہ اہل سنت کی اس روایت پر جو شرح ہے اسے ذکر کرتے ہیں تاکہ اس روایت کا صحیح معنی واضح ہو جائے: اوّلاً اس حدیث کا متن ملاحظہ فرمائیں:

اس میں واضح موجود ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سبب دریافت کر رہے ہیں، اگر حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سَب کا حکم دیتے ہوتے، یا کرتے ہوتے تو حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بحث کرتے انہیں جواب دیتے، انہیں حکم دیتے، لیکن ایسا کچھ بھی نہیں ہوا، بلکہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خاموش رہنا اس بات کی دلیل تھی کہ آپ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بات کو درست قرار دے رہے تھے۔

(۱) امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

وقد ذكر أبو عمر بن عبد البر بإسناده إلى ضرار الصُدائي: وقال له معاوية: صف لي عليًّا. فقال: اعفني يا أمير المؤمنين! قال: صفه. قال: أما إذ لا بد من وصفه. فكان والله بعيد المدى، شديد القوى، يقول فصلًا، ويحكم عدلًا، يتفجَّر العلم من جوانبه، وتنطق الحكمة من نواحيه، يستوحش من الدنيا وزهرتها، ويأنس من الليل ووحشته، وكان غزير الدَّمعة، طويل الفكرة، يعجبه من اللباس ما قصر، ومن الطعام ما خشن، كان فينا كأحدنا، يجيبنا إذا سألناه، ويفتينا إذا استفتيناه، ونحن - والله - مع تقريبه إيانا، وقربه منا لا نكاد نكلمه هيبة له، يُعظم أهل الدِّين، ويُقرب المساكين، لا يطمع القوي في باطله، ولا ييأس الضعيف من عدله، وأشهد لقد رأيته في بعض مواقفه، وقد أرخى الليل سدوله، وغارت نجومه، قابضًا على لحيته يتململ تململ السَّليم، ويبكي بكاء الحزين، ويقول: يا دنيا غُرِّي غيري، ألي تعرضت؟ أم إلي تشوّفت، هيهات هيهات! قد بتتك ثلاثًا لا رجعة فيها، فعمرك قصير، وخطرك قليل، آه قلة الزاد، وبُعد السفر، ووحشة الطريق، فبكى معاوية، وقال: رحم الله أبا حسن! كان والله كذلك. كيف حزنك عليه يا ضرار؟ قال: حزن من

ذبح واحدها في حجرها.

قلت: وهذا الحديث: يدل على معرفة معاوية بفضل علي. رضي الله عنه. ومنزلته، وعظيم حقه، ومكانته، وعند ذلك يبعد على معاوية أن يصرح بلعنه وسبه، لما كان معاوية موصوفًا به من الفضل والدين، والحلم، وكرم الأخلاق، وما يروى عنه من ذلك فأكثره كذب لا يصح. وأصح ما فيها قوله لسعد بن أبي وقاص: ما يمنعك أن تسب أبا التراب؟ وهذا ليس بتصريح بالسب، وإنَّما هو سؤال عن سبب امتناعه ليستخرج ما عنده من ذلك، أو من نقيضه، كما قد ظهر من جوابه، ولما سمع ذلك معاوية سكت، وأذعن، وعرف الحق لمستحقه، ولو سلمنا: أن ذلك من معاوية حمل على السَّب، فإنَّه يحتمل أن يكون طلب منه أن يسبَّه بتقصير في اجتهاد في إسلام عثمان لقاتليه، أو في إقدامه على الحرب والقتال للمسلمين، وما أشبه ذلك مما يمكن أن يقصر بمثله من أهل الفضل، وأما التصريح باللعن، وركيك القول، كما قد اقتحمه جهَّال بني أمية وسفلتهم، فحاش معاوية منه، ومن كان على مثل حاله من الصحبة، والدين، والفضل، والحلم، والعلم، والله تعالى أعلم.

”ابوعمر بن عبدالبر نے اپنی سند سے حضرت ضرار صدائی سے ذکر فرمایا ہے کہ حضرت امیر معاویہ نے حضرت ضَرار صدائی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے فرمایا: میرے سامنے حضرت علی کی شان بیان کرو۔ اُنھوں نے کہا: یاامیرالمؤمنین آپ مجھے اس سے معاف نہیں رکھتے ؟ حضرت امیر معاویہ نے فرمایا: اُن کی شان بیان کرو۔ حضرت ضَرار صدائی نے کہا: جب اوصافِ علی سنانے کے سوا کوئی چارہ نہیں تو پھر سنئے :

اللہ کی قسم! حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خواہشات سے دور رہنے والے، بہت طاقت ور تھے، فیصلہ کن گفتگو فرماتے، فیصلوں میں عدل فرماتے، اُن سے علم وحکمت کے چشمے پھوٹتے تھے، دنیا اور اس کی آسائشوں سے وَحشت محسوس کرتے اور رات• اور اس کے اندھیرے سے اُنسیت حاصل کرتے۔ وہ اشک باری فرمانے والے، فکرِ آخرت میں ڈوبے رہتے، پہننے اور کھانے میں جو میسر ہوتا اسی پر راضی رہتے، وہ ہمارے درمیان ہماری طرح ہی تھے، جب

ہم اُن سے سوال کرتے تو وہ جواب دیتے، ہم فتویٰ چاہتے تو وہ فتویٰ عطا فرماتے، اللہ کی قسم! جب ہم میں سے کوئی ان کے پاس جاتا تو وہ اس پر شفقت فرماتے، اپنے پاس بٹھاتے۔ (اتنی شفقت وقُربت کے باوجود) ہم اُن کے رُعب کی وجہ سے بات نہ کر پاتے، وہ دین داروں کی تعظیم فرماتے، مسکینوں کو قریب کرتے، طاقتور کو باطل کا خواہش مند نہ بناتے، کمزور لوگ اُن کے عدل سے مایوس نہ ہوتے۔ اللہ کی قسم! میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ میں نے بعض دفعہ اِنہیں دیکھا جب ستارے چھپ جاتے تو وہ اپنی داڑھی پکڑ کر مضطرب اور بے چین ہوتے اور غمزدہ شخص کی طرح آنسو بہاتے پھر دنیا کو للکارتے ہوئے فرماتے: میرے علاوہ کسی اور کو دھوکہ دے۔ مجھ سے دُور ہو جا، میں تجھے تین طلاقیں دے چکا جس کے بعد رجوع نہیں، تیری عمر قلیل، تیری مجلس حقیر اور تیرا خطرہ آسان ہے، ہائے! راستہ پُرخطر، زادِ راہ قلیل اور سفر طویل ہے۔

حضرت ضَرار صدائی سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اوصاف سن کر حضرت امیر معاویہ رو پڑے اور کہا: اللہ ابوالحسن (علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) پر رحم فرمائے۔ اللہ کی قسم وہ ایسے ہی تھے۔ اے ضرار تجھ پر ان کا کیسا غم ہے؟ حضرت ضرار نے عرض کی: اس عورت کی طرح جس کی گود میں اس کے اکلوتے بیٹے کو ذبح کر دیا گیا ہو۔

امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں: میں کہتا ہوں یہ حدیث حضرت معاویہ کے حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت، آپ کے مرتبے، آپ کے عظیم حق اور مقام کی معرفت پر دلالت کرتی ہے، اور اس صورت میں بعید ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر لعن اور سب کریں، خصوصا حضرت معاویہ خود فضلیت، دین، بردباری اور بہترین اخلاق سے متصف تھے۔ سَب کرنے کے حوالے سے جو کچھ مروی ہے وہ اکثر جھوٹ اور غیر صحیح ہے۔ اس میں سب سے زیادہ صحیح بات وہ ہے جو آپ نے حضرت سعد سے کہی تھی کہ آپ کو کون سی بات، حضرت ابوتراب رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر طعن کرنے سے روکتی ہے؟ میں یہ کہتا ہوں کہ یہ سب کرنے میں صریح نہیں، یہ تو محض ایک سوال ہے جو آپ نے سب نہ کرنے سے متعلق کیا تا کہ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو ان کا مؤقف ہے وہ بیان کردیں، یا اس کی

نقیض، جیسا کہ ان کے جواب سے ظاہر ہے اور جب حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کا جواب سنا، تو خاموش رہے اور اس پر یقین کیا، اور مستحق کے حق کو جانا، اور اگر ہم تسلیم کریں کہ یہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے سب کرنے پر ہی ابھارنا تھا تو بھی اس کا احتمال ہے کہ آپ نے ان سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتلین حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد کرنے میں اجتہاد کی تقصیر کو برا کہنا طلب کیا ہو، یا انہوں نے جو مسلمانوں سے جنگ وقتال کیا اس کو برا کہنا مطلوب ہو، اور اس کی مثل کئی باتیں ہیں، جس پر حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مثل اہل فضل کی باتوں کو محمول کیا جاسکتا ہے۔ جہاں تک رہا صراحتا لعن طعن کرنا، برے الفاظ کہنا، جیسا کہ بنو امیہ کے جہال اور گھٹیا لوگوں نے وطیرہ بنایا تھا، حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس سے بری ہیں اور اسی طرح ہر وہ شخص جو آپ کی طرح صحابیت، دیانت، فضیلت، بردباری، اور علم والا ہو"۔

(المفهم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم ج٦ ص٢٧٨)

(۲) امام عون الدین یحییٰ بن ہبیرہ الشیبانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ولعله لا يبعد أن يكون قد أراد معاوية أن يؤدب بقول سعد بعض أحداث الأسنان من أهله أو أتباعه بما يذكره سعد في حق علي، وإنه قد روى لنا أنه كان يثني عليه ويقول: كان رسول الله - صلى الله تعالى عليه وآله وسلم - يغره بالعلم غرًا، ويرد الفتاوى عنه إليه في حالة اشتداد ما بينهما، ولم يكن منكرًا فضل علي رضي الله تعالى عنهما، وإنما كان القتال مستندًا إلى اجتهاد في فرع، أخطأ فيه معاوية وأصاب علي، وليس ذلك بمخرج له من الإيمان.

"شاید یہ بات بعید نہیں ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے گھرانے یا متعلقین میں سے بعض نوجوانوں کو حضرت سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق ذکر کردہ باتوں کے ذریعے مولائے کائنات مولا مشکل کشا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں ادب سکھانا چاہتے ہوں۔ یہ بات مروی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مولائے کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعریف کیا کرتے تھے اور فرمایا

کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں علم کے ذریعے خوب روشن ومنور فرمایا ہے۔ جب ان دونوں حضرات کے مابین جنگ کی کیفیت تھی اس وقت بھی آپ مولائے کائنات سے فتاوی طلب کرتے تھے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت کے منکر نہیں تھے۔ ان کے مابین قتال فرع (فروعی معاملے) میں اجتہاد کی وجہ سے تھا، جس میں حضرت معاویہ نے خطا کی اور مولائے کائنات اصابت پر تھے، یہ بات انہیں ایمان سے خارج کرنے والی نہیں ہے''۔ (الافصاح عن معاني الصحاح ج۱ ص ۳٤۸)

(۳) امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

فقول معاوية هذا ليس فيه تصريح بأنه أمر سعدا بسبه، وإنما ساله عن السبب المانع له من السب كأنه يقول: هل امتنعت تورعا أو خوفا أو غير ذلك؛ فإن كان تورعا وإجلالا له عن السب فأنت مصيب محسن، وإن كان غير ذلك فله جواب آخر، ولعل سعدا قد كان في طائفة يسبون فلم يسب معهم وعجز عن الإنكار وأنكر عليهم فسأله هذا السؤال، قالوا: ويحتمل تأويلا آخر أن معناه ما منعك أن تخطئه في رأيه واجتهاده وتظهر للناس حسن رأينا واجتهادنا وأنه أخطأ قوله

''حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول اس میں صریح نہیں کہ آپ نے حضرت سیدنا سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مولائے کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سب کرنے کا حکم دیا ہو، آپ نے ان سے محض سب نہ کرنے کا سبب دریافت کیا ہے، گویا کہ آپ نے ان سے کہا: آپ برا بھلا کہنے سے ورع کی وجہ سے رکتے ہیں یا خوف کی وجہ سے یا کسی اور سبب سے؟ اگر یہ بچنا ورع اور بزرگی کے سبب ہے تو تو آپ نیکی کرنے والے اور اصابت پر ہیں، اور اگر اس کے لیے کوئی اور سبب ہے تو اس کا جواب اور ہے، شاید حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایسے لوگوں کے مابین تھے جو سب کرتے تھے، حضرت سعد برا بھی نہیں کہتے تھے اور انہیں روکنے سے سے بھی عاجز تھے، اور ان کے اس کام کو برا قرار دیتے تھے، اس پر ان سے یہ سوال کیا۔ علما فرماتے ہیں: یہاں ایک اور تاویل کا احتمال ہے وہ یہ کہ کون سی بات آپ کو روکتی ہے کہ آپ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے اور اجتہاد کو خطا پر قرار دیں، اور لوگوں کے سامنے ہماری رائے اور

ہمارے اجتہاد کو اچھا قرار دیں''۔ (المنہاج بشرح صحیح مسلم بن الحجاج ج ۸ ص ۱۹۳)

(۴) امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ کے حوالے سے یہی بات علامہ سید غلام رسول سعیدی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی شرح صحیح مسلم میں بیان کی ہے۔

(۵) امام قاضی عیاض مالکی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

ولا بد أن يتأول قول معاوية هذا، فتقول: ليس فيه تصريح بأنه أمره بسبه، وإنما سأله عن السبب المانع له من السب، وقد سئل عن مثل هذا السؤال من يستجيز سب المسؤول عنه [وسئل عنه] من لا يستخبره. فقد يكون معاوية رأى سعدًا بين قوم يسبونه، ولا يمكن الإنكار عليهم، فقال: ما منعك أن تسب أبا تراب ليستخرج منه مثل ما استخرج مما حكاه عن النبى - عليه الصلاة والسلام - فيكون له حجة على من سبه ممن ينضاف إليه من غوغاء جنده، فيحصل على المراد على لسان غيره من الصحابة، ولو لم يسلك هذا المسلك وحملنا عليه أنه قصد ضد هذا مما يثيره عنه الموجدة، ويقع فى حين الحنق، لأمكن أن يريد السب الذى هو بمعنى التغيير للمذهب والرأى، وقد سمى ذلك فى العرف سباً، ويقال فى فرقة: إنها تسب أخرى إذا سمع منهم أنهم أخطؤوا فى مذاهبهم، وحادوا عن الصواب، وأكثروا من التشنيع عليهم، فمن الممكن أن يريد معاوية من سعد بقوله: ما منعك أن تسب أبا تراب أى يظهر للناس خطأه فى رأيه، وإن رأينا ما نحن عليه أشد وأصوب. هذا مما لا يمكن أحد أن يمنع من احتمال قوله له، وقد ذكرنا ما يمكن أن يحمل قوله عليه ورأيه فيه جميل أو غير جميل فى هذين الجوابين. فمثل هذا المعنى ينبغى أن يسلك فيما وقع فى أمثال هذا.

''لازم ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول کی تاویل کی جائے تو ہم کہتے ہیں: حضرت امیر معاویہ کے اس قول میں کوئی ایسی تصریح نہیں ہے کہ آپ نے حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سب کرنے کا حکم دیا ہو، آپ ان سے محض اس بات کا سوال کر رہے ہیں کہ آپ کو کیا چیز سب کرنے سے روکتی ہے، اس طرح کا سوال اس شخص سے بھی کیا جا سکتا

ہے جو مسئول عنہ پر سَب کو جائز قرار دیتا ہو اور اس سے بھی کیا جا سکتا ہے جو سَب کرنے کو جائز قرار نہ دیتا ہو، حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایسی قوم کے مابین دیکھا جو مولائے کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سب کرتی تھی، اور ان پر انکار ممکن نہ تھا، تو آپ نے سوال کیا کہ آپ کو ابوتراب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو برا کہنے سے کون سی بات روکتی ہے؟ یہ سوال اس لیے تھا کہ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے وہی بیان کروایا جا سکے جو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے (مولائے کائنات کی فضیلت) میں روایت کیا تا کہ ان لوگوں پر حجت ہو جائے جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر سب کرتے تھے اور وہ آپ کے لشکر میں گھٹیا قسم کے لوگ تھے، اس سوال وجواب سے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مراد دوسرے صحابی کی زبان کے ذریعے حاصل ہوگئی۔ اور اگر ہم اس تاویل کی راہ پر نہ چلیں، اور اس کی ضد ہی کے مقصود ہونے پر محمول کریں کہ یہ ناراضی اور غضب ہی تھا تو ممکن ہے کہ سب سے مراد مقصود ورائے کا تبدیل ہونا ہو، اور اس کو بھی عرف میں سب کہا جاتا ہے، کسی بھی فرقے کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے دوسرے فرقے کو سب کیا جب اس نے سنا کہ اس نے اپنے مذہب میں خطا کی ہے اور راہِ صواب سے ہٹ گئے ہیں اور اس فرقے والے پر طعن کرنے میں زیادتی کی، تو ممکن ہے کہ حضرت معاویہ نے حضرت سعد کو جو کہا تھا کہ کون سی بات آپ کو ابوتراب کو برا کہنے سے روکتی ہے، اس سے مراد یہ ہو کہ آپ ان کی رائے کی خطا لوگوں کے سامنے بیان کریں، اور ہماری رائے کو درست کہیں"۔

(إكمال المعلم بفوائد مسلم ج ٧ ص ٤١٥-٤١٦)

(٦-٧) علامہ وشتانی ابی اور امام سنوسی الحسینی رحمہما اللہ تعالیٰ نے قاضی عیاض مالکی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تاویل کو اصح قرار دیا ہے۔ اور اس کے ساتھ دونوں نے یہ بھی لکھا:

وقد كان معاوية معترفا بفضل علي وعظيم قدره

"یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت اور بلند مقام کے معترف تھے"۔

(كمال إكمال المعلم للأبي المالكي ج ٨ ص ٢٢٩) (مكمل إكمال إكمال المعلم لمحمد الأسنوي الحسني ج ٨ ص ٢٢٩)

(۸) علامہ حافظ عبد العزیز پرہاروی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

يجب تأويله إما بأن المراد بالسب إظهار خطأ اجتهاده وصواب اجتهادنا، وإما بأنه سمع قوما يسبونه فأراد كفهم عن سبه بإظهار فضله على لسان سعد، وإما بأنه ليس فيه الأمر بل سؤال من السبب المانع عنه وتكنيه رضي الله تعالى عنه بأبي تراب ليس طعنا فإنه كان يحب أن يكنى به.

''یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کی تاویل کرنا واجب ہے کہ یا تو سَب سے مراد حضرت علی کے اجتہاد کی خطا کا ظاہر کرنا اور ہمارے (حضرت امیر معاویہ کے) اجتہاد کا درست ہونا بیان کرنا ہو۔ یا ہوسکتا ہے انہوں نے بعض لوگوں کو سَب کرتے سنا ہو اور حضرت امیر معاویہ زبانِ حضرت سعد کے ذریعے حضرت علی کے فضائل ظاہر کروا کر اس قوم کو روکنا چاہتے ہوں۔ یا پھر یہ مراد ہے کہ اس میں سَب کرنے کا حکم نہیں ہے بلکہ سَب نہ کرنے کا سبب دریافت کیا ہے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کی کنیت ابوتراب سے پکارنے میں کوئی طعن نہیں اس لیے کہ یہ تو ان کی پسندیدہ کنیت ہے''۔

(الناهية عن طعن أمير المؤمنين معاوية رضي الله تعالى عنه ص ۱۰، فصل في الأجوبة عن مطاعنه)

(۹) علامہ طاہر پٹنی گجراتی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

هذا لا يستلزم أمر معاوية بالسب بل سؤال عن سبب امتناعه عنه أنه تورع أو إجلال أو غير ذلك، أو المعنى ما منعك أن تخطئه في اجتهاد وتظهر للناس حسن اجتهادنا

''یعنی یہ اس بات کو مستلزم نہیں ہے کہ حضرت امیر معاویہ نے سَب کا حکم دیا ہو بلکہ سَب نہ کرنے کا سبب پوچھا ہے کہ وہ ورع و بزرگی ہے یا اس کے علاوہ کچھ اور ہے۔ یا یہ معنی ہے کہ لوگوں کے سامنے ان کے اجتہاد کی خطا کو بیان کرنے اور ہمارے اجتہاد کی درستی کا اظہار کرنے سے تمہیں کس چیز نے روکا ہے''۔ (مجمع بحار الانوار ج ۳ ص ۱۰)

(۱۰) فیضی صاحب کے غریب اہل سنت علامہ ابوالحسن سندھی حاشیہ ابن ماجہ میں لکھتے ہیں:

ومقتضى حسن الظن أن يحسن السب على التخطئة ونحوها مما يجوز بالنسبة إلى أهل

الاجتہاد لا اللعن وغیرہ.

''یعنی حسنِ ظن کا تقاضا ہے کہ سَب کو خطا وغیرہ کے معنی پر محمول کیا جائے جس (خطا وغیرہ) کا اطلاق اہلِ اجتہاد کی طرف نسبت کرنا جائز ہے نہ کہ لعنت وغیرہ (معنی کیا جائے)''۔

(حاشیۃ السندی علی سنن ابن ماجۃ ج۱ ص ۸۶ رقم ۱۲۱)

یہ ائمہ اہلسنت کثرہم اللہ تعالیٰ کی شرح ہے، اور ان کے مطابق اس حدیث کا معنی یہ نہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سب کا حکم دیا، بلکہ اس کا معنی ہے کہ آپ نے سب نہ کرنے کا سبب دریافت کیا، تاکہ حضرت سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ، شیر خدا مولا مشکل کشا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل لاجواب بیان فرمائیں اور ان لوگوں کو عبرت حاصل ہو جو ان نفوس قدسیہ پر سب وشتم کرتے تھے، اگر سب کرنے کا امر مراد لے بھی لیا جائے تو اس سے مراد اجتہاد میں خطا کار قرار دینا ہے نہ کہ برا بھلا کہنا۔

جی مولوی فیضی صاحب! اب آپ ان سب پر کاریگری کا الزام لگا دیں۔ لیکن آپ کے لیے کوئی مسئلہ نہیں جب صحابہ کرام علیہم الرضوان آپ سے محفوظ نہ رہے تو ان حضرات کی ہستی ہی آپ کے حضور کیا ہے۔!

مدعی لاکھ یہ بھاری ہے گواہی تیری

اوپر گزرا کہ حضرت ضرار بن ضمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خواہش پر مولائے کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل بیان کیے، فیضی صاحب اس واقعے کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: امام ابن عساکر رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں: حضرت ضرار بن ضمرہ جب امیر المؤمنین علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صفات حسنہ کے بیان سے فارغ ہوئے تو حضرت معاویہ نے ان تمام صفات کی تائید کی (اب اپنی طرف سے لکھتے ہیں یہ ابن عساکر کے الفاظ نہیں لیکن انہوں نے اسے ابن عساکر کی طرف منسوب کیا ہے) اور آخر میں مایوسی کا اظہار کرتے ہوئے یوں گویا ہوئے لیکن اگر میری موت کے بعد میرے ساتھیوں سے میرے متعلق پوچھا گیا تو اس طرح بیان نہیں کریں گے۔

(شرح خصائص علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول کا معنی بالکل واضح ہے کہ آپ مولائے کائنات

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت وعظمت ، برتری کا اظہار فرما رہے ہیں اور عاجزی کا اظہار کرتے ہوئے اپنے لیے یہ کہہ رہے ہیں کہ میرے ایسے اوصاف نہیں کہ میرے انتقال کے بعد بیان کیے جائیں۔

لیکن برا ہو تعصب کا موصوف نے جہاں ابن عساکر رحمہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں اضافہ کرتے ہوئے بددیانتی کی وہیں اس کے بعد انہوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کی ایسی شرح کی کہ آپ کے عاجزی والے کلمات مقام مدح کی جگہ مقام ذم میں آ گئے۔

موصوف اپنی ایک اور کتاب میں لکھتے ہیں: ''راقم الحروف کی گزارش ہے کہ فضائل بیان کرنے کے لیے ہوتے ہیں، تنازع کے لیے نہیں، لہٰذا جس بلند مرتبہ ہستی کے فضائل بیان کرنا ہوں بلا تقابل اس کے فضائل بیان کر دیئے جائیں اور کسی دوسری ہستی پر تعریض وغیرہ سے کلیۃ اجتناب کیا جائے''۔

(شرح اسنی المطالب ص ۳۶)

میں پوچھتا ہوں کہ آپ کے یہ تمام قاعدے اور گزارشات سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں کیوں تبدیل ہو جاتے ہیں کہ آپ تعریض وتنقیص کرنے سے باز نہیں آتے چاہے اس کے لیے جھوٹ اور خیانت ہی سے کام کیوں نہ لینا پڑے۔ نعوذ باللہ من ذالك!

موصوف لکھتے ہیں: جہاں تک میرے مطالعہ کا تعلق ہے اس کی روشنی میں، میں سمجھتا ہوں حضرت معاویہ مجموعی طور پر اسلام کے خیر خواہ تھے، اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق بھی ان کے دل میں ایک عظمت اور فضیلت موجود تھی، مگر وہ اس کا اظہار عام نہیں کرتے تھے، البتہ شاذ و نادر موقعوں پر سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کسی وفادار ساتھی یا اپنے ہی کسی ہم راز کے سامنے ان کے علم وزہد وغیرہ کا اعتراف یا اظہار کر دیتے تھے، جیسا کہ حضرت ضرار صدائی سے فرمائش کر کے عظمت مرتضوی سنی تھی اور سننے کے بعد کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ علی پر رحمت فرمائے وہ ایسے ہی تھے، یا جیسا کہ سیدنا علی المرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی خبر آنے پر وہ إنا لله وإنا إليه راجعون کہنے کے بعد رو پڑے تھے، تو ان کی زوجہ نے کہا تھا: اب روتے ہو، حالانکہ تم ان کے ساتھ لڑتے رہے؟ تو جواباً کہا: تم نہیں جانتی کہ لوگوں نے کس قدر فضل، فقہ اور علم کھو دیا۔ (شرح خصائص علی ص ۹۳۸)

اس کے بعد موصوف نے حسب عادت سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف زہر اگلا ہے، لیکن ان کی اس عبارت سے واضح ہو گیا کہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

کس قدر محبت کرتے تھے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حلم میں بے مثل تھے، کیا کسی بردبار شخص سے ایسی بات کی توقع کی جاسکتی ہے۔ پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حکومت مستحکم ہوچکی تھی، حضرات حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما آپ کے ہاتھ پر بیعت کرچکے تھے، کیا کسی سمجھدار آدمی سے اس بات کی توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ بنے بنائے کام کو خوامخواہ بگاڑنا شروع کردے۔

باقی اس کے علاوہ تاریخی روایات آئی ہیں ان کا تو کوئی اعتبار ہی نہیں کہ سندا سب مطروح ومردود ہیں، ہاں بنوامیہ کے گورنروں میں سے کسی نے بعد میں سب وشتم کیا یا اسی وقت کسی جگہ ایسا ہوا تو اس میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مورد الزام ٹھہرانا یہ رسول اللہ صلی اللہ تعال علیہ وآلہ وسلم کے ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عداوت کی وجہ سے ہی ہوسکتا ہے، حقیقت کے اعتبار سے نہیں۔

حاصل کلام یہ کہ ائمہ اہل سنت کی تصریحات کے مطابق حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، مولائے کائنات مولا مشکل کشا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے محبت کرنے والے، ان کی فضیلت وعظمت کا اعتراف کرنے والے، ان کے فضائل وکمالات کو بیان کرنے والے تھے۔ کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کبھی بھی برا بھلا کہنے کے مرتکب ہوئے ہوں، مسلم شریف کی حدیث مبارک بھی اس باب میں صریح نہیں بلکہ اس کے متعدد معنی شارحین حدیث نے بیان فرمائے ہیں جیسا کہ ابھی تفصیل سے گزرا۔

میسون بنت بحدل

محترم قارئین! اب تک آپ دیکھتے آئے ہیں کہ کس طرح انہوں نے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تنقیص کرنے کے لیے تحریفات کا بازار گرم کیا ہوا ہے، ان کی کتاب اٹھا کر دیکھ لیں اس کے لیے انہوں نے ان دیابنہ وہابیہ کی کتب سے بکثرت استناد کیا ہے جن میں سے بعض نے تو سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذکر کی محفل تک سجانے کو ناجائز لکھا ہے، یہ وہ لوگ ہیں جو ابن تیمیہ کے متبعین ہیں جس کا مولائے کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں تنقیص کرنا مشہور ومعروف ہے جو بقول خود فیضی شان مولائے کائنات میں صرف دو حدیثوں کو صحیح مانتا ہے۔ لیکن اب موصوف ایک قدم آگے بڑھتے ہیں اور سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اہلیہ میسون بنت بحدل کو کافر ثابت کرتے ہیں اور اس کے لیے ان کا استدلال فلپ ہٹی مستشرق کا قول ہے۔ حالانکہ ائمہ اسلام نے ان کو تابعیات میں شمار کیا ہے، ان سے مروی

ایک حدیث بھی ذکر کی ہے۔

تابعی کس کو کہتے ہیں

تابعی اس مسلمان کو کہتے ہیں جس نے کسی بھی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحبت اختیار کی یا ان سے ملاقات کی۔ علامہ سید شریف جرجانی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

التابعي كل مسلم صحب صحابيا وقيل من لقيه وهو الأظهر

''تابعی ہر اس مسلمان کو کہتے ہیں جس نے کسی صحابی کی صحبت اختیار کی ہو، اور ایک قول یہ ہے کہ تابعی وہ مسلمان ہے جس نے کسی صحابی سے ملاقات کی ہو اور یہی زیادہ ظاہر ہے''۔

علامہ حافظ عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ دوسری تعریف کے تحت لکھتے ہیں:

أي التعريف الثاني للتابعي أظهر وأقوى قد اختاره جمع من أرباب التقوى والفتوى

''یعنی تابعی کی دوسری زیادہ ظاہر زیادہ قوی ہے اسی کو ارباب تقوی وفتوی کی ایک جماعت نے اختیار کیا ہے''۔ (ظفر الأماني بشرح مختصر السيد الجرجاني ص ٥٤٠) وانظر: (المنهل الروي في مختصر علوم الحديث النبوي لابن جماعة ص ٣٧٩) (الخلاصة في أصول الحديث للطيبي ص ١٢٥)

حافظ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ تدریب الراوی میں دوسری تعریف کے بارے میں لکھتے ہیں:

قال العراقي: وعليه عمل الأكثرين من أهل الحديث

''حافظ عراقی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اسی پر اکثر محدثین کا عمل ہے''۔

(تدريب الراوي ج ٥ ص ٢٤٠)

میسون بنت بحدل تابعیہ ہیں۔

حدیث، فقہ اور لغت کے امام، حسن بن محمد صغانی لاہوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب العباب الزاخر میں ان کو تابعیات میں شمار کیا ہے۔ اسی طرح امام فقیہ حنفی محدث مرتضی زبیدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تاج العروس میں حافظ صغانی کے حوالے سے ان کو تابعیات میں سے لکھا ہے۔

حافظ ابو بکر بن ماکولا، حافظ ابن نقطہ، حافظ ابن عساکر، حافظ ناصر الدین الدمشقی، حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہم اللہ تعالیٰ نے آپ رحمہا اللہ تعالیٰ کے بارے میں لکھا ہے کہ آپ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتی ہیں، حافظ ابن عدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے الکامل میں جب کہ حافظ ابن طاہر المقدسی

نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کی حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ایک حدیث ضعیف کو ذکر کیا ہے۔

(الاکمال لابن ماکولا ج۷ ص ۱۹۳) (تاج العروس ج ۱٦ ص ٥۲۹) (تاریخ دمشق ج ۷۰ ص ۱۳۰ رقم ۹٤۳۲) (تبصیر المتنبہ بتحریر المشتبہ ج ۲ ص ۱۲۸۰) (الکامل في ضعفاء الرجال ج ٤ ص ۲٦٦ رقم ٦۰۷۰) (ذخیرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۱٤۸٥ رقم ۳۲۸۰) (العباب الزاخر)

ان ائمہ اسلام کی تصریحات سے ان کا تابعیہ ہونا واضح ہے، ان کے کفر پر تو دور کی بات فسق و فجور پر کوئی بات کسی سند صحیح سے ثابت نہیں۔

فیضی متبع فلپ ہٹی کا قول

لیکن فیضی بددین نے مستشرقین کے اقوال کا سہارا لے کر ان کا غیر مسلم ہونا ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ موصوف لکھتے ہیں:

''قرائن واحوال سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک خصی شخص کے آنے پر میسون بنت بحدل کا اپنے شوہر پر چڑھائی کرنے کا سبب اس کی پارسائی نہیں تھا، بلکہ وہ اس عمل سے اپنے خاوند کو خفت سے دوچار کرنا چاہتی تھی، اس لیے کہ وہ ایک عیسائی عورت تھی اس کا امیرِ شام کے نکاح میں آنا عیسائی حکمتِ عملی کے تحت تھا۔'' (الاحادیث الموضوعات ص ۳۱۸)

لعنت اللہ علی الکذبین۔ دلیل کیا ہے ملاحظہ فرمائیں لکھتے ہیں:

''ہمارے مؤرخین اور علماء انساب میں سے کسی نے بھی میسون کے مسلمان ہونے کی تصریح نہیں کی، ماسوا اس کے کہ علامہ صغانی لاہوری نے اسے تابعیہ لکھا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ انہوں نے فقط اصطلاحی طور پر لکھا ہے ورنہ عند الشریعہ تو اس کے شوہر بھی تابعین بالاحسان میں سے نہیں تھے جیسا کہ ہم گذشتہ صفحات میں اشارہ کر چکے ہیں اور ہماری کتاب الصحابۃ والطلقاء میں اس کی مکمل تفصیل موجود ہے، اس کے برعکس اس کے عیسائی ہونے کے شواہد زیادہ ہیں۔ چنانچہ ڈاکٹر رضوان علی ندوی مشہور مؤرخ فلپ ہٹی کے حوالے سے لکھتے ہیں: یزید کی ماں کے حوالے سے یہ بات قدیم عربی تواریخ میں لکھی ہے کہ وہ شام کے عرب قبیلے بنی کلب (جس کے اکثر لوگ قدیم سے عیسائی ہو گئے تھے) کے ایک سردار کی بیٹی میسون بنت بحدل تھی۔ ہمارے مؤرخ اس کے مذہب کی تصریح نہیں کرتے۔ لیکن لبنان کے اس عیسائی عرب نے

تصریح کی ہے کہ نصرانی تھی۔ حدیث قسطنطنیہ، حقائق واوھام ص ۱۱۸۔ علامہ ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ لکھنا درست ہے کہ اکثر کتب میں میسون کے مذہب کی تصریح نہیں ملتی، تاہم ظاہر یہ ہے کہ وہ عیسائی ہی تھی''۔ (الاحادیث الموضوعات ص ۳۲۹۔۳۳۰)

اقول وباللہ التوفیق! کیا حافظ ابن ماکولا، حافظ ابن نقطہ، حافظ ناصر الدین دمشقی، حافظ ابن حجر عسقلانی، امام صغانی اور امام زبیدی رحمہم اللہ تعالیٰ ہمارے علما میں سے نہیں ہیں، ضرور ہیں لیکن ہمارے علما میں سے ہیں فیضی کے علما میں سے نہیں، اس کے علما کون ہیں یہ اوپر واضح ہو چکا ہے۔''الجنس یمیل الی جنسہ'' یا فارسی میں کہیں تو

کند ہم جنس بہ ہم جنس پرواز۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کبوتر بہ کبوتر باز بہ باز

ثانیاً: اگر حافظ صغانی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اصطلاحاً ان کو تابعیات میں سے شمار کیا ہے تو ذرا عوام کو بتانا تو تھا کہ اصطلاحی اعتبار سے تابعی کس کو کہتے ہیں؟ کیوں بتاتے؟ یا تو بوجہِ جہالت معلوم ہی نہیں تھا یا بوجہِ خیانت چھپالیا کہ بتاتے تو پول کھل جاتا کیونکہ اصطلاحاً تو تابعی کے لیے مسلم ہونا شرط ہے۔

ثالثاً: سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مفسرین کی ایک جماعت کے مطابق سورۃ التوبہ میں السابقون الاولون کے تحت ہی داخل ہیں یعنی جن کے نزدیک یہاں سبقت سے مراد صحابیت ہے کہ یہ تمام ہی حضرات دیگر امت سے ایمان لانے میں سبقت لے گئے۔ جیسا کہ ہم مفسرین کے حوالے سے گذشتہ صفحات میں لکھ چکے ہیں۔ اور دیگر اقوال کے مطابق آپ یقینا بھلائی کے ساتھ انصار ومہاجرین کی اتباع کرنے والے ہیں، معصوم نہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں نہ کوئی دوسرے صحابی، اہل سنت کے نزدیک معصوم صرف انبیائے کرام علیہم السلام اور ملائکہ ہیں۔ لیکن ہم پر لازم ہے کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کا ذکر خیر کے ساتھ ہی کریں گے۔ اور ان کے آپس کے معاملات میں سکوت اختیار کریں گے۔ لیکن یہ اہل سنت کے نزدیک ہے، فیضی صاحب اور ان کے مقتدیٰ فلپ ہٹی کا کیا مؤقف ہے فیضی صاحب ہی جانیں۔

مفتیان اسلام بالخصوص مفتی خان قادری توجہ فرمائیں!

رابعاً: ائمہ نے جب ان کو تابعیات میں سے شمار کیا، اور راویان حدیث میں ذکر کیا، تو کیا حکم ہوگا شرعی اعتبار سے اس شخص پر جو اندازے سے کسی پر کفر کا حکم لگائے؟ ایک مقام پر کہے کہ وہ ایک عیسائی

عورت تھی اور دوسرے مقام پر کہے: ''تاہم ظاہر یہ ہے کہ وہ عیسائی ہی تھی''
امید ہے مفتی خان قادری صاحب حکم شرع کا اظہار ضرور فرمائیں گے۔

فیضی کی ہرزہ سرائی

فیضی ناخلف، اپنے بغض باطن کا اظہار کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''جس عورت کو ابن کثیر اور ہمارے لکیر کے فقیر امیر اہلسنت اس قدر پارسا بنا کر پیش کر رہے ہیں کیا واقعتہ وہ ایسی پارسا تھی؟ ہرگز نہیں تھی، اس کی دلیل یہ ہے کہ امیر شام نے میسون کی موجودگی میں ایک عورت سے شادی کی تو میسون کو اس کے جسم کا معائنہ کرنے کا حکم دیا۔ میسون نے اس عورت کی شرمگاہ تک کا معائنہ کیا، چنانچہ ابن کثیر لکھتے ہیں: اور انہوں [معاویہ] نے نائلہ بنت عمارہ الکلبیہ سے بھی نکاح کیا جس کا حسن انہیں اچھا لگا اور انہوں نے میسون بنت بحدل سے کہا: جا کر اپنی عم زادی کو دیکھو۔ وہ اندر گئی تو معاویہ نے اس سے اس کے متعلق پوچھا تو اس نے کہا: وہ حسن و جمال میں کامل ہے لیکن میں نے اس کی ناف کے نیچے ایک تل دیکھا ہے اور میرا خیال ہے اس کا خاوند قتل ہو جائے گا اور اس کا سر اس کی گود میں رکھا جائے گا تو حضرت معاویہ نے اسے طلاق دے دی اور ان کے بعد حبیب بن سلمہ فہری نے اس سے نکاح کر لیا پھر اس کے بعد نعمان بن بشیر نے اس سے نکاح کیا اور قتل ہو گئے اور ان کا سر اس کی گود میں رکھا گیا''۔ (الاحادیث الموضوعات ص ۳۱۳۔۳۱۴)

اس کے بعد موصوف نے ہیڈنگ لگائی: ''کیا عورت کا عورت کی شرمگاہ کو دیکھنا جائز ہے'' اور پھر اس میں خوب رنگ بھرا ہے۔

اقول و باللہ التوفیق! اوّلاً: فیضی صاحب تو بزعم خود بڑے محقق ہیں جہاں دلائل ان کو لے جاتے ہیں یہ اسی طرف چلے جاتے ہیں تو آپ نے یہاں کیوں تحقیق نہ کی کہ یہ واقعہ ثابت بھی ہے یا نہیں؟ جہاں سے موصوف نے واقعہ نقل کیا اس مقام پر یہ بات بلا سند مذکور ہے کیا محقق اعظم کے لیے حلال ہے کہ وہ بلا سند بات کے ذریعے کسی پر تہمت لگائیں۔؟

ثانیاً: فیضی صاحب کے یہاں شاید یہ رواج ہوگا کہ اگر گھر کی خواتین کو کمرے میں دلہن کو دیکھنے کے لیے بھیجا جائے تو اندر جانے والی دلہن کے جسم کا معائنہ کرنے کے لیے جاتی ہے، البدایہ والنہایہ میں عربی

الفاظ یہ تھے: ادخلی فانظری إلی ابنة عمك جس کا ترجمہ خود موصوف نے یہ کیا ''جا کر اپنی عم زادی کو دیکھو'' اور تمہیدی الفاظ یہ لکھے: ''امیر شام نے میسون کی موجودگی میں ایک عورت سے شادی کی تو میسون کو اس کے جسم کا معائنہ کرنے کا حکم دیا'' اب یہ تو فیضی صاحب ہی بتاسکیں گے کہ عم زادی یعنی چچا زاد کو دیکھو کا معنی جسم کا معائنہ کرنا کیسے ہوتا ہے؟ فیضی صاحب تجربہ کار آدمی ہیں شاید نانا دادا بن گئے ہوں گے، نہ جانے کس کس کے جسم کے معائنہ کے لیے خواتین کو اندر بھیجا ہوگا۔

ثالثاً: عربی الفاظ یہ تھے: رأیت تحت سرتها خالا جس کا ترجمہ موصوف نے یہ کیا ہے: ''لیکن میں نے اس کی ناف کے نیچے ایک تل دیکھا ہے'' تحت السرة کا معنی شرمگاہ بنتا ہے؟ غالباً فیضی صاحب جس طرح اپنے کو آپ کو سنی سمجھتے ہیں اسی طرح حنفی بھی سمجھتے ہی ہوں گے احناف کے نزدیک قیام میں ہاتھ تحت السرة باندھے جاتے ہیں کیا اس کا معنی یہ ہوگا کہ فیضی صاحب نماز میں .... پر ہاتھ باندھتے ہیں؟

رابعاً: فیضی صاحب نے بڑے اہتمام کے ساتھ بیان کیا کہ انہوں نے معائنہ کیا اور شرمگاہ کا بھی معائنہ کیا؟ اگر فیضی صاحب کہیں تشریف فرما ہوں اور اتفاق سے کپڑا کچھ نیچے ہوجائے اور فیضی صاحب کے کسی چاہنے والے کی نظر ناف سے نچلے حصے پر پڑ جائے تو وہ یہ کہے گا میں نے حضرت کے ناف کے نچلے حصے کو دیکھا یا یوں کہے گا: میں نے حضرت ------ کا معائنہ کیا؟

یہاں ایسا کیوں ممکن نہیں کہ دلہن کا کپڑا ہٹنے کی وجہ سے میسون بنت بحدل کی نظر اتفاقاً پڑ گئی ہو؟ فیضی کی نظر میں یہ ممکن نہیں اس لیے کہ وہ حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اہلیہ تھیں۔

بہرحال یہ تو فیضی صاحب کے رنگیلی کہانی گھڑنے کا جواب تھا ورنہ اس واقعے کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔

تاریخ کی اس طرح کے واقعات میں شرعی حیثیت

اعلیٰ حضرت امام اہلسنت رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: مہمہ عظیمہ (مشاجرات صحابہ میں تواریخ وسیر کی موحش حکایتیں قطعاً مردود ہیں) افادہ ۲۳ پر نظر تازہ کیجئے وہاں واضح ہو چکا ہے کہ کتبِ سیر میں کیسے کیسے مجروحوں، مطعونوں، شدید الضعفوں کی روایات بھری ہیں، وہیں کلبی رافضی متہم بالکذب کی نسبت سیرت عیون الاثر کا قول گزرا کہ اُس کی غالب روایات سیر وتواریخ ہیں جنہیں علما ایسوں سے روایت کر لیتے ہیں، وہیں سیرت انسان العیون کا ارشاد گزرا کہ سیر موضوع کے سوا ہر قسم ضعیف وسقیم و بے سند حکایات کو جمع کرتی ہے پھر انصافاً یہ بھی انہوں نے سیر کا منصب بتایا جو اُسے لائق ہے کہ موضوعات تو اصلاً کسی کام کے

نہیں اُنہیں وہ بھی نہیں لے سکتے ورنہ بنظر واقع سیر میں بہت اکاذیب واباطیل بھرے ہیں مالایخفی بہر حال فرق مراتب نہ کرنا اگر جنوں نہیں تو بدمذہبی ہے بدمذہبی نہیں تو جنون ہے یہ جن بالائی باتوں کے لئے ہے اُس میں حد سے تجاوز نہیں کر سکتے، اُس کی روایات مذکورہ کسی تنقیص وانتقاص کے مسئلہ میں بھی سننے کی نہیں نہ کہ معاذ اللہ اُن واہیات ومعضلات وبے سروپا حکایات سے صحابہ کرام حضور سید الانام علیہ وعلی آلہ وعلیہم افضل الصلاۃ والسلام پر طعن پیدا کرنا اعتراض نکالنا اُن کی شان رفیع میں رخنے ڈالنا کہ اس کا ارتکاب نہ کرے گا مگر گمراہ بددین مخالف ومضاد حق تبیین، آج کل کے بدمذہب مریض القلب منافق شعار ان جزافات سیر وخرافات تواریخ وامثالہا سے حضرات عالیہ خلفائے راشدین وام المومنین وطلحہ وزبیر ومعاویہ وعمرو بن العاص ومغیرہ بن شعبہ وغیرہم اہلبیت وصحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مطاعن مردودہ اور ان کے باہمی مشاجرات میں موحش ومہمل حکایات بیہودہ جن میں اکثر تو سرے سے کذب محض اور بہت الحاقات ملعونہ روافض سے چھانٹ لاتے اور اُن سے قرآن عظیم وارشادات مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واجماع اُمت واساطین ملت کا مقابلہ چاہتے ہیں بے علم لوگ اُنہیں سُن کر پریشان ہوتے یا فکر جواب میں پڑتے ہیں اُن کا پہلا جواب یہی ہے کہ ایسے مہملات کسی ادنیٰ مسلمان کو گنہگار ٹھہرانے کیلئے مسموع نہیں ہو سکتے نہ کہ اُن محبوبانِ خدا پر طعن جن کے مدائح تفصیلی خواہ اجمالی سے کلام اللہ وکلام رسول اللہ مالامال ہیں جل جلالہ، وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، امام حجۃ الاسلام مرشد الانام محمد محمد غزالی قدس سرہ العالی احیاء العلوم شریف میں فرماتے ہیں:

لا تجوز نسبة مسلم إلا كبيرة من غير تحقيق نعم يجوز أن يقال أن ابن ملجم قتل عليا فإن ذلك يثبت متواترا۔

”کسی مسلمان کو کسی کبیرہ کی طرف بے تحقیق نسبت کرنا حرام ہے، ہاں یہ کہنا جائز ہے کہ ابن ملجم شقی خارجی اشقی الآخرین نے امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ کو شہید کیا کہ یہ بتواتر ثابت ہے“۔

حاشا للہ! اگر مورخین وامثالہم کی ایسے حکایات ادنیٰ قابلِ التفات ہوں تو اہل بیت وصحابہ درکنار خود حضرات عالیہ انبیاء ومرسلین وملائکہ مقربین صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہم اجمعین سے ہاتھ دھو بیٹھنا ہے کہ ان مہملات مخذولہ نے حضرات سعادتنا ومولانا آدم صفی اللہ وداؤد خلیفۃ اللہ وسلیمان نبی اللہ ویوسف رسول اللہ

ے سید المرسلین محمد حبیب اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وسلم تک سب کے بارہ میں وہ وہ ناپاک بیہودہ حکایات موحشہ نقل کی ہیں کہ اگر اپنے ظاہر پر تسلیم کی جائیں تو معاذ اللہ اصل ایمان کو رد کر بیٹھنا ہے ان ہولناک اباطیل کی بعض تفصیل مع رد جلیل کتاب مستطاب شفا شریف امام قاضی عیاض اور اس کی شروح وغیرہا سے ظاہر لاجرم ائمہ ملت و ناصحانِ اُمت نے تصریحیں فرما دیں کہ ان جہال وضلال کے مہملات اور سیر و تواریخ کی حکایت پر ہرگز کان نہ رکھا جائے شفا و شروح شفا و مواہب و شرح مواہب و مدارج شیخ محقق وغیرہا میں بالاتفاق فرمایا۔۔۔'' (فتاویٰ رضویہ ج ۵ ص ۵۸۲-۵۸۳)

امام اہلسنت رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسلاف کے کلام کا خلاصہ یہاں بیان فرما دیا ہے کہ سیر و تاریخ کی کتب جن بالائی باتوں کے لیے ہیں ان ہی پر مقتصر ہوں گی فضائل وغیرہ میں تو ان کی وہ باتیں جو دیگر نصوص کے معارض نہیں قبول کی جائیں گی لیکن اس کے ذریعے مشاجرات پر کلام کرنا یا صحابہ کرام علیہم الرضوان پر طعن کرنے کے لیے ان کو سند بنانا یا تو جاہل کا کام ہے یا بدمذہب مریض القلب کا۔
ان تواریخ میں اس طرح کی جو باتیں ہیں اگر ان کو لے لیا جائے تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ نہ صحابہ کرام علیہم الرضوان محفوظ رہیں گے، نہ اہل بیت اطہار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، نہ انبیاء ومرسلین علیہم الصلاۃ والسلام نہ فرشتے۔

لیکن فیضی کا کہنا ہے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف تاریخ تو دور کی بات ہے شیطان بھی ان کو کوئی بات بتائے گا تو بسر و چشم اسے قبول کریں گے۔ میسون بنت بحدل کو موصوف نے عیسائی ثابت کرنے کے لیے جو دلیل دی وہ تو آپ نے ملاحظہ فرمائی ہے اور جو واقعہ موصوف نے ذکر کیا اس سے بھی ملاحظہ فرمالیا۔ اسی طرح کی باطل باتوں پر موصوف نے کئی صفحات کالے کرتے ہوئے اپنے نامۂ اعمال کو مزید سیاہ کیا ہے۔ جب بنیاد ہی باطل تو عمارت کی حیثیت کیا رہی۔

اس واقعے کا ماخذ کیا ہے؟

اس واقعے کو امام طبری نے تاریخ میں روایت کیا ہے، سند یوں بیان کی ہے: حدثني أحمد عن علي قال: لما تزوج معاوية...الخ۔

ہم فضائل کی روایات کو فقط جہالت راوی کی وجہ سے رد کرنے والے اور ان کو موضوع قرار دینے والے عصر حاضر کے محقق فیضی صاحب سے مطالبہ کرتے ہیں ذرا تعیین فرمائیں کہ یہاں احمد سے مراد کون

ہیں؟ اور ان کے شیخ علی کون ہیں؟ نیز ان کے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان اتصال ہے یا انقطاع؟ اتصال ثابت کریں، ورنہ مثالب کے لیے منقطع روایت سے استدلال کرنے والے کا حکم بیان کریں۔

اب ایسی مجروح، منقطع روایت پر فیضی صاحب نے پوری عمارت کھڑی کردی کہ صرف میسون کے خبر دینے پر طلاق دینا کیسا پھر لکھتے ہیں: اب یہ وضاحت تو امیر اہل سنت ہی کر سکتے ہیں کہ ان کی فیض دہندہ ہستی نے محض ایک وجہ سے جو طلاق دی وہ طلاق احسن تھی طلاقِ حسن تھی طلاق بدعی تھی، یا پھر اجتہاد تھا اور اگر اجتہاد تھا تو کون سا دو اجروں والا یا ایک اجر والا؟ (الاحادیث الموضوعات ص ۳۱۶)

اقول و باللہ التوفیق! فیضی صاحب اغلوطات کے ذریعے عوام کو مرعوب کر سکتے ہیں، ذرا بتائیں، جب یہ واقعہ البدایہ والنہایہ میں بے سند تھا تو آپ جو امیر نہیں بلکہ نوکر ہیں تو آپ پر لازم تھا کہ اس کی تحقیق کرتے کہ اس واقعے کی سندی حیثیت کیا ہے۔ جب آپ نے اس کی سندی تحقیق بیان نہیں کی تو اس واقعے سے استدلال کرنے کا حکم کیا ہوگا؟ پھر ذرا یہ بتائیں کہ جس بے سند واقعے سے آپ صفحات پر صفحات کالے کیے جا رہے ہیں اس میں یہ کہاں ہے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو جسم کا معائنہ کرنے بھیجا تھا؟ جب یہ نہیں صرف خاتون کو دیکھنے کے لیے بھیجا تو اس کا معنی جسم کا معائنہ کرنا کیسا ہو گیا؟ اور آخر میں آپ نے یہ لکھا کہ پورے جسم کا معائنہ کروایا۔ کس جملے کا یہ معنی ہے؟ جب ایسا کوئی جملہ ہے ہی نہیں تو پھر یہ تہمت لگانے والے کا حکم کیا ہوگا؟ پھر میسون بنت بحدل پر یہ الزام انہوں نے شرمگاہ کا معائنہ کیا، حالانکہ ناف کے نیچے تل تھا، جس پر ان کی نظر اتفاقاً پڑنا ممکن اس کے لیے یہ جملہ استعمال کرنا کیسا ہے؟ پھر اگر انہوں نے ناف کے نیچے تل دیکھا تو ہمیں حسنِ ظن کا حکم ہے ممکن ہے اتفاقاً کپڑے ہٹنے کی وجہ سے نظر پڑ گئی ہو آپ اس پر پوری کہانی بنا رہے ہیں آپ کے لیے کیا حکم ہوگا؟

اس کے بعد موصوف نے اسی البدایہ والنہایہ سے ایک اور بے سند واقعہ نقل کیا اور اس پر داستان بنالی۔ اولاً خصی بنانے والے واقعے کی سند پیش کریں۔

اس کے بعد موصوف لکھتے ہیں: ''یہاں یہ امر بھی ذہن نشین رہے کہ اسلام میں خصی خادم رکھنے والے پہلے شخص معاویہ ہی ہیں، چنانچہ امام ذہبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ان کی اولیات کے بیان میں زبیر بن بکار سے نقل کرتے ہیں: وأول من اتخذ الخدام الخصيان في الإسلام وہ اول شخص ہیں جنہوں نے اسلام میں

خصی نوکر رکھے۔"

فیضی صاحب مثالب کی روایات ایسے ذکر کرتے ہیں جیسے فضائل بیان کرر ہے ہیں، جناب آپ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی پر طعن کرنے کے لیے میدان میں اترے ہوئے ہیں، ذرا تحقیق کر کے بتائیں زبیر بن بکار نے اپنی کس کتاب میں اس کو ذکر کیا ہے اور کیا اس کی سند بیان کی ہے؟ اگر کی ہے تو سند کی توثیق ثابت کریں۔ اگر سند بیان نہیں کی تو پھر بے سند باتوں سے طعن کرنے کا شرعی حکم کیا ہوگا؟

اس طرح کی ضعیف ومرجوح روایات اور فلپ ہٹی کی تحقیق کے ذریعے فیضی صاحب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث حسن اللھم اجعلہ ھادیا مھدیا کو رد کرنے چلے ہیں۔

اکل باطل کی نسبت

امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں:

عن عبد الرحمن بن عبد رب الكعبة قال دخلت المسجد فإذا عبد الله بن عمرو بن العاص جالس فی ظل الكعبة والناس مجتمعون عليه فأتيتهم فجلست إليه فقال كنا مع رسول الله -صلى الله عليه وسلم- فی سفر فنزلنا منزلا فمنا من يصلح خباءه ومنا من ينتضل ومنا من هو فی جشره إذ نادى منادی رسول الله -صلى الله تعالى عليه وآله وسلم- الصلاة جامعة. فاجتمعنا إلى رسول الله -صلى الله تعالى عليه وآله وسلم- فقال "إنه لم يكن نبی قبلی إلا كان حقا عليه أن يدل أمته على خير ما يعلمه لهم وينذرهم شر ما يعلمه لهم وإن أمتكم هذه جعل عافيتها فی أولها وسيصيب آخرها بلاء وأمور تنكرونها وتجىء فتنة فيرقق بعضها بعضا وتجىء الفتنة فيقول المؤمن هذه مهلكتی. ثم تنكشف وتجىء الفتنة فيقول المؤمن هذه هذه. فمن أحب أن يزحزح عن النار ويدخل الجنة فلتأته منيته وهو يؤمن بالله واليوم الآخر وليأت إلى الناس الذی يحب أن يؤتى إليه ومن بايع إماما فأعطاه صفقة يده وثمرة قلبه فليطعه إن استطاع فإن جاء آخر ينازعه فاضربوا عنق الآخر". فدنوت منه فقلت له أنشدك الله آنت سمعت هذا من رسول الله -صلى الله

تعالی علیه وآله وسلم - فأهوى إلى أذنيه وقلبه بيديه وقال: سمعته أذناي ووعاه قلبي. فقلت له: هذا ابن عمك معاوية يأمرنا أن نأكل أموالنا بيننا بالباطل ونقتل أنفسنا والله يقول (يا أيها الذين آمنوا لا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل إلا أن تكون تجارة عن تراض منكم ولا تقتلوا أنفسكم إن الله كان بكم رحيما) قال فسكت ساعة ثم قال أطعه في طاعة الله واعصه في معصية الله

''عبدالرحمن بن عبدرب الکعبہ بیان کرتے ہیں میں مسجد (حرام) میں داخل ہوا، وہاں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما کعبے کے سائے میں بیٹھے ہوئے تھے اور لوگ ان کے اردگرد جمع تھے، میں بھی ان کے پاس بیٹھ گیا، انہوں نے فرمایا ہم ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ تھے، ایک جگہ ہم نے پڑاؤ کیا، ہم میں سے بعض خیمے لگانے لگے، بعض تیروں کے پھل درست کرنے لگے، اور بعض اپنے مویشیوں کی دیکھ بھال کر رہے تھے، اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے منادی نے ندا دی: نماز کی جماعت قائم ہونے لگی ہے۔ ہم تمام رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس جمع ہو گئے، رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: مجھ سے پہلے جو بھی نبی گزرے سب کے ذمہ تھا کہ وہ اپنی امت کی اس بہتر بات کی طرف رہنمائی کرے جو ان کے حق میں جانتا ہے، اور اس جو برائی ان کے بارے میں جانتا ہے اس سے ان کو ڈرائے۔ رہا تمہاری اس امت کا معاملہ تو اس کے ابتدائی حصے میں تو عافیت اور آخری حصے میں آزمائش اور ایسے امور ہوں گے جنہیں تم ناپسند کرتے ہو، پس ایسے فتنے آئیں گے جو ایک سے بڑھ کر ایک ہوں گے، جب ایک فتنہ آئے گا تو مؤمن کہے گا یہ تو مجھے ہلاک کردینے والا ہے، پھر وہ فتنہ دور ہوجائے گا، پھر دوسرا فتنہ آئے گا تو مؤمن کہے گا یہی ہے یہی ہے (جو مجھے ہلاک کرنے والا ہے)، تو جو شخص یہ پسند کرے کہ اسے جہنم سے بچایا جائے اور جنت میں داخل کیا جائے، تو اسے موت اس حالت میں آئے کہ وہ اللہ عزوجل اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو، اور لوگوں کے ساتھ وہی معاملہ کرے جو اپنے ساتھ کیے جانے کو پسند کرتا ہے، اور جو کسی امام کی بیعت کرلے، اور صدق دل کے ساتھ اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیدے تو حتی الوسع اس کی

اطاعت کرے، پھر اگر دوسرا شخص آئے جو اس سے جھگڑے تو اس کو قتل کر دو۔ عبد الرحمن کہتے ہیں میں حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قریب ہوا اور ان سے عرض کی میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں کیا آپ نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سنی ہے؟ تو انہوں نے اپنے کانوں اور اپنے دل کی طرف اپنے ہاتھوں سے اشارہ کیا اور فرمایا: یہ بات میرے کانوں نے سنی اور دل نے یاد رکھی ہے، تو میں نے ان سے کہا کہ یہ آپ کے چچا کے بیٹے ہیں جو ہمیں ایک دوسرے کے مال باطل طریقے سے کھانے اور آپس میں قتال کا حکم دیتے ہیں: جبکہ اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد ہے: اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل ذریعے سے نہ کھاؤ مگر یہ کہ آپس کی رضامندی سے تجارت کے ذریعے اور ایک دوسرے کو قتل نہ کرو بے شک اللہ تم پر رحم فرمانے والا ہے۔ یہ سن کر حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما کچھ دیر خاموش رہے پھر فرمایا: ان کی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اطاعت کرو، اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی والے کاموں میں بات نہ مانو''۔ (صحیح مسلم ج ۸ ص ۱۸ رقم ٤٨٨٢)

اس روایت کو پڑھ کر اگر کچھ بھی کسی نے مطالعہ کیا ہو اور تعصب وبغض معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے خالی ہو تو خود جان سکتا ہے کہ یہ قائل کا اپنا گمان تھا چونکہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اجتہادی خطا کے مرتکب ہوئے تھے اور حضرت سیدنا علی المرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی حق وصواب پر تھے، حضرت عبد الرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے گمان اور تاویل کے اعتبار سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے یہ گفتگو کی ہے، ورنہ حقیقت کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔

آیئے علمائے اسلام کے اس حوالے سے ارشادات ملاحظہ فرمائیں:

امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ اس روایت کی شرح میں فرماتے ہیں:

وما ذکرہ عبد الرحمن عن معاویۃ إغیاءٌ فی الکلام علی حسب ظنہ وتأویلہ، وإلاَّ فمعاویۃ رضی اللہ عنہ لم یُعرف مِن حالہ ولا من سیرتہ شیء مما قالہ لہ

''اور جو کچھ عبد الرحمن نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں ذکر کیا ہے یہ ان کے اپنے گمان اور تاویل کی وجہ سے کلام حد سے بڑھنا ہے ورنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے احوال وسیرت میں کوئی ایسی بات معروف نہیں جو عبد الرحمن نے کہی

ہے"۔ (المفهم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم ج ٤ ص ٥٣)

امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

المقصود بهذا الكلام أن هذا القائل لما سمع كلام عبد الله بن عمرو بن العاص وذكر الحديث في تحريم منازعة الخليفة الأول وأن الثاني يقتل فاعتقد هذا القائل هذا الوصف في معاوية لمنازعته عليا رضي الله عنه وكانت قد سبقت بيعة علي فرأى هذا أن نفقة معاوية على أجناده وأتباعه في حرب علي ومنازعته ومقاتلته إياه من أكل المال بالباطل ومن قتل النفس لأنه قتال بغير حق فلا يستحق أحد مالا في مقاتلته

''اور مقصود اس کلام کے ساتھ یہ ہے کہ قائل نے جب حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا کلام سنا اور انہوں نے پہلے مقرر ہونے والے خلیفہ سے منازعت کی تحریم کو سنا اور یہ سنا کہ دوسرے کو قتل کر دیا جائے گا، تو اس قائل نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں یہ وصف گمان کرلیا، کیونکہ انہوں نے حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کی بیعت پہلے کر لی گئی تھی ان سے منازعت کی تھی، اور اس قائل نے یہ سمجھا حضرت امیر معاویہ کا اپنے لشکر اور پیروکاروں پر حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف جنگ آپ سے منازعت وقتال میں خرچ کرنا اور مال کو باطل طریقے سے کھانے اور قتل نفس میں سے ہے کیونکہ آپ کا یہ قتل بغیر حق کے ہے، للہذا اس قتال میں کوئی بھی کسی مال کا مستحق نہیں ہے''۔

(شرح النووي على صحيح مسلم ج ٦ ص ٤٧٦)

امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ تصریح کر چکے کہ یہ قائل کا گمان ہے، اور اس پر اہلسنت متفق ہیں کہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فعل حصول امارت کے لیے نہیں تھا، بلکہ قتل عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قصاص کے لیے تھا، اس حوالے سے اہل سنت کا مذہب کیا ہے آیئے احناف کی ایک عظیم شخصیت، سید السادات خاتم المحققین سید ابن عابدین شامی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ملاحظہ فرمائیں:

اعلم أرشدني الله وإياك وتولى هداي وهداك أن أفضل الأمة بعد نبيها صلى الله تعالى عليه وسلم أصحابه الذين نصروه وبذلوا مهجهم في مرضاته وليس من

مؤمن ولا مؤمنة إلا ولهم في عنقه أعظم منه فيجب علينا تعظيمهم واحترامهم ويحرم سبهم والطعن فيهم ونسكت عما جرى بينهم من الحروب فإنه كان عن اجتهادهم هذا كله مذهب أهل الحق وهم أهل السنة والجماعة وهم الصحابة والتابعون والأءمة المجتهدون ومن خرج عن هذا الطريق فهو ضال مبتدع أو كافر

''جان لے! اللہ تعالیٰ مجھے اور تجھے سیدھی راہ پر چلائے، اور میری اور تیری ہدایت کا والی ہو۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آپ کی امت میں سب سے افضل آپ کے صحابہ ہیں جنہوں نے آپ کی مدد کی اور اپنی زندگی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مدد میں صرف کی ہر مومن مرد وعورت کے پر ان کی بہت بڑا احسان ہے، ہم پر ان کی تعظیم، ان کا احترام لازم ہے، اور ان پر سب کرنا ان پر طعن کرنا حرام ہے، اور ان کے درمیان جو معاملات ہوئے ہم ان سے سکوت کرتے ہیں کیونکہ یہ ان کے اجتہاد کی وجہ سے تھے یہ تمام اہل حق کا مذہب ہے، اور وہ اہل حق اہل سنت و جماعت ہیں، اور صحابہ و تابعین اور ائمہ مجتہدین اہل سنت و جماعت ہی ہیں تو جو اس راہ سے دور ہوا وہ گمراہ، بد دین ہے یا کافر ہے''۔ (تنبیہ الولاۃ والحکام علی أحکام شاتم خیر الأنام ضمن مجموعۃ رسائل ابن عابدین ج۱ ص۵۴۷-۵۴۸)

جب یہ اجتہادی خطا تھی تو اس کو مال باطل کھانا راوی کے گمان میں تو ہوسکتا ہے، حقیقت کے اعتبار سے نہیں۔

فیضی صاحب کے پسندیدہ شارح صاحب الکوکب الوھاج نے امام قرطبی امام نووی رحمہا اللہ تعالیٰ کی اس شرح کو نقل کر کے مقرر رکھا ہے اور لکھا ہے:

فاتضح بتفسير النووي رحمه الله تعالى أنه ليس مراد القائل أن معاوية رضي الله تعالىٰ عنه كان يخون في بيت المال والعياذ بالله أو يقتل الناس بغير حق ولا اجتهاد كما زعم بعضهم فإنه لم يثبت ذلك عنه بطريق موثوق له وهو من فضلاء الصحابة رضي الله عنهم والله أعلم.

''امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تفسیر سے واضح ہوا کہ قائل کی مراد یہ نہیں تھی کہ حضرت امیر معاویہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیت المال میں خیانت کرتے العیاذ باللہ، یا آپ لوگوں کو بغیر حق یا اجتہاد کے قتل کر رہے تھے جیسا کہ بعض لوگوں نے گمان کیا ہے، کیونکہ یہ بات کسی ثقہ طریقے سے ثابت نہیں، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ فضلائے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے تھے"۔

(الکوکب الوھاج شرح صحیح مسلم ج۲۰ ص۸۰)

پھر یہ بھی پیش نظر رہے کہ حضرت عبد الرحمن بن عبد رب الکعبہ یہ تابعی ثقہ بزرگ ہیں اور کوفی ہیں، اور اہل کوفہ بالخصوص اس دور کے عمومی طور پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سخت خلاف تھے۔

ان تمام نقول سے تو یہ واضح ہے کہ یہاں عبد الرحمن بن عبد رب الکعبہ کا اپنا گمان تھا اور ظاہر ہے ان کا گمان غلط تھا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مخالفت کرنا اجتہاد کی بنیاد پر تھا جس کی صراحت آپ اوپر پڑھ چکے ہیں، لیکن اس دور کے سب سے بڑے بغضِ معاویہ رکھنے والے فیضی صاحب لکھتے ہیں: ایمان سے بتایئے! کیا حضرت عبد الرحمان نے غلط سمجھا تھا؟ کیا سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف جنگی معاملات میں خرچ کرنا اور ان کے خلاف اپنے متبعین کی وفاداریاں حاصل کرنے میں مال خرچ کرنا حلال تھا؟ ہرگز نہیں"۔ (الاحادیث الموضوعات ص۲۱۶)

یہ فیضی صاحب کی رائے ہے، جبکہ ائمۂ اہل سنت کا مؤقف آپ علامہ سید ابن عابدین شامی رحمہ اللہ تعالیٰ عنہ سے سماعت کر چکے ہیں، اور اس کی صراحت صرف علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ ہی نے نہیں لاتعداد ائمہ اہل سنت کر چکے ہیں کہ یہ اجتہادی خطا تھی اور ان کا یہ معاملات اختیار کرنا اپنے اجتہاد کی بنیاد پر تھا۔ جس کی روشنی میں واضح ہے کہ عبد الرحمن بن عبد رب الکعبہ کی یہ اپنی سوچ اور گمان تھا۔ حقیقت سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

پھر موصوف اپنے پیش رو کی طرح ایک اعتراض نقل کرتے ہیں انداز ملاحظہ فرمائیں کیا یہ کسی سنی کا انداز ہے؟ لکھتے ہیں:

"امیر شام کو مال اس قدر مرغوب تھا کہ وہ حاکمانہ اختیار استعمال کرتے ہوئے مالِ غنیمت میں سے سونے چاندی کو تقسیم سے پہلے ہی اپنے لیے خاص کرنے کا حکم فرماتے تھے، دستورِ دنیا داری یہ ہے کہ بادشاہوں کے ایسے احکام پر اکثر عمل ہو جاتا ہے تو معاملہ باہر نہیں آتا لیکن کبھی بعض ایمان دار اور امانت دار حضرات ایسے احکامات پر عمل کرنے سے پرہیز کریں تو بات

پبلک میں چلی جاتی ہے۔ ایسا ہی ایک واقعہ متعدد کتب حدیث وسیر وغیرہ میں آیا ہے کہ زیاد بن ابیہ جب معاویہ کی طرف سے کوفہ کا گورنر تھا تو اس نے خراسان کی طرف ایک لشکر بھیجا اور اس کا سربراہ صحابی رسول سیدنا حکم بن عمرو غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مقرر کیا۔ انہوں نے خراسان کو فتح کرلیا اور کثیر مالِ غنیمت حاصل کیا۔ زیاد نے انہیں ایک خط روانہ کیا جس کا مضمون یہ تھا: امابعد، امیر المؤمنین نے میری طرف ایک خط لکھا ہے کہ سونا چاندی ان کے لیے الگ کرلیا جائے لہٰذا سونا چاندی مجاہدین میں تقسیم نہ کیا جائے'' جوابا سیدنا حکم عمرو غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی طرف یوں لکھ بھیجا: تمہارا خط مجھے پہنچ چکا ہے، تم نے اس میں امیر المؤمنین کی کتاب (خط) کا ذکر کیا ہے، جبکہ میرے پاس امیر المؤمنین کی کتاب (خط) سے قبل اللہ کی کتاب موجود ہے اور اللہ کی قسم! اگر زمین وآسمان کسی بندے کے کچلنے کے لیے باہم مل جائیں اور وہ بندہ خوفِ الٰہی رکھتا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے نکلنے کی سبیل پیدا فرمادیتا ہے۔ والسلام۔ پھر سیدنا حکم بن عمرو غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں میں اعلان کرادیا کہ وہ مالِ غنیمت آپس میں تقسیم کرلیں۔ معاویہ نے چونکہ سیدنا حکم بن عمرو کو تقسیم کے متعلق ایک حکم کیا تھا، انہوں نے اس حکم کی تعمیل نہ کی تو انہیں قید کردیا گیا اور وہ اسی قید میں انتقال فرماگئے۔ بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ جب ان کے پاس یہ خط پہنچا اور انہوں نے اس کی تعمیل نہ کی تو اس موقع پر ان کی زبان پر یہ الفاظ جاری ہوگئے تھے: اے اللہ! اگر میرے لیے تیرے پاس کوئی خیر ہے تو مجھے اپنے پاس بلالے، پھر وہ اسی عرصہ میں خراسان کے علاقہ مرو میں انتقال فرماگئے۔'' (الاحادیث الموضوعات ص ۲۱۷)

افسوس فیضی صاحب یہ روایت سندا ضعیف ہے اور احتمالات کثیرہ پر مشتمل ہے، اس لیے آپ کے لیے تو ویسے بھی مفید نہیں۔

موصوف نے اس کے لیے کئی کتابوں کے حوالے دیئے ہیں لیکن اتنی توفیق نہیں ہوئی کہ ذرا اس کی تحقیق کرلیتے کہ روایت صحیح بھی ہے یا نہیں۔

اس کی سند میں ھشام بن حسان راوی ہیں جن کے بارے میں بیان کیا جاچکا ہے کہ یہ ثقہ راوی ہیں لیکن ان کی حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرنے میں کلام ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی

لکھتے ہیں:

ثقة من أثبت الناس فی ابن سیرین وفی روایته عن الحسن وعطاء مقال لأنه قیل کان یرسل عنهما

''ثقہ ہیں ابن سیرین سے روایت کرنے میں سب سے مضبوط ہیں، اور حسن بصری اور عطا سے ان کی روایت کے میں کلام ہے اس لیے کہ کہا گیا ہے کہ یہ ان دونوں سے مرسلا روایت کرتے ہیں''۔ (تقریب التہذیب ص ۶۰۲ رقم ۷۲۸۹)

امام ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

وروی أبو بکر بن أبی شیبة عن ابن علیة قال: کنا لا نعد هشام بن حسان فی الحسن شیئا

''ابوبکر بن ابی شیبہ، ابن علیہ سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں: ہم ہشام بن حسان کی حسن بصری سے روایت کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے''۔ (سیر أعلام النبلاء ج ٦ ص ٣٥٧)

امام ابوداود رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

إنما تکلموا فی حدیثه عن الحسن وعطاء لأنه کان یرسل، وکانوا یرون أنه أخذ کتب حوشب

''محدثین نے محض ان کی حسن اور عطا سے حدیث میں کلام کیا اس لیے کہ آپ ان سے مرسلا روایت کرتے ہیں، محدثین کا خیال ہے کہ انہوں نے حوشب کی کتب سے (حسن بصری کی روایت کو) اخذ کیا ہے''۔ (سؤالات أبي عبيد الآجري لأبي داود ص ٢٨٤ رقم ٤٠٥)

یہی حال الطبقات الکبری، تہذیب الکمال، اور سیر اعلام النبلاء کی سند کا ہے ان تمام میں ہشام بن حسان حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کر رہے ہے۔

تاریخ طبری کی سند میں دو راوی ہیں عبد الرحمن بن صبح ان کے حالات باوجود تلاش کے کہیں نہیں مل سکے، دوسرے حاتم بن قبیصہ ان کا تذکرہ ابن ابی حاتم نے الجرح والتعدیل میں کیا ہے لیکن کوئی جرح وتعدیل نقل نہیں کی۔ دونوں راوی مجہول ہیں۔

استیعاب کی دونوں سندوں میں ہشام بن حسان ہیں جو حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت

کر رہے، دوسری سند میں انقطاع بھی ہے، ابن عبد البر اور یزید بن ھارون کا سماع عالم رؤیا میں بطریق منام تو ہوسکتا ہے حقیقت میں نہیں۔

المنتظم کے رواۃ میں ہیثم بن عدی ہے جو متروک، کذاب راوی ہے، امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں فرماتے ہیں: لیس بثقة کان یکذب۔ (لسان المیزان ج ۸ ص ۳۶۱ رقم ۸۳۱۲)

یحییٰ بن معین فرماتے ہیں: لیس بثقة کان یکذب۔

(تاریخ یحییٰ بن معین روایة الدوری ج ۳ ص ۳۶۳ رقم ۱۷۶۷)

امام نسائی فرماتے ہیں: متروك الحدیث۔ (کتاب الضعفاء والمتروکین ص ۲۵۱ رقم ۶۴۲)

امام ابوداود فرماتے ہیں: کذاب۔ (لسان المیزان ج ۸ ص ۳۶۱ رقم ۸۳۱۲)

امام عجلی کہتے ہیں: کذاب وقد رأیته۔ (الثقات للعجلی ج ۲ ص ۳۳۷ رقم ۱۹۲۴)

حافظ ساجی کہتے ہیں: کان یکذب۔ (لسان المیزان ج ۸ ص ۳۶۱ رقم ۸۳۱۲)

جبکہ صفة الصفوہ میں بھی سند منقطع ہے، شرح ادب القاضی اور الکامل فی التاریخ لابن اثیر میں یہ روایت بے سند ہے۔

سنداً اس واقعہ کا حال آپ جان چکے، کہیں انقطاع ہے، کہیں سرے سے سند ہی نہیں، کہیں کذاب راوی لیکن مولوی فیضی صاحب تعزیہ کا لنگر سمجھ کے کھائے جا رہے ہیں۔ اصول اہل سنت تو یہ ہیں کہ اگر صحیح سند سے بھی ایسی کوئی بات کسی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں آئے تو اس کی تاویل کی جائے گی، لیکن یہ نجانے کون سے سنی ہیں جن کا مؤقف یہ ہے کہ جرم نہ بھی ہو تو ثابت کرنا ہے۔

البدایہ والنہایہ کا حوالہ کیوں نہیں دیا؟

ابن کثیر جس کا حوالہ موصوف نے زبردست چالاکی سے کام لیتے ہوئے نہیں دیا کیونکہ اس سے قبل ان کے بعض پیشرو البدایہ والنہایہ کا حوالہ دے چکے ہیں جس پر پکڑ ہوئی کہ وہاں تو یہ لکھا ہے: یجمع کله من هذه الغنیمة لبیت المال کے الفاظ ہیں، یعنی یہ مال جو الگ کرنے کا حکم دیا تو اس لیے کہ اس کو بیت المال میں جمع کیا جاسکے۔

لہٰذا اس لحاظ سے تو یہ اعتراض ہی باطل ہوگیا کہ اپنی ذات کے لیے مال منگوایا تھا۔

مزید جوابات

اول: تو اس میں کوئی صراحت نہیں کہ یہ خط سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم پر لکھا گیا، زیاد کا اپنا فعل بھی ہوسکتا ہے۔

ثانیاً: اگر لکھا بھی گیا تو ممکن ہے اس وقت بیت المال کو سخت ضرورت ہو اور سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ سمجھتے ہوں کہ سونا چاندی جو جمع ہوگا وہ خمس جتنا ہی ہوگا اس لیے الگ کروانے کا حکم دے دیا۔ الی غیر ذلك من الاحتمالات الکثیرۃ القویۃ۔

فیضی صاحب کے محقق العصر کا فیصلہ:

فیضی صاحب کے ادارے کے سربراہ مفتی خان قادری اپنی کتاب ''صحابہ کی وصیتیں'' میں لکھتے ہیں:

محمد بن حکم سے روایت ہے کہ آپ (سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے وصال کے وقت یہ بھی وصیت کی تھی: میرے ذاتی اموال میں سے نصف بیت المال میں داخل کر دیا جائے گویا وہ ازراہِ احتیاط اپنے مال کو صاف کرنا چاہتے تھے۔''

آپ جان چکے ہیں کہ فیضی صاحب کے قاعدے کے مطابق الاحادیث الموضوعہ مفتی خان قادری کی کتاب ہے، یہ کیسا تضاد ہے، ایک جگہ حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اتنا محتاط ذکر کرتے ہیں اور دوسری طریقۂ اہلسنت سے عدول کرتے ہوئے ایک منکر مطروح مجمل واقعہ سے ایک عظیم صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر الزام رکھنا چاہتے ہیں یہ ایک سنی سے تو متصور نہیں! پھر یہ صاحب ہیں کون؟

حضرت امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کی جو شرح کی وہ گزر چکی ہے اس پر موصوف امام قرطبی پر بھی چڑھ دوڑے لکھتے ہیں: یہ امام ابو العباس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خوش فہمی ہے، ورنہ معاویہ کے ایسے احوال سے کتابیں بھری پڑی ہیں۔۔۔ الخ۔

جس انداز میں یہ احوال آپ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے ثابت کرنا چاہتے ہیں، اگر ان باتوں کا اعتبار کر لیا جائے تو کوئی بھی محفوظ نہیں رہے گا، اہل بیت اطہار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا معاملہ تو ایک طرف رہا تاریخ کی کتب سے حضرات انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام تک محفوظ نہ رہے۔ جناب عقیدہ ان مجمل ومہمل واقعات سے نہیں بنتا عقیدہ قرآن وحدیث اور اسلاف کی تصریحات سے بنتا ہے، آپ سنی ہیں؟ اگر اہلسنت سے تعلق رکھتے ہیں تو ابتداء میں عدالت صحابہ کے تحت ہم نے ائمہ اہل سنت

کے بالعموم تمام صحابۂ کرام علیہم الرضوان اور بالخصوص حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے اقوال ذکر کیے ہیں، کیا یہ تمام کے تمام حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ان تمام احوال سے غافل تھے؟

جنت کی بشارت

حضرت سیدتنا ام حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے:

أنها سمعت النبی صلی الله علیه وسلم یقول أول جیش من أمتی یغزون البحر قد أوجبوا

''انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: میری امت کا پہلا لشکر جو سمندر میں غزوہ کرے گا انہوں نے (جنت کو) لازم کرلیا''۔

یہ حدیث امام بخاری نے اپنی صحیح میں، امام طبرانی نے معجم کبیر، معجم اوسط اور مسند الشامیین میں، ابن ابی عاصم نے الآحاد والمثانی اور کتاب الجہاد میں، حافظ ابونعیم نے معرفۃ الصحابہ اور حلیۃ الاولیاء میں، امام حاکم نے مستدرک میں، امام بغوی نے شرح السنہ میں امام بیہقی نے دلائل النبوہ اور دیلمی نے فردوس میں روایت کی ہے۔(صحیح البخاري ج ٤ ص ٤٢ رقم ٢٩٢٤ باب ما قیل في قتال الروم) (المعجم الأوسط ج ٧ ص ٤٨ رقم ٦٨١٢) (مسند الشامیین ج١ ص ٢٥٧ رقم ٤٤٥) (کتاب الجهاد لابن أبي عاصم ج ٢ ص ٦٦٢ رقم ٢٨٤) (الآحاد والمثاني ج ٦ ص ٩٨ رقم ٣٣١٣) (حلیة الأولیاء ج ٢ ص ٦٢) (معرفة الصحابة ج ٨ ص ٣٤٨٠ رقم ٧٨٩٥) (شرح السنة ج ١٣ ص ٣١٢ رقم ٣٧٣١) (الفردوس بمأثور الخطاب ج ٣ ص ٣٨ رقم ٤٠٩١)

اعلیٰ حضرت امام اہل سنت امام احمد رضا خان رحمہ اللہ تعالیٰ العلل المتناہیہ پر اپنی تعلیقات میں فرماتے ہیں:

أقول وبالله التوفیق: قد فتح الله بمنه و کرمه علی حدیثا صحیحا یشهد لمعاویة بالجنة. أخرج البخاری عن عمیر بن الأسود العنسی عن أم حرام -رضی الله تعالی عنها- أنها سمعت النبی -صلی الله تعالی علیه وآله وسلم- یقول: ((أول جیش من أمتی یغزون البحر قد أوجبوا)) قالت أم حرام: قلت: یارسول الله! أنا فیهم؟ قال: ((أنت فیهم))

(صحیح البخاري ج ٤ ص ٤٢ رقم ٢٩٢٤ باب ما قیل في قتال الروم، طبع دار المنهاج، الطبعة الثالثة ١٤٣٦ھ، تحقیق الشیخ محمد زہیر بن محمد ناصر الناصر) تعلیقات کا کلام مفتی حسان صاحب کی تحریر سے لیا گیا ہے)

ومعلوم أن هذا الغزو كان في خلافة سيدنا عثمان -رضي الله تعالى عنه- بإمارة معاوية -رضي الله تعالى عنه- فقد ثبت أنه من الذين وجبت لهم الجنة، وكان أميرا عليهم

''یعنی اللہ عزوجل کی توفیق سے میں کہتا ہوں: اللہ تعالیٰ نے اپنے احسان اور کرم سے مجھے حدیث صحیح پر مطلع فرمایا جو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جنتی ہونے کی گواہی دیتی ہے''۔

امام بخاری، عمیر بن اسود العنسی کے طریق سے اور وہ حضرت سیدتنا ام حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتی ہیں کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: میری امت کا سب سے پہلا لشکر جو سمندر میں غزوہ کرے گا انہوں نے واجب کرلی (یعنی جنت) ام حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: میں نے عرض کی: یا رسول اللہ میں ان میں سے ہوں؟ فرمایا: تم ان میں سے ہو۔

اور یہ بات معلوم ہے کہ یہ غزوہ حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امارت میں ہوا تھا۔ لہٰذا ثابت ہوا آپ ان لوگوں میں سے ہیں جن کے لیے جنت واجب ہوئی اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو ان کے امیر تھے۔

(تعلیقات الإمام أهل السنة على العلل المتناهية ص۰ مخطوط)

اعتراضات فیضی کی حقیقت

یہ حدیث مبارک حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل کو متضمن تھی اس لیے موصوف کے طعن سے کیسے محفوظ رہتی، موصوف نے اس پر سب سے پہلا یہ اعتراض کیا کہ اس کے تمام راوی شامی ہیں اور بعض تو حمصی ہیں، ہم یہ پوچھتے ہیں کیا کہیں یہ قاعدہ مذکور ہے کہ شامیوں اور حمصیوں کی روایت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت میں ہو تو مقبول نہیں؟

ثانیاً: یہاں تو مطلقا صحابہ کرام علیہم الرضوان جو پہلا سمندری غزوہ کریں گے ان کی فضیلت ہے، اس عمومی فضیلت کے ضمن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں۔ لہٰذا اس حدیث پر اعتراض کی کوئی صورت ہی نہیں۔

ثور بن یزید

ثور بن یزید کے بارے میں موصوف لکھتے ہیں:

''اس کا شمار دشمنان علی میں ہوتا ہے چنانچہ امام ابن سعد، حافظ ابن عساکر، حافظ جمال الدین مزی اور حافظ عسقلانی لکھتے ہیں: اس کا دادا جنگ صفین میں حمایت معاویہ میں لشکر مرتضوی کے ہاتھوں مارا گیا اس لیے جب بھی وہ سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر کرتا تو کہتا ''لا أحب رجلا قتل جدی'' میں اس شخص کو پسند نہیں کرتا جس نے میرے دادا کو قتل کیا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ دشمن علی تھا اور کتاب ہذا کے شروع میں آپ امام احمد بن حنبل اور دوسرے علماء کرام کے حوالہ سے پڑھ چکے ہیں، کہ سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دشمن اس شخص کو چڑھاتے رہتے تھے جس نے سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ جنگ کی تھی، تاہم چونکہ یہ بخاری کا راوی ہے لہذا ''اتھے دم مارن دی کیا مجال'' بخاری میں تو جس راوی کا نام آ گیا وہ سندِ عصمت پا گیا، البتہ بخاری میں ائمہ اہل بیت کی کوئی گنجائش نہیں حتی کہ وہ ہستی (امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ) جو صدق وصفا کی وجہ سے صادق کہلاتی تھی، امام بخاری نے ان سے بھی روایت نہیں لی۔'' (الاحادیث الموضوعات ص ۳۴۵)

سبحان اللہ! امام بخاری پر تو موصوف خوب گرجے اور برسے، لیکن اپنی باری میں سب بھول گئے جس راوی کو دشمن علی ثابت کرنے کے لیے موصوف جدوجہد کر رہے ہیں اس کے بارے میں ذرا تحقیق کر لیتے تا کہ دشمنان سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں اضافہ نہ ہوتا جن پانچ کتابوں کے موصوف نے حوالے دیئے ان میں موخر الذکر چاروں کتب کا مرجع پانچویں کتاب امام ابن سعد کی الطبقات الکبری ہے اور الطبقات الکبری میں یہ بات بے سند لکھی ہے۔ (الطبقات الکبریٰ ج ۷ ص ٤٦٧)

کیا آپ کے نزدیک جب کسی پر تہمت لگتی ہو تو وہاں وہ بات بے سند بھی معتبر ہو جاتی ہے؟

صحیح یہ ہے کہ یہ ہرگز حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سب وشتم نہیں کرتے تھے۔ ھدی الساری میں ہے: وكان يرمي بالنصب أيضا وقال يحيى بن معين كان يجالس قوما ينالون من علي لكنه هو كان لا يسب ان پر ناصبیت کی تہمت بھی ہے، اور یحیی بن معین کہتے ہیں یہ ایسے لوگوں کے پاس بیٹھتے تھے جو سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تنقیص کرتے تھے لیکن یہ خود حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کو برا نہیں کہتے تھے۔

حافظ عباس الدوری لکھتے ہیں:

سمعت يحيى يقول أزهر الحرازي وأسد بن وداعة وجماعة كانوا يجلسون يشتمون على بن أبي طالب وكان ثور بن يزيد في ناحية لا يسب عليا فإذا لم يسب جروا برجله.

''میں نے یحییٰ بن معین کو فرماتے سنا: ازہر الحرازی، اسد بن وداعہ اور ایک جماعت حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شتم کر رہی تھی، اور ثور بن یزید ایک کونے میں بیٹھے ہوئے تھے، یہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سب نہیں کر رہے تھے، جب انہوں نے سب نہیں کیا تو وہ لوگ نے اِن کو لاتیں مارنے لگے''۔

(تاريخ يحيىٰ بن معين رواية عباس الدوري ج ٤ ص ٤٢٣ رقم ٥٠٨٩)

یہ بات تہذیب التہذیب میں اسی مقام پر بھی نقل کی گئی ہے جہاں سے موصوف نے ان کو ناصبی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

نہ جانے بغض معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں موصوف کس کس کو رگڑتے اور بلا تحقیق دشمن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بناتے جائیں گے۔

ثالثاً: طرفہ یہ ہے کہ یہاں ثور بن یزید اس حدیث کو روایت کرنے میں متفرد نہیں، زید بن واقد دمشقی ثقہ راوی نے ان کی متابعت کی ہے چنانچہ محدث عبد الجبار الخولانی الدارانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تاریخ داریا میں اپنی سند کے ساتھ زید بن واقد عن خالد بن معدان اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

(تاریخ داریا الکبریٰ ص ٥٨)

نیز اس کے علاوہ صحیح بخاری اور دیگر کتب کی حدیث جو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سیدتنا ام حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے اس میں بھی اس حدیث کی مثل الفاظ موجود ہیں۔

صحیح بخاری میں ائمہ اہل بیت کی روایات

امام بخاری پر موصوف کا جلال برقرار ہے، طعن بھی کرتے ہیں اور پھر بڑے بھول پن سے کہتے ہیں: میں نے کیا کیا ہے؟

امام بخاری اہلسنت کے امام ہیں اور ان کے نزدیک بھی انبیاء کرام علیہم السلام اور ملائکہ ہی معصوم

ہیں، البتہ فیضی صاحب کے فرقے میں معصومین کی تعداد لا تعداد ہے۔

موصوف نے اپنے متبوعین کی اتباع میں کہہ تو دیا کہ امام بخاری نے ائمہ اہل بیت سے روایات نہیں لیں لیکن اس کو ثابت نہیں کرسکیں گے۔ صحیح بخاری میں حضرت سیدنا مولائے کائنات علی المرتضی، حضرت سیدہ خاتون جنت بی بی فاطمہ، حضرت سیدنا امام حسن مجتبی، حضرت سیدنا امام عالی مقام امام حسین، حضرت سیدنا امام محمد باقر، رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے بکثرت روایات موجود ہیں۔

نیز حضرت سیدنا عباس، حضرت سیدنا عبد اللہ بن عباس، حضرت سیدہ ام ہانی، حضرت سیدنا فضل بن عباس، حضرت سیدنا عبد اللہ بن جعفر، رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور دیگر کئی ائمہ اہل بیت سے سے احادیث مروی ہیں۔ امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے امام بخاری نے الادب المفرد میں حدیث روایت کی ہے۔

فیضی کے سربراہ کا فیصلہ

فیضی صاحب کے سربراہ صاحب مفتی خان قادری صاحب کی تائید سے دکتور خلیل بن ابراہیم ملا خاطر کے حالات زندگی میں ان کو اس وقت کا حدیث میں ید طولی رکھنے والا اور کئی معزز القاب سے یاد کیا گیا ہے، اور یہ سید زادے بھی ہیں، انہوں نے مکمل ایک کتاب ''الإمام البخاری وروایته عن أئمة آل البیت'' کے نام سے لکھی ہے اور فیضی صاحب کے فرقے کے لوگوں کی طرف سے امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ پر وارد اس اعتراض کا مفصل جواب دیا ہے۔ فیضی صاحب اس کا مطالعہ فرمالیں تسلی چاہیں گے تو ہو جائے گی۔

کتاب ''فیضان امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ'' میں اس حدیث کے تحت شرح ابن بطال سے جو شرح نقل کی گئی تھی وہ اس مقام پر اتنی ہی ہے البتہ دوسرے مقام پر مہلب نے اس حدیث میں یزید کو بھی شامل کیا ہے، ظاہر ہے کہ کسی سنی کے نزدیک یہ شرح قبول نہیں، اسی لیے حافظ بدر الدین عینی اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہم اللہ تعالیٰ نے ان کی یزید سے متعلق شرح کا رد کیا ہے۔ لیکن موصوف بضد ہیں کہ جب آپ نے مہلب کی یہ شرح قبول کی ہے تو پھر اس شرح کو بھی قبول کریں۔ مؤلفین فیضان امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں تو میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ اس کو قبول نہیں کریں گے، لیکن ظہور احمد فیضی سے کوئی بعید نہیں کہ اگر موصوف کو کسی طرح اس میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تنقیص نظر آئے تو اس کو بھی قبول کرلیں گے کیونکہ ان کے نزدیک معیار ایک ہی ہے، اس کے لیے موصوف حدیث میں

تحریف کر گزرے، یزید و مروان کا دفاع کیا، عبارتوں میں تحریف کا سیلاب لے کر آئے۔

فیضی صاحب کی کتاب میں رد کرنے کے لیے اگر چہ ابھی بہت کچھ موجود ہے، لیکن ہم اسی پر اکتفاء کرتے ہیں، چونکہ فیضی نے کتاب میں جگہ جگہ لکھا ہے کہ کچھ باتوں کی تفصیل وہ کتاب لاتسبوا اصحابی اور الصحابہ والطلقاء میں بیان کریں گے، ان شاء اللہ عزوجل یہ عاجز ان کی مذکورہ کتابوں میں متوقع اعتراضات کے جواب بخوبی جانتا ہے اور اس کے جواب نکال کر رکھے ہیں، جیسے ہی موصوف کی کتاب آئے گی ان شاء اللہ عزوجل اس کو ترتیب دے دیا جائے گا۔

آخر میں ہم فیضی صاحب کی ایک اور خیانت آپ کے سامنے رکھنا چاہتے ہیں، اور وہ حضرت علامہ علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت ہے جس سے یہ بدعتی فرقہ عامۃ الناس کو دھوکہ دیتا ہے۔

ملا علی قاری کا مؤقف کیا ہے

یہاں بہتر ہے کہ ہم اس بات کی تحقیق کر دیں کہ حضرت علامہ ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ کا سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں کیا مؤقف ہے اور ان کی مرقاۃ کی ایک عبارت جو امام بابرتی رحمہ اللہ تعالیٰ کی بات کے رد پر تفریعا تھی اس کا معنی کیا ہے۔ کیونکہ فیضی صاحب اس عبارت کو لے کر بہت طعن و تشنیع کرتے ہیں اور ان کے متبعین بھی جہل مرکب کے مرتکب ہوتے ہیں۔

حضرت علامہ علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ منح الروض الازہر میں فرماتے ہیں:

وأما ما وقع من امتناع جماعة من الصحابة عن نصرة علی رضی الله تعالی عنه والخروج معه إلی المحاربة ومن محاربة طائفة منهم له كما فی حرب الجمل وصفین فلا يدل علی عدم صحة خلافته ولا علی تضليل مخالفه فی ولايته، إذلم يكن ذلك عن نزاع فی حقيقة إمارته. كان عن خطأ فی اجتهادهم حيث أنكروا عليه ترك القود من قتلة عثمان رضی الله تعالی عنه، بل زعم بعضهم أنه كان مائلا إلی قتله، والمخطئ فی الاجتهاد لا يضلل ولا يفسق علی ما عليه الاعتماد

''بہرحال صحابہ کرام علیہم الرضوان کی ایک جماعت کا سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مدد نہ کرنا، آپ کے ساتھ جنگ پر نکلنے سے رکنا، اور ان میں سے ایک گروہ کا آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ جنگ کرنے کا جو واقعہ پیش آیا جیسا کہ جنگ جمل اور صفین میں تو یہ حضرت علی رضی

اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کی عدم صحت پر دلالت نہیں کرتا اور نہ ہی آپ کی حکومت میں آپ سے مخالفت کرنے والوں کی گمراہی پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ یہ نزاع حقیقتاً حکومت کے لیے نہیں تھا بلکہ ان کے اجتہاد کی وجہ سے تھا جیسا کہ انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتلوں سے قصاص نہ لینے پر مولائے کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر انکار کیا، بلکہ ان میں سے بعض نے تو یہ گمان کیا کہ (نعوذ باللہ) آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، قتلِ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف مائل تھے، اور معتمد قول کے مطابق اجتہاد میں خطا کرنے والے کی نہ تضلیل کی جاتی ہے، نہ تفسیق کی جاتی ہے۔ (منح الروض الأزهر شرح الفقه الأكبر ص ۱۹۲)

مزید فرماتے ہیں:

ثم كان معاوية مخطئا إلا أنه فعل ما فعل عن تأويل فلم يصر به فاسقا، واختلف أهل السنة والجماعة في تسميته باغيا فمنهم من امتنع من ذلك والصحيح قول من أطلق لقوله عليه الصلاة والسلام لعمار تقتلك الفئة الباغية

''پھر حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خطا پر تھے مگر یہ کہ انہوں نے جو کچھ کیا وہ تاویل کی وجہ سے کیا تو وہ فاسق نہ ہوئے، اور اہل سنت و جماعت کا اس میں اختلاف ہے کہ ان کو باغی کہا جائے گا یا نہیں تو بعض ائمہ نے اس سے منع کیا ہے اور صحیح ان لوگوں کا قول ہے جو باغی کے اطلاق کو درست کہتے ہیں، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سیدنا عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ارشاد فرمایا تھا: تجھے باغی گروہ شہید کرے گا''۔ (منح الروض الأزهر ص ۲۰۰)

امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے فرمان ہم صحابہ کا ذکر خیر ہی کے ساتھ کرتے ہیں کی شرح میں فرماتے ہیں:

أي مجتمعين ومنفردين وفي نسخة: ولا نذكر أحدا من أصحاب رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم إلا بخير، يعني وإن صدر من بعضهم بعض ما هو في الصورة شر، فإنه إما كان عن اجتهاد ولم يكن على وجه فساد من إصرار وعناد كان رجوعهم إلى خير معاد بناء على حسن الظن بهم

''یعنی اجتماعی طور ذکر کریں یا انفرادی طور پر، ذکر خیر کے ساتھ ہی کرتے ہیں، اور ایک نسخہ میں

یہ ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ہر صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر خیر کے ساتھ ہی کرتے ہیں، یعنی اگرچہ ان میں سے بعض سے وہ کام صادر ہوئے جو صورتا شر ہیں، کیونکہ یہ امور ان سے اجتہاد کی بنیاد پر صادر ہوئے ہیں نہ کہ اصرار و عناد کے سبب فساد کی وجہ سے، ان سے حسن ظن کی بنیاد پر ان تمام کا مقصود بہترین انجام کی طرف تھا''۔

(منح الروض الأزہر ص ۲۰۹)

شم العوارض میں اپنا مؤقف بیان کرتے ہیں:

وأما من سب أحدا من الصحابة فهو فاسق ومبتدع بالإجماع إذا اعتقد أنه مباح

''جو صحابہ میں کسی کو بھی برا کہے وہ بالاجماع فاسق مبتدع ہے جب کہ اس کا اعتقاد یہ ہو کہ برا کہنا مباح ہے''۔ (شم العوارض ضمن مجموعۃ رسائل ملا علی القاری)

شرح الشفا میں فرماتے ہیں:

ومعاوية وإن أسلم عام الفتح لكن له سبق ظاهر على من أسلم بعده سواء كان من الصحابة أو التابعين

''اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگرچہ فتح مکہ کے سال ایمان لے کر آئے لیکن آپ کو اپنے بعد ایمان لانے والے چاہے وہ صحابہ ہوں یا تابعین پر واضح سبقت حاصل ہے''۔

(شرح الشفاء ج ۱ ص ۹۷)

مرقاۃ میں بیان فرماتے ہیں:

وأما معاوية فهو من العدول الفضلاء والصحابة الأخيار. والحروب التي جرت بينهم كانت لكل طائفة شبهة اعتقدت تصويب أنفسها بسببها. وكلهم متأولون في حروبهم. ولم يخرج بذلك أحد منهم من العدالة لأنهم مجتهدون اختلفوا في مسائل كما اختلف المجتهدون بعدهم في مسائل، ولا يلزم من ذلك نقص أحد منهم

''حضرت معاویہ عادل فاضل اور بہترین صحابہ میں سے تھے، وہ جنگیں جو ان کے درمیان ہوئیں، ان میں سے ہر ایک گروہ کو شبہ تھا جس کے سبب وہ اپنے آپ کو صواب پر ہونے کا

اعتقاد رکھتا تھا، اور یہ تمام اپنی جنگوں میں تاویل کرنے والے تھے، اس سبب ان میں سے کوئی عدالت سے خارج نہیں ہوا، اس لیے کہ یہ تمام مجتہد تھے، اور انہوں نے مسائل میں اختلاف کیا جیسا کہ ان کے بعد آنے والے مجتہدین نے مسائل میں اختلاف کیا، اور ان میں سے کسی میں بھی اس سبب نقص واقع نہ ہوا''۔ (مرقاۃ المفاتیح ج ۱۰ ص ۳۵۵)

ان عبارات صریحہ سے ملاعلی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ کا مؤقف واضح ہوا۔

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ صحابہ کرام جو مولائے کائنات مولا مشکل کشا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابل آئے۔

(۱) یہ ان کی اجتہادی خطا تھی، جس کی وجہ سے وہ فاسق نہیں ہوئے۔

(۲) بلکہ ان پر باغی کے اطلاق میں ائمہ اہل سنت کا اختلاف ہے، اگرچہ باغی کے اطلاق کو درست کہنے والوں کو قول صحیح ہے۔ ہم ابتداء میں علامہ محدث فقیہ عبد اللطیف سندھی، علامہ محدث سید غلام رسول سعیدی، حضرت مجدد الف ثانی رحمہم اللہ تعالیٰ کے حوالے سے لکھ چکے ہیں کہ یہ اطلاق ظاہر کے اعتبار سے ہے، اور اصطلاحی معنی یعنی امام برحق کے خلاف خروج کیا اس وجہ سے ہے اور یہاں ملاعلی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت سے بھی واضح ہے کہ یہ خروج اجتہاد کی وجہ سے تھا اور اب اس کا اطلاق ممنوع ہے جس کی صراحت بھی گزر چکی ہے۔

(۳) صحابہ کرام علیہم الرضوان میں سے ہر ایک کا ذکر خیر ہی کے ساتھ کیا جائے گا۔

(۴) جو کچھ ان میں سے بعض سے صادر ہوا وہ صرف ''صورتاً'' ''شر'' تھا حقیقتاً ان کا مقصود خیر تھا، فساد کی نیت سے نہیں تھا۔

(۵) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگرچہ اسلام فتح مکہ کے موقع پر لائے لیکن ان کو بعد والے افراد چاہے صحابہ کرام علیہم الرضوان میں سے ہوں یا تابعین میں سے ان پر واضح سبقت حاصل ہے۔

(۶) سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہترین، عادل، فاضل، مجتہد صحابی تھے۔

اب ہم آپ کو فیضی صاحب کی خیانت پر مطلع کرتے ہیں۔ حضرت علامہ علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے حدیث سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شرح میں پہلے علامہ ابن الملک کے حوالے سے یہ واضح کیا

کہ فئہ باغیہ سے مراد حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گروہ ہے، پھر حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دو تاویلیں ذکر کیں کہ آپ باغی بمعنی طالب لیتے تھے، یعنی بغی کا معنی قصاص عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو طلب کرنا لیتے تھے، دوسری تاویل آپ یہ کرتے تھے کہ حضرت سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید ہم نے نہیں مولائے کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا ہے اس لیے کہ وہی حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو میدانِ جنگ میں لے کر آئے تھے، جس کا جوابِ لا جواب مولا مشکل کشا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ دیا کہ پھر حضرت سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل کا سبب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات بنے گی کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ہی حضرت سیدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو میدان جنگ میں لے کر آئے تھے۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ان دونوں تاویلوں کو رد کیا اور ان کا جواب ذکر کیا۔ پھر اس کے بعد آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا:

ثم رأيت الشيخ أكمل الدين قال: الظاهر أن هذا أي التأويل السابق عن معاوية، وما حكي عنه أيضا من أنه قتله من أخرجه للقتل وحرضه عليه كل منهما افتراء عليه، أما الأول فتحريف للحديث، وأما الثاني فلأنه ما أخرجه أحد، بل هو خرج بنفسه وماله مجاهدا في سبيل الله قاصدا لإقامة الغرض، وإنما كان كل منهما افتراء على معاوية لأنه رضي الله تعالى عنه أعقل من أن يقع في شيء ظاهر الفساد على الخاص والعام.

”ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ یہاں شیخ اکمل الدین بابرتی رحمہ اللہ تعالیٰ کا رد کرتے ہیں کہ اگر آپ کی بات تسلیم کر لی جائے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ تاویل نہیں کی تھی تو ان کی جنگ کس بنیاد پر تھی؟ پھر تو ان پر لازم تھا کہ وہ اپنی اس بغاوت سے خلیفہ یعنی حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف رجوع کرتے اور مخالفت کو ترک کرتے اور اس صورت میں تو ان کا مطالبہ محض خلافت رہ جاتا اس کو بھی ترک کرتے۔ عربی عبارت ملاحظہ فرمائیں:
قلت: فإذا كان الواجب عليه أن يرجع عن بغيه بإطاعته الخليفة، ويترك المخالفة وطلب الخلافة المنيفة میں کہتا ہوں اس وقت حضرت امیر معاویہ پر واجب تھا کہ وہ اپنی بغاوت سے خلیفہ کی طرف اطاعت کے ساتھ رجوع کرتے اور مخالفت اور خلافت منیفہ کی طلب کو ترک کرتے۔“

تاویل کو تسلیم نہ کریں اور پھر وہ رجوع بھی نہ کریں تو ظاہر ہے نتیجہ فسق کا نکلتا ہے کہ یہ خوامخواہ کی جنگ تھی، لیکن نہ صرف ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ بلکہ بکثرت ائمہ اہل سنت کی تصریحات موجود ہیں کہ یہ مشاجرات اجتہاد کی بنیاد پر تھے، لہٰذا فسق نہ رہا یہ ایک اجتہادی خطا ہوئی۔

لیکن امام اکمل الدین بابرتی کے انکار کا نتیجہ تو یہ نکلتا کہ تاویل ہے ہی نہیں اس پر ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ تفریع بیان کرتے ہیں:

فتبين بهذا أنه كان في الباطن باغيا، وفي الظاهر متسترا بدم عثمان مراعيا مرائيا. فجاء هذا الحديث عليه ناعيا، وعن عمله ناهيا، لكن كان ذلك في الكتاب مسطورا. فصار عنده كل من القرآن والحديث مهجورا.

''پھر اس سے تو یہ ظاہر ہوا کہ وہ باطن میں باغی ہی تھے اور ظاہر میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قصاص کے پردے میں چھپے ہوئے تھے، فقط ظاہری طور پر دکھانے والے تھے، پھر یہ حدیث ان کی غلطی کو ظاہر کرنے والی، اور ان کے فعل کا انکار کرنے والی ہوئی ہاں وہی ہوا جو تقدیر میں لکھا ہوا تھا، اور قرآن وحدیث میں جو کچھ تھا وہ ان کے نزدیک مہجور ہو گیا۔''

ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ محض نتیجہ بیان کیا ہے کہ علامہ بابرتی رحمہ اللہ تعالیٰ عنہ کا مطلقا تاویل سے ہی انکار کر دینا غلط ہے، اس سے تو یہ نتیجہ نکلے گا، حالانکہ ایسا نہیں۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ اس کے بعد یہ ارشاد فرماتے ہیں:

فرحم الله من أنصف ولم يتعصب ولم يتعسف، وتولى الاقتصاد في الاعتقاد، لئلا يقع في جانبي سبيل الرشاد من الرفض والنصب بأن يحب جميع الآل والصحب

''اللہ تعالیٰ کی ان پر رحمت ہو جنہوں نے انصاف کیا (یعنی اہل سنت جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خطاء اجتہادی پر مانتے ہیں) اور تعصب نہیں برتا اور حد سے بھی نہیں بڑھے، اور اعتقاد میں اعتدال کو پسند کیا تاکہ وہ ہدایت کے دونوں کناروں سے جدا ہو کر رفض (جو حضرت معاویہ پر طعن وتشنیع، سب وشتم کرنے والوں کا مذہب ہے) اور ناصبیت (جو مولائے کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عداوت رکھنے کو نام ہے) میں جا نہ پڑے۔ اللہ تعالیٰ ایسے شخص پر رحم فرمائے جو تمام آل واصحاب سے محبت رکھے۔''

اتنی وضاحت مجھے موصوف جیسے لوگوں کے لیے کرنی پڑی ہے ورنہ اگر تعصب سے خالی ہو کر کوئی بھی اہل علم جو اصول وضوابط کو جانتا اور اس کی پابندی کرتا ہے اصل عربی عبارت مرقاۃ سے پڑھے گا تو اس کے سامنے یہ مفہوم بالکل واضح ہے۔

یہیں سے ظہور احمد فیضی کی خیانت بھی ظاہر ہوگئی کہ فتبین بھذا سے عبارت نقل کر دی اور اس پر عمارت کھڑی کر لی لیکن ماقبل عبارت چھوڑ دی کہ بھذا سے مراد کیا ہے۔

تمام تعریفیں اس رب لم یزل کے لیے ہیں جس نے اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے اس حقیر ناچیز بندے کو صحابۂ کرام علیہم الرضوان کے دفاع کی سعادت بخشی۔ رب کریم اپنے کرم سے اس کوشش کو اپنی بلند بارگاہ میں شرفِ قبول عطا فرمائے۔ اور آئندہ بھی توفیق عطا کرے کہ جب فیضی بد باطن جیسے لوگ ذوات مقدسہ پر طعن وتشنیع کے لیے اظہارِ بدبختی کریں تب تب یہ فقیران پاکیزہ ہستیوں کا دفاع کرتا رہے۔

آمین آمین آمین یا رب العلمین بجاہ سید المرسلین صلی تعالی علیہ وآلہ الطیبین الطاہرین وصحبتہ المکرمین!